فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

...والوں کو اور یقین لائے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اَللّٰهُ

نظریاتی مسائل مضامین کا مجموعہ

دِل کی لگی

میں رونا اپنا روتا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں
انہیں دِل کی لگی اک دِل لگی معلوم ہوتی ہے!

از قلم

مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ

ناشر:

مکتبہ حسن

دل لگی

(پہلا حصہ)

درویش کے قلم سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	تعارف	5	14	ایک اور منصوبہ	85
1	پاکستان کس کی ضرورت ہے	27	15	وہ چلا گیا	90
2	جیل اور مدرسہ	32	16	غلط نسخہ	99
3	تحریک کشمیر سے بے وفائی	36	17	دل بہلانے کی باتیں	104
4	رب کی روزی یا انگریز کی تنخواہ	39	18	سلام ان ماؤں پر	107
5	لاہوری چرغہ	43	19	ضرورت رشتہ	111
6	نہیں، نہیں، نہیں	46	20	سزائے موت یا جام زندگی	114
7	ہائے بیکاتب	50	21	آیئے مال بنیئے	124
8	گیلانی صاحب ہم شرمندہ ہیں	54	22	کالی آندھی اور اس سے بچاؤ کے طریقے	139
9	تورا بورا	58	23	لباس بدلیں	163
10	بزرگوں کا اخبار	62	24	روزآنہ کالم	171
11	کشمیر، کشمیر	70	25	سولی کیسی تھی؟	175
12	قید کے مزے	74	26	دل کی لگی (دوسرا حصہ)	181

13 چال بدلو یا کھال 79

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت کا مالک ہے...... میں کب کا مر چکا ہوتا ...... اگر موت لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ...... مجھے بہت سارے واقعات یاد ہیں ...... جب مجھے مارنے کی کوششیں کی گئیں ...... کس کس واقعے کو دھراؤں؟ بہت لمبی داستانیں ہیں ...... ہاں میں مر چکا ہوتا ...... اگر موت خود میرے بس میں ہوتی ...... اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے...... زندگی کے وہ لمحات مجھے ندامت اور شرمساری کے ساتھ یاد ہیں جب مجھے موت کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا ......اور میں نے ہاتھ اور جھولی پھیلا کر اور پھر سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ سے موت مانگی...... مقبوضہ کشمیر میں انڈین آرمی کا کیمپ ...... بڈگام (شریف آباد) والا ......اور......اپنے بہاولپور کی سینٹرل جیل کا ایک وارڈ...... جس کا نمبر مجھے یاد نہیں ...... مگر منظر خوب یاد ہے......اور بھی شاید کسی وقت ...... اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ...... مجھے صبر سے کام لینا چاہیے تھا ...... مگر اپنے ایمان کو خطرے میں دیکھ کر میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا ...... جی ہاں میں کبھی کا مر چکا ہوتا ...... اگر موت حادثات میں ہوتی ...... مجھے بہت سارے حادثات یاد ہیں ...... مگر سانس باقی تھے ...... وہ اس گھڑی تک آ جا رہے ہیں ...... آگے کا کچھ پتہ نہیں ہے...... اللہ تبارک و تعالیٰ نے انڈیا سے رہائی عطا فرمائی تو پاکستان میں میرے گھومنے پھرنے ......اور تقاریر کرنے سے ...... حکومت وقت کو...... کافی شرمندگی ہوئی ...... اس وقت ایک اعلیٰ عہدیدار نے منہ پر کہہ

دیا...... انڈیا آپ کو مار دیتا تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں تھی ...... مگر اب آپ یہاں مارے گئے تو ہمارے لئے مسئلہ بن جائیں گے ...... ہاں مجھے شرک سولی پر لٹکا دیتے تو ”حکومت وقت“ کو کیا پریشانی ہوتی ...... ایک مسلمان اور اپنے ملک کے ایک شہری کا خون کیا حیثیت رکھتا ہے؟...... جنہوں نے یہ بات فرمائی تھی ...... ان کا انتقال ہو چکا ہے ...... اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے ...... اب وہ میری وجہ سے شرمندہ نہیں ہوں گے ...... مگر میں ابھی تک زندگی کی ...... شرمندگی گزار رہا ہوں ...... کراچی کے ایک نامور تاجر ...... جن کے بارے میں اب معلوم ہوا ہے کہ ان کے انڈر ورلڈ سے گہرے مراسم ہیں ...... ان کے والد محترم انتقال فرما گئے ...... میرے ایک عالم دین دوست نے بہت اصرار کیا کہ...... تعزیت کے لئے جانا چاہئے ...... وہ آپ سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں ...... میری ان سے نہ پہلے کوئی ملاقات تھی نہ شناسائی ...... مگر پھر بھی چلا گیا ...... وہ اپنے گھر ...... بلکہ محل میں موجود نہیں تھے ...... مگر وہاں کئی ریٹائرڈ فوجی آفیسر ......اور خفیہ اداروں کے کئی سابق اعلیٰ اہلکار موجود تھے ...... میں یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا ...... ان حضرات کے ساتھ کچھ دیر گفتگو رہی ...... واپسی پر ان میں سے ایک نے ارشاد فرمایا ...... مولانا صاحب! شکر کریں آپ زندہ ہیں۔ آپ جب انڈیا سے آئے تھے میں کراچی ہی میں ایک خفیہ ادارے کا آفیسر تھا۔ آپ جیسے لوگوں کو زندہ نہیں رکھا جاتا ...... بلکہ ...... کسی کونے کھدرے میں لے جا کر کام تمام کر دیا جاتا ہے...... آپ یقین کریں کہ...... میں سچ کہہ رہا ہوں ...... آپ کا اس طرح سے آزادانہ گھومنا پھرنا حیرت ناک ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر کریں ...... شکر کی نصیحت اچھی تھی ...... اللہ تعالیٰ مجھے عمل کی توفیق عطا فرمائے ...... مگر ان کی باقی باتوں سے مجھے گھن آئی ...... کس طرح دیدہ دلیری سے خون مسلم کی بات ان کی زبان سے نکل رہی تھی ...... بہر حال میرے زندہ رہنے پر ان کو جو افسوس تھا وہ اسے چھپا نہ سکے ......اور عقیدت و محبت کے پردے میں اپنے دل کی جلن کا اظہار کر گئے ......

اللہ کرے وہ خود...... خوب زندہ رہیں...... مگر میری دعاء سے کیا بنتا ہے؟...... موت اپنے وقت پر انہیں بھی سمجھائے گی کہ...... دنیا میں کسے زندہ رہنے کا حق ہے اور کسے نہیں......

ہاں میں یہ سب کچھ لکھنے سے پہلے مر گیا ہوتا اگر موت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی...... مگر جس طرح موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا...... اسی طرح زندگی سے بھی کوئی نہیں بھاگ سکتا ہے...... کچھ عرصہ پہلے ایک جہادی رہنما میرے گھر پر تشریف لائے...... اور انہوں نے فرمایا...... احتیاط کریں...... مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ امریکا کا کلنگ دستہ پہنچ چکا ہے...... میں اور آپ اس کا ہدف ہیں...... میں نے ان کی باتوں کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا...... کیونکہ موت نے ضرور آنا ہے...... مگر اپنے وقت پر آنا ہے...... اور اس وقت کے تعین کا دنیا میں کسی کو بھی اختیار نہیں ہے...... ہاں میں ضرور مر جاؤں گا...... اس وقت کوئی مجھے نہیں بچا سکے گا...... معلوم نہیں وہ موت کیسے آئے گی؟...... کب آئے گی؟...... کس طرح آئے گی؟...... ابھی اس لمحے تو زندہ ہوں یہ بھی امتحان ہے...... مر جاؤں گا وہ لمحہ بھی امتحان کا ہوگا......

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ

اَحْسَنُ عَمَلاً

یا اللہ! ہر امتحان میں سرخرو فرما...... معافی اور درگزر کا معاملہ فرما...... زندگی کو بھی آسان فرما...... اور موت بھی قبولیت والی شہادت کی صورت میں عطا فرما...... تیرے خزانوں میں کیا کمی ہے...... رات کے دو بج کر سینتالیس منٹ ہو چکے ہیں...... میں الحمدللہ زندہ ہوں اور مضامین کے اس نئے مجموعے کا تعارف لکھ رہا ہوں...... جس کا نام ''دل کی لگی'' ہے۔ ایک رات ایسی آنے والی ہے جب میں قبر میں ہوں گا...... اے رب غفور ورحیم اس وقت اس لکھنے کو...... خوشی کا باعث بنا دینا اپنے فضل سے...... اپنے

کرم سے...... اور اپنی رحمت سے......

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حکومت نے جب اصولی طور پر جہادی جماعتوں پر پابندی کا فیصلہ کر لیا...... تو اس سے پہلے مجھے گرفتار کرنا ضروری سمجھا گیا...... دسمبر ۲۰۰۱ء کے اواخر میں یہ ''اہم کام'' سرانجام پا گیا...... ابھی انڈیا سے میری رہائی کو دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے...... میرے لئے میانوالی جیل کا انتخاب کیا گیا...... اللہ اسے ویران کرے...... بہت سخت جیل ہے...... حیدرآباد سے گرفتار کرنے اور پھر میانوالی لے جانے کا واقعہ بہت عجیب ہے...... میں خود یاد رکھوں اتنا ہی کافی ہے...... وما وجدنا لاکثرھم من عہد...... ان دنوں قلم پر خالق قلم کا کرم تھا...... دل بے حد زخمی تھا...... امارت اسلامیہ کی شہادت کا صدمہ...... دل کے ہر تار سے رس رہا تھا...... ہر ہفتے اس موضوع پر نیا معرکہ آتا...... جو پڑھا جاتا تھا...... اور جمعہ کے دن منبروں سے سنایا جاتا تھا...... بنات عائشہ میں اور پندرہ روزہ جیش محمد ﷺ میں اداریے بھی...... دھڑا دھڑ چل رہے تھے...... اچانک گرفتاری ہوئی تو...... ہاتھوں کو چین نہ آیا...... میانوالی جیل کی چکی تین میں بیٹھ کر...... کئی چھوٹے چھوٹے شذرے اور مضامین لکھ ڈالے...... رجسٹر کے اسّی صفحات ہوئے ہوں گے کہ طبیعت بجھ گئی...... اور قلم نے ہاتھ کا ساتھ چھوڑ دیا...... جیل میں سخت نگرانی تھی...... مگر چھ سالہ تجربہ کام آیا...... اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے وہ تمام صفحات...... سلیمانی ٹوپی اوڑھ کر گھر پہنچ گئے...... ساڑھے تین ماہ بعد...... جیل سے گھر منتقلی ہو گئی...... مگر قلم چل کے نہ دیا...... پھر بعض احباب نے اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ سے ہمت اور توفیق مانگی...... جو الحمدللہ مل گئی...... تب تیس کے قریب مضامین لکھے گئے جو ایک روزنامے کے ادارتی صفحے پر...... درویش کے قلم سے...... سوز و ساز نامی کالم میں شائع ہوئے...... ابھی لکھنے نے رفتار پکڑی ہی تھی کہ ۱۴ اگست ۲۰۰۲ء بروز بدھ...... گھر سے اٹھا کر...... بہاولپور

سینٹرل جیل میں بھجوا دیا گیا ......اور یوں مضامین کا سلسلہ بند ہوا جو...... رہائی تک دوبارہ بحال نہ ہو سکا ......الغرض...... تیرہ مہینے کی نظر بندی کا کل سامان ......یہی اسی صفحات ......اور ...... تیس مضامین تھے۔ اب کچھ ساتھیوں نے محنت کی اور سوز و ساز والے مضامین کو...... دوبارہ کتابت کروالیا...... تب ارادہ ہوا کہ میانوالی جیل کے مضامین بھی پیش قارئین کر دیئے جائیں ...... کاٹ چھانٹ کے بعد اب اسی میں سے ساٹھ صفحے اشاعت کے لئے منتخب کئے ہیں۔ یہ پہلے کسی جگہ شائع نہیں ہوئے جب کہ سوز و ساز والے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ مگر ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے...... بس یہ ہے پس منظر...... دل کی لگی......کا......

☆☆☆☆☆

نواں مہینہ...... گیارہ تاریخ......۲۰۰۱ء...... دنیا سے بہت کچھ...... نو دو گیارہ ہو گیا ...... ویسے کافی تبدیلی محسوس ہو رہی ہے......اور قیامت کی کئی علامات ظاہر ہو رہی ہیں ...... کہنے والے تو اب امریکا اور یورپ کو...... فتنۂ مسیح الدجال ...... کہنے لگ گئے ہیں ...... جب کہ ہم اسے بڑے دجال کی آمد کی تیاریاں مان رہے ہیں ......اور موجودہ کفریہ طاقتوں کو...... چھوٹا دجال ......یا...... ننھا منا دجال سمجھتے ہیں ...... بڑا دجال...... اللہ تعالیٰ اس کے شر سے بچائے ...... بہت خوفناک ہوگا ...... بہت ہیبتناک ......اس وقت تو اس کو نہ ماننے والے......بس ...... موت ہی کے منہ میں دھکیلے جائیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس موت کے پیچھے...... جنت چھپی مسکرا رہی ہوگی...... مہک مہک کر...... لہک لہک کر...... وہ تو کسی کو نہیں بخشے گا......اور کہے گا بس مجھے مانو......کفر کرو......ورنہ آگ میں بھسم کر دوں گا......اس وقت کوئی حیلہ بہانہ کام نہیں آئے گا......بس دوٹوک فیصلہ کرنا ہوگا کہ زندہ رہنا ہے یا مرنا ہے......ایمان پر رہنا ہے یا کفر اختیار کرنا ہے...... اور ابتدائی زمانے میں تو اس کا کوئی مقابلہ بھی نہیں کر سکے گا ...... جو سامنے آئے گا

ظاہری طور پر شکست کھائے گا......اور مارا جائے گا...... جب کہ موجودہ دجال تو اس کے مقابلے میں ...... بہت چھوٹا ...... بہت کمزور...... بلکہ ننھا منا ہے...... یہ بے چارہ تو ابھی سے لرز رہا ہے......اور اپنوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر اس کی کمر دوہری ہو رہی ہے...... یہ تو ہمارے عقلمندوں اور دانشوروں کی بزدلی کے سہارے چنگھاڑ رہا ہے...... یہ تو اب علماء کو ویزے دے دے کر بلا رہا ہے اور اپنی صفائیاں پیش کر رہا ہے......

یہ بے چارہ تو کہیں بھی اکیلا کودنے سے ڈرتا ہے......اور ہر کس و ناکس سے مدد مانگتا ہے...... اس کے پاس اسلحہ بہت سہی ......مگر سب کو تباہ کر کے خود بچے رہنا ناممکن ہے...... ہاں اس میں شک نہیں کہ اس چھوٹے دجال کے ناز نخرے......اور ظلم و ستم بڑے دجال سے کسی حد تک ملتے جلتے ہیں ......مگر مسلمان کا کام دجال کے سامنے گردن جھکانا نہیں ہے...... وہ لوگ جو اس دجال کی طاقت اور تیزی دیکھ کر اس کے سامنے رکوع سجدے کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں ...... وہ بڑے دجال کے سامنے کیا کریں گے......ہم اس ناقص خیال میں مبتلا ہیں کہ دنیا کو تباہی سے بچانا ہمارا کام ہے ...... حالانکہ یہ نہ ہمارا کام ہے اور نہ ہمارے بس کی بات ہے......فطرت اور قدرت کی لگامیں ہم میں سے کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں ...... یہ فیصلے بہت اوپر سے آتے ہیں ...... بہت اوپر سے ...... ہمارا کام تو اپنے ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے...... رب نے جہاں پیدا کیا وہی اس کی بقاء اور تباہی کا فیصلہ فرمائے گا......ہم خود ایک غبارے جتنی زندگی رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کا سودا کر کے پھولے نہیں سماتے کہ ہم نے ملک کو تباہی سے بچا لیا ہے......تو کیا بڑے دجال کے وقت بھی نعوذ باللہ یہی منطق ہوگی؟......وہاں بھی بچاؤ کے لئے اس کو خوش کریں گے......اور کب تک ہم دنیا کو بچاتے رہیں گے؟ ...... جو شخص بھی مرجاتا ہے اس کے لئے تو دنیا ویسے ہی تباہ شدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ بڑے دجال کے فتنے سے بچائے......اس چھوٹے دجال کا فتنہ بھی کم

خطرناک نہیں ہے......لوگ دھڑا دھڑ اس کی ناپاک گود میں تحفظ ڈھونڈ رہے ہیں...... حالانکہ اگر دل میں ایمان ہو تو اس سے برابری کی سطح پر بات کی جا سکتی ہے......اور اس وقت مسلمان متحد ہو کر اس کے شر سے بچ سکتے ہیں......مگر آج عالم اسلام......اس پر تو ان لوگوں کا تسلط ہے......جو غیروں کے سامنے جھکتے ہیں اور اپنوں پر اکڑتے ہیں......یا اللہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی محبوب امت پر رحم فرما......

اے مسلمانو......اس وقت کسی نہ کسی طرح کھڑے رہنے کی ضرورت ہے...... اگرچہ یہ کافی مشکل ہے......اس وقت آپس میں نہ لڑنے کی ضرورت ہے......اگرچہ یہ کافی دشوار ہے......اور اس وقت بے سروسامانی کے عالم میں بھی استقامت دکھانے کی ضرورت ہے......اگرچہ یہ کٹھن ہے......

اے مسلمانو......ہم نے رب کے سامنے پیش ہونا ہے اس لئے اپنی پیشانی کو بچاؤ کہ وہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہ کرے......اے مسلمانو......ہم نے اپنے ساتھ ایمان لے کر جانا ہے یہ دنیا نہیں بس ایمان بچانے کی فکر کرو......یاد رکھو ہماری کامیابی کافروں کے سامنے ہاں کہنے میں نہیں......نہ......کہنے میں ہے۔تب ممکن ہے ان کو بھی ہوش آئے اور دنیا میں امن آ جائے......لیکن اگر ہم ہاں ہاں کہتے گئے......ہر گام پر جھکتے گئے......اپنی گردنیں ذبح ہونے کے لئے خود آگے بڑھاتے گئے......غیروں کی خاطر اپنوں پر گولیاں برساتے رہے تو پھر یوم حساب کچھ زیادہ دور نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کسی سے کمزور نہیں ہے......

بس جو زمانے کے طاغوت کا انکار کرے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا وہی مضبوط حلقے کو پکڑنے والا ہو گا......وہی کامیاب ہو گا......وہی جنتی ہو گا......اگرچہ دنیا سے اس کی رخصتی کا منظر......حضرت آسیہ اور بیر معونہ کے شہداء کی رخصتی کی طرح......بظاہر دردناک ہی کیوں نہ ہو......دیکھو اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرما رہا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

موت ہارٹ اٹیک سے آئے......یا کسی کا ایٹم بم گرنے سے......اپنے وقت پر آئے گی......ایمان سے قیمتی کوئی چیز نہیں ہے......دنیا کی زیب و زینت اور ترقی سب دھوکا ہے......ہمارے آقا ﷺ نے اس سے نفرت فرمائی ہے......پھر کیوں نہ ایمان ہی کے ساتھ چمٹا جائے......اور کیوں نہ وقت کے ہر طاغوت کا انکار کیا جائے......اسی بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے......چند مضامین کا یہ مجموعہ ان شاء اللہ......معاون ثابت ہو گا......ان میں بہت سارے شبہات کا جواب بھی ہے......اور ان دعووں کے کھوکھلا ہونے کی وضاحت بھی......جنہیں عارضی طاقت کے بل بوتے پر مضبوط سمجھا جا رہا ہے......

☆☆☆☆☆

غیروں کے سامنے نہیں......اپنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ......مجاہدین حکمت و تدبر سے تہی دامن نہیں ہیں......اور نہ ہی یہ صرف......خون ہی خون چاہتے ہیں...... یہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں......ان کے سینے میں بھی دل اور سر میں دماغ موجود ہے......انہیں بھی انسانی جذبوں کا احساس اور ان کی قدر ہے......ان میں سے کسی

بھی ذی شعور کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ...... ہر کافر کو قتل کر دو...... یہ...... الحمدللہ انسانوں
بلکہ جانوروں کے حقوق تک کو جانتے ہیں...... ان کے ہاں مذہب اور مسلک کی بنیاد
پر قتل وغارت نہیں ہوتی...... اس زمانے میں ان کے نظریاتی امام...... ملا محمد عمر مجاہد
مدظلہ کے اقدامات سب کے سامنے ہیں...... انہوں نے قوم کو اپنی ذات سے زیادہ
حقوق دیئے...... انہوں نے غیر مسلموں کو تحفظ فراہم کیا...... انہوں نے انصاف کو
آسان اور سستا کیا...... انہوں نے انسانیت کو نشے کی لعنت سے بچانے کے لئے
اپنے ملک کی معیشت کو داؤ پر لگایا...... ان کے حسن وکردار...... اور پاکیزہ اخلاق کو
دیکھ کر...... عیسائیت کی تبلیغ کرنے والی...... گوری عورتیں مسلمان ہو گئیں...... انہوں
نے انتقام کی آگ میں تڑپتے عرب مجاہدین کو...... کافی عرصہ تک قابو میں رکھا......
دوسری طرف مجاہدین کی تنظیم جیش محمد ﷺ کا کردار بھی دنیا کے سامنے ہے...... الحمدللہ
...... کوئی مانے یا نہ مانے ان کے دامن پر کسی مسلمان...... یا کسی بے گناہ کے خون کے
چھینٹے نہیں ہیں...... انہوں نے کبھی بھی انتقام کو اپنے سر پر ایسا سوار نہیں کیا کہ......
اصول ہاتھ سے چھوٹ جائیں...... قتل برائے قتل کی پالیسی کبھی ان مجاہدین کے قریب
سے بھی نہیں پھٹکی...... یہ سب حقائق ہیں...... جنہیں جس قدر بھی چھپایا جائے......
نہیں چھپ سکتے...... مگر مجاہدین کی سنتا ہی کون ہے؟...... اس وقت تو یہ بے چارے
...... بھیڑیوں کے بیچ میں ہیں...... انہیں خوب خطرناک بنا کر دکھایا جا رہا ہے تاکہ ان
سے ڈرا کر اپنا مال کھرا کیا جائے...... کتنی حکومتیں، کتنے ادارے اور کتنے صحافی...... اور
کتنے مخبر آج مجاہدین کی برکت سے...... ڈالر اور پونڈ کی آگ اپنے پیٹوں میں بھر
رہے ہیں...... یہ بہت عجیب داستان ہے...... اس پر غور کریں تو حیرتناک حقائق
سامنے آئیں گے...... دوسری طرف مجاہدین کو غلط کاروائیوں پر اکسایا جا رہا ہے تاکہ
...... دنیا کو بتایا جا سکے کہ ان کا خطرہ کتنا شدید ہے اس لئے ہمیں اور دو...... ہمیں اور دو

...... حالانکہ ان ناپاک سیاسی ہتھکنڈوں کی بجائے اگر مجاہدین کے مطالبات کو تسلیم کیا
جاتا...... اور ان کی بات کو سنا جاتا تو حالات کافی مختلف...... اور کافی بہتر ہوتے......
لیکن حیلہ بازوں کو...... اپنی عیاری...... اور اپنی طاقت پر ناز ہے...... انہوں نے
تنظیموں کا نظام درہم برہم کر دیا...... تاکہ اپنی پسند کے نتائج حاصل کئے جا سکیں......
انہوں نے مجاہدین کو...... شرعی جہاد کے راستے سے ہٹا کر...... انتقامی بھوت بنا دیا
...... تاکہ اپنے مفادات کھرے کئے جا سکیں...... مگر اس سب کے نتائج بہت بھیانک
نکلیں گے...... بارود کے ڈھیر پر انگاروں سے کھیلنے والے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں
...... ایک دن اپنا آخری نقصان کر بیٹھتے ہیں...... اللہ سے ڈرو...... اللہ سے ڈرو......
جہاد اور مجاہدین کو تماشا نہ بناؤ...... ان کے خون اور ان کی خوبصورت جوانیوں کو اپنے
مفادات کی بھینٹ نہ چڑھاؤ...... ان قرآن کے عاشقوں کو ذبح کر کے اپنے رینک
اونچے نہ کرو...... ان کی لاشیں بیچ کر اپنے لئے شراب وکباب کا بندوبست نہ کرو......
اللہ سے ڈرو...... جس کے ہاں خون مسلم کی قیمت کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ نوکریاں،
عہدے، رینک اور مال ودولت...... سب کچھ یہیں رہ جائے گا...... اللہ کے لئے ایک
منٹ قبر کو یاد کرو...... اور مجاہدین کے ساتھ ظلم وستم کا معاملہ بند کرو...... مان لو گے تو
تمہارا اپنا فائدہ ہے...... نہیں مانو گے تو رب کعبہ کی قسم صرف خود کو ہی نقصان پہنچاؤ گے
...... شہادت کے عاشقوں کو کیا پروا...... وہ تو ان حالات میں یہاں رہنا ہی نہیں
چاہتے...... ہاں مجاہدین کو چاہئے کہ...... ان کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنیں...... جہاد کو
فساد نہ بننے دیں...... طالبان کے اعتدال والے نظریہ جہاد کو اپنائیں...... انتقامی
گروہوں کے نظریہ کو نہیں...... اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح کریں...... اور جنگ کی
طرح صلح اور امن کے دروازے بھی کھلے رکھیں...... مضامین کا یہ مختصر سا مجموعہ......
مجاہدین کو بھیڑیوں...... اور فتنوں سے بچانے کے لئے کافی سارا نظریاتی مواد رکھتا

ہے......اللہ تعالیٰ اسے اہل اسلام کے لئے مفید بنائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے...... پہلا حصہ ''درویش کے قلم سے'' کے عنوان کے ساتھ ۲۵ مضامین پر مشتمل ہے......بعض مضامین مختصر اور بعض مفصل ہیں ...... روزنامہ میں اشاعت کے وقت کتابت کی کافی غلطیاں رہ گئی تھیں...... جنہیں اب حتی الامکان درست کر دیا گیا ہے......خصوصی طور سے اشعار کی تصحیح کا از سر نو اہتمام کیا گیا ہے......اگر اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی ......اور اس کی رحمت شامل حال رہی تو انشاء اللہ یہ مضامین ......اسلامی تحریک کو نظریاتی بنیاد فراہم کریں گے ......کتاب کا دوسرا حصہ......میانوالی جیل سے ...... کے عنوان کے ساتھ کئی چھوٹے بڑے ......روتے ہنستے......تڑپتے کھلکھلاتے......مضامین پر مشتمل ہے......ویسے مضامین کی تعداد زیادہ تھی مگر ذاتی یادداشتوں اور بعض زیادہ کڑوے مضامین کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا ...... یہ تمام مضامین غیر مطبوعہ ہیں...... یعنی پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے ......اللہ تعالیٰ انہیں قارئین کے لئے مفید اور میرے لئے صدقہ جاریہ بنائے......

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتاب کا نام ......دل کی لگی ......مشہور عارف باللہ شاعر حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔ ؎

میں روتا اپنا رونا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں
انہیں دل کی لگی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

ابھی حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے حضرت خواجہ صاحب کا دیوان ......کشکول مجذوب ...... کے نام سے شائع کیا ہے۔ جب کہ پہلے یہ دیوان ......کلیات

مجذوب کے نام سے شائع ہوا تھا۔ کشکول مجذوب کے صفحہ ۲۱۳ اور صفحہ ۲۱۴ پر درج ذیل نظم موجود ہے۔ ؎

حجاب اوروں کو دنیائے دُنی معلوم ہوتی ہے
مجھے ہر سو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے
مجھے ہر دم اجل سر پر کھڑی معلوم ہوتی ہے
مری ہر سانس مجھ کو آخری معلوم ہوتی ہے
مری ہستی مجھے خود بھی مٹی معلوم ہوتی ہے
ابھی اس بے خودی میں کچھ خودی معلوم ہوتی ہے
تری تصویر سی ہر سو کھنچی معلوم ہوتی ہے
تصور کی یہ سب صورت گری معلوم ہوتی ہے
مژہ تر، ہیں نہ آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے
انہیں اس دل کے رونے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے
یہ گے دن کی بہار باغ ہے گے دن کی رونق ہے
مجھے پھولوں کے ہنسنے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے
اہم سمجھا تھا میں نے ابتدائے عشق میں جن کو
اب ان باتوں پہ خود مجھ کو ہنسی معلوم ہوتی ہے
خیالی روشنی روشن خیالی آج کل کی ہے
یہ ظلمت ہے جو سب کو روشنی معلوم ہوتی ہے
محبت ہے محبت پھونک ڈالے گی دو عالم کو
یہ چنگاری سی جو دل میں دبی معلوم ہوتی ہے
مجھی شوریدہ سر سے رونقیں تھیں بزم عالم کی

انہیں بھی آج محفل میں کمی معلوم ہوتی ہے

میں رونا اپنا روتا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں
انہیں دل کی لگی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

اس نظم میں اور بھی بہت دلچسپ اشعار ہیں۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ اڑ اڑ کر جو گرتے جا رہے ہیں روز طیارے
مجھے تو یہ سزائے سرکشی معلوم ہوتی ہے

ویسے معلومات کے لئے عرض ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا انتقال ۲۷ شعبان ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کو ہوا...... یعنی گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے بہت پہلے۔ اس لئے اس شعر کو پڑھ کر ان کے بارے میں تحقیقات کا حکم نہ دے دیا جائے۔ وہ اللہ والے بزرگ تھے...... اور اللہ والوں کے فرمودات ہر دور میں زندہ رہتے ہیں...... جیسا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے اس شعر کا تعلق موجودہ زمانے کے بہت سارے حوادث سے بھی معلوم ہوتا ہے...... یہ نظم بہت عبرت آموز ہے...... امید ہے کہ قارئین اس سے لطف اور فائدہ اٹھائیں گے...... میں رونا اپنا روتا ہوں...... اپنا یعنی امت مسلمہ مرحومہ کا...... اور وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں...... یعنی غفلت، بے توجہی، بے اعتنائی...... اور لاپرواہی کے ساتھ...... کیونکہ انہیں دل کو لگے زخم...... یعنی دل کی لگی...... محض دل لگی اور مذاق کی باتیں معلوم ہوتی ہیں...... بس خواجہ صاحبؒ کا یہ بلیغ استعارہ...... اس کتاب کا نام بن گیا...... ارادہ ہے کہ سرورق پر...... حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہ مکمل شعر بھی لکھ دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

کون مسلمانوں کو ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے...... اور کون انہیں نجات کی طرف بلا رہا ہے...... اس کا فیصلہ آخرت میں تو ضرور ہوگا...... ممکن ہے جلد یا بدیر دنیا میں بھی ہو جائے...... کون مسلمانوں کو مروا رہا ہے؟ ...... اور کون انہیں بچا رہا ہے؟

...... کون نفرت کی باتیں پھیلا رہا ہے؟ ...... اور کون محبت کے دیپ جلا رہا ہے؟ ...... کون ایمان کی روشنی پھیلا رہا ہے؟ اور کون کفر بک رہا ہے؟ کون امت مسلمہ کا خیر خواہ ہے؟ اور کون زبردستی خیر خواہ بن رہا ہے؟ کون ہر حال میں مسلمانوں کے ساتھ ہے؟ اور کون اپنے عہدے اور مفاد کی خاطر ان پر مسلط ہے؟ کون حکمت و مصلحت سے عاری ہے؟ اور کون عقلمندی کا بے تاج وارث؟ یہ بہت سارے سوال ہیں ان کا جواب ڈنڈے یا طاقت کے زور پر نہیں سمجھا...... اور سمجھایا جا سکتا......

مسلمانوں کا ایک طبقہ ان سوالات کے بارے میں کشمکش و پیچ میں مبتلا ہے...... طاقت کے زور پر خود کو سچا اور عقلمند ثابت کرنے والے اب تشدد پر اتر آئے ہیں۔ ان میں حق بات کو سننے کا حوصلہ نہیں ہے...... وہ لاکھ رواداری کا پرچار کریں خود اس جذبے سے خالی ہیں...... وہ لاکھ اعتدال پسندی کا درس دیں، خود اعتدال سے محروم ہیں...... وہ لاکھ قوت برداشت کا سبق پڑھائیں خود ان میں برداشت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ایسے صنم ہیں جنہیں خدائی کا وہم ہو گیا ہے...... اس لئے ہماری سب مسلمانوں سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروائیں۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (القرآن)

جب تمہارا کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس لے جاؤ...... آج بھی الحمدللہ...... اللہ تعالیٰ کی محکم سچی اور آخری کتاب قرآن مجید موجود ہے...... اور حضور پاک ﷺ کی شریعت...... بالکل محفوظ ہے...... اور آپ کی سنت آج بھی بے غبار ہے...... آؤ...... طاقت اور دہشت کا سہارا چھوڑ کر اپنے نظریات، خیالات اور افکار قرآن و سنت پر پیش کرتے ہیں...... ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس کا بیان بھی قرآن و سنت میں موجود ہے...... بس پھر جس کی تصدیق قرآن و سنت کر دیں وہ سچا ہے...... خواہ دنیاوی طور پر

اس کی جو حالت بھی ہو ......نمرود اپنے تخت پر تھا اور ابراہیم علیہ السلام آگ میں بندھے پڑے تھے ......عقل کہتی ہے نمرود کامیاب ہے ......مگر قرآن پاک ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ کرتا ہے ......فرعون دنیا کا طاقتور حکمران ہر طرح سے مضبوط و محفوظ ہے ......حضرت موسیٰ علیہ السلام ایمان اور جان بچانے کے لئے دوڑتے پھر رہے ہیں ......قرآن نے کس کے حق میں فیصلہ دیا؟ ......حضرت آسیہ نے فرعون کے محلات کو ٹھکرا کر اذیت والی موت کا رستہ چنا ......آج کے دانشمند اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ......حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہیں پھر بھی قوم کے بتوں کو توڑ رہے ہیں ...... ہمارے دانشوروں کو یہ کتنا برا لگے گا؟ ......مگر قرآن آسیہ کی تعریف کر رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے کام کو کارنامہ قرار دے رہا ہے ......آؤ دور نہیں جاتے قرآن پاک سے فیصلہ کرواتے ہیں ......آؤ ہم مسلمان آپس میں نہیں لڑتے ......قرآن پاک سے فیصلہ کرواتے ہیں ......پھر جو سچا نکلے اس کی بات مان لیتے ہیں ...... جس کے پاس روشن مستقبل یعنی کامیاب قبر و حشر کا پروگرام ہو اس کی بات مان لیتے ہیں ...... جو حضور پاک ﷺ کے طریقے پر ہو اس کی بات مان لیتے ہیں ......نہ ہم ضد کرتے ہیں نہ آپ ضد کرو ......ہم سب مسلمان ہیں، ہمارا رب ایک، رسول ایک، قبلہ ایک، ہم ایک امت ہیں، ہم غیروں کی وجہ سے ایک دوسرے کو کیوں ماریں؟ ......ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ پہلے ایک موقف اختیار کر لیں اور پھر قرآن و سنت میں سے اس کی تائید ڈھونڈتے پھریں ...... بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے قرآن و سنت کو دیکھیں اور پھر ان کے مطابق موقف اختیار کریں ...... بچانے والا بھی ......اللہ اور مارنے والا بھی اللہ ......ہم اسے ناراض نہ کریں ......خواہ کوئی اور راضی ہو یا ناراض ......آؤ سب اپنے ہتھیار شریعت کے سامنے ڈال دیتے ہیں اور سب مسلمان ایک امت بن کر چلتے ہیں ......کیا یہ خوبصورت رستہ منظور ہے؟ ......ہاں اسی میں فلاح ہے۔

☆☆☆☆☆

امت مسلمہ اس دنیا کی آخری امت ہے ......یہ ختم تو دنیا ختم ......اس لئے ہمیں مٹا کر کوئی یہاں رہ سکے گا یہ خام خیالی ہے ......یہ امت بانجھ نہیں ہے کہ ......چند افراد کے شہید ہونے سے بیٹھ جائے ...... جو اس امت کو للکارے گا ......اسے ضرور جواب ملے گا ...... جو اس امت پر ہاتھ اٹھائے گا ......اس کی گردن ناپی جائے گی ...... جو اس امت کو ستائے گا ......خود بھی امن سے محروم ہوگا ......جو اس امت کے لئے میدان جنگ بنائے گا ......یہ امت اسے مایوس نہیں کرے گی ......دیکھو ...... چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھو ......جھوٹے دانشوروں کی باتوں میں نہ آؤ ...... یہ تمہارے ڈالر لوٹنے کے لئے جھوٹ بول رہے ہیں ......اگر انہوں نے جہاد اور مجاہدین کو ختم کر دیا ہے تو تم بتاؤ ...... کس محاذ پر مجاہدین کی کمی ہے ......افغانستان میں؟ عراق میں؟ فلسطین میں؟ کشمیر میں؟ ......کہاں؟ کوئی جگہ تو گنواؤ جہاں تم نے للکارا ہو ......اور محمد عربی ﷺ کے غلاموں نے تمہیں جواب نہ دیا ہو ......اس زمانے کی کوئی ایسی جنگ بتاؤ ...... جو تم جیتے ہو ......کوئی ایسا میدان بتاؤ جہاں تم نے فتح کے جھنڈے گاڑے ہوں ...... ہاں الٹا مجاہدین کا خوف تمہارے محلات اور قلعوں میں داخل ہو چکا ہے۔ اور تمہارے شہروں اور ملکوں میں خوف اور بدامنی کے مکروہ سائے ہر طرف پھیل چکے ہیں۔ تم نے خود دیکھ لیا کہ تمہارے ظلم نے مسلمانوں کو اور پختہ اور جہاد کو اور مضبوط کر دیا ہے۔ گوانتانامو بے میں تم نے کتنے مسلمانوں کو اسلام سے دور کیا؟ ......نہیں وہ تو اونچے درجے کے ولی اور مجاہد بن گئے ......افغانستان تم نے فتح کر لیا؟ ......عراق تم نے فتح کر لیا؟ ......کشمیر تم نے فتح کر لیا؟ کچھ نہیں ......تمہارے ہاتھوں سوائے حسرت اور ناکامی کے اور کچھ نہیں لگا ......

اب تو مان جاؤ ......اسلام سچا دین ہے ......اب تو مان جاؤ محمد ﷺ کی رسالت کو اور ان کی عظیم شخصیت کو ......جنہوں نے اپنے ماننے والوں کو فولاد سے زیادہ مضبوط بنا دیا ہے ......اے اسلام کی نعمت سے محروم لوگو! ...... یہ سارے مناظر کھلی آنکھوں سے دیکھو اور آؤ اسلام کے دامن میں پناہ لے لو ......ملا محمد عمر مجاہد کو شہید کرنے کے لئے

نہیں بلکہ ان سے عزم، ہمت اور مردانگی سیکھنے کے لئے ......انہیں ڈھونڈو...... یاد رکھو ...... یہ امت ہار نہیں مانے گی ......تم انہیں ہزار آپس میں لڑاؤ......تم ان کے بچوں کا ڈیزی کٹر بموں سے قیمہ بناؤ......اللہ کی قسم تم اگر ہزار سال تک میدان میں رہو گے تو مسلمان مائیں اپنے لخت جگر تمہارے مقابلے میں اتارتی رہیں گی......

میری یہ تحریر سنبھال کر رکھ لو...... میں مر جاؤں گا مگر ان الفاظ کی سچائی تمہیں ہر دور میں نظر آئے گی......اس لئے تم لڑ کر غالب نہیں آسکتے ...... غلبے کا ایک ہی راستہ ہے تم مسلمان ہو جاؤ ...... پھر سب کچھ تمہارا ہے ...... یہ دنیا بھی اور آخرت بھی ...... یا پھر مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کرو...... ناپاک سازشیں چھوڑو ...... یہودیوں کی انگلیوں پہ ناچنا بند کرو......مسلمانوں کے مقبوضہ علاقے خالی کرو......اور بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت......زندگی گزارو...... میں تمہیں پورے اخلاص اور مکمل ہمدردی کے ساتھ امت مسلمہ کی طرف سے اور مجاہدین کی طرف سے اسلام کی دعوت دیتا ہوں ......اسے قبول کرلو......سلامتی پاؤ گے......اور اگر قبول نہیں کرو گے تو سوائے اپنے کسی کا کوئی نقصان نہیں کرو گے......

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

دل کی باتیں......دل کو لگنے والی باتیں ......دل کو لگی ہوئی باتیں ......اور دل کو لگی ہوئی فکر حاضر خدمت ہے ......اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو اس کے ذریعے سے نفع عطاء فرمائے ......اور اس کتاب کو میری میرے والدین، مشائخ و اساتذہ، اہل خانہ، عزیز و اقارب اور احباب و رفقاء کی بخشش کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین یارب العالمین

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم واستغفر اللہ واتوب الیہ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

وتب علینا انک انت التواب الرحیم

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

مولانا محمد مسعود ازہر

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

بمطابق ۱۷ جون ۲۰۰۴ء یوم الخمیس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کس کی ضرورت ہے

پاکستان کی کسے ضرورت ہے؟ آج اس سوال پر ضرور غور ہونا چاہئے، عبداللہ بن ابی سے لے کر دکن کے میر صادق اور بنگال کے میر جعفر تک اور پھر اس زمانے کے دانشور خواہ کچھ کہتے رہیں، حقائق کو نہیں جھٹلایا جا سکتا۔ قوت کے زور پر نمرود کچھ بکتا رہے، حق اکیلے ابراہیم کے ساتھ آگ میں زندہ رہتا ہے، حکومت کے نشے میں فرعون جس قدر تاریخی تقریریں کرتا رہے حق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طوفان خیز دریاؤں کو عبور کر ہی لیتا ہے۔

ے ہم نے تو سمندر میں بھی رستے ہیں بنائے
یوں ہم کو مٹانا کوئی آسان نہیں ہے

ٹھیک ہے آج ہم زخمی ہیں، بے گھر اور بے در ہیں مگر دشمن خود گواہی دے رہا ہے کہ ہم ابھی مٹے نہیں ہیں بلکہ جب ہم تندرست وتوانا، آزاد و خود مختار تھے تو دشمنوں کو کمزور اور تھوڑے نظر آتے تھے، مگر آج جبکہ ہم ظاہری طور پر لٹے پٹے اور زخم خوردہ ہیں دشمنوں کو ایک کے دس دس نظر آ رہے ہیں، وہ ہمیں ڈھونڈنے کے لئے اس طرح نکل کھڑا ہوا ہے جس طرح فرعون موسیٰ علیہ السلام کی تاک میں نکلا تھا، مگر پھر کیا ہوا......؟ فی الحال اس پر تبصرہ نہیں کرتے کیونکہ آج کا دیندار مسلمان اپنی لاکھ خوبیوں کے باوجود بہت بے

صبرا ہے وہ ہر دو رکعت صلوۃ الحاجۃ کے بعد آسمان سے جبریل علیہ السلام کو اترتے دیکھنا چاہتا ہے، وہ اپنی ہر آہ اور ہر آنسو کے بعد دشمنوں کے بیڑے فوری غرق ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ وقت کا انتظار نہیں کرتا اور اس بات کو نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کے لئے ایک ''اجل مسمی'' یعنی وقت مقرر ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی صلوۃ الحاجۃ رائیگاں نہیں جاتی، کوئی آنسو بیکار نہیں گرتا اور کوئی آہ بے ثمر نہیں ہوتی مگر وقت کا انتظار جی ہاں وہ بھی پوری استقامت اور صبر کے ساتھ، یہ ایمان والوں کا ہتھیار ہے جو ان کے دشمنوں کو زچ کر دیتا ہے مگر آج کا مسلمان تھوڑی سی دیر ہونے پر رب سے (نعوذ باللہ) بدگمان اور قربانی دینے والے مسلمانوں سے ناراض ہو جاتا ہے حالانکہ اگر وہ غور کرے تو اللہ کی نصرت آج بھی اتر رہی ہے اور اللہ کے دشمن خود اپنے حفاظتی بوجھ تلے بری طرح دبتے جا رہے ہیں۔ وقت کا موسیٰ ایمان، استقامت، غیرت اور ہمت کا عصا اٹھائے اس دریا کی طرف بڑھ رہا ہے جس دریا نے وقت کے فرعون کو غرق کرنے کی سعادت حاصل کرنی ہے۔ خیر چھوڑیئے اس قصے کو یہ عجیب و غریب داستان انشاء اللہ پھر سہی۔ آج اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ پاکستان کس کی ضرورت ہے؟

کیا ان لوگوں کی جو مسلمان کہلانے کے باوجود شراب کے رسیا ہیں اور پاکستان کے کسی حد تک دینی ماحول کی وجہ سے چھپ چھپا کر انہیں یہ غلاظت نصیب ہوتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! یہ لوگ تو جموں وسیالکوٹ کے بارڈر سے انڈین شراب رشوت دے کر منگواتے ہیں جبکہ ان میں سے بہت ساروں کو یہ تحفہ انڈین سفارت خانے مہیا کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ خاکم بدہن پاکستان پر ہندو سامراج کا تسلط ہو گیا تو وہ دن ان کے لئے خوشی کا دن ہوگا۔

کیا پاکستان ان لوگوں کی ضرورت ہے جو سود خوری کے میدان میں اللہ تعالیٰ

سے اعلان جنگ کر رہے ہیں؟ جنہیں شاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی نظام سے بری طرح چڑ ہے۔ یہ لوگ برہمن کے بیاجی (سودی) نظام کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے لئے ہندوستان کی معاشی اصلاحات اور وہاں کی منڈیاں بے حد مرغوب ومحبوب ہیں۔ خود سوچئے اس طبقے کو ایک اسلامی ملک کی کیا ضرورت؟ ان کے لئے تو یہ ایک قابل نفرت اور ناقابل برداشت بوجھ ہے جسے وہ جلد از جلد ہٹانا چاہتے ہیں۔

کیا پاکستان ان لوگوں کی ضرورت ہے جو مادھوری ڈکشٹ، کرشمہ کپور اور ایشوریہ رائے کی تصویریں جیب میں رکھنا سعادت سمجھتے ہیں؟ جن کا کھانا لتا منگیشکر کا گانا سنے بغیر ہضم نہیں ہوتا۔ جو رات کا اکثر حصہ "چولی کے پیچھے کیا ہے" کی دھن پر گزارتے ہیں اور جن کے لئے ممبئی کا بالی وڈ قبلۂ مقصود ہے۔ یہ لوگ اپنے دل و دماغ کو بے حیائی کی بھارتی تیغ پر بھون چکے ہیں اور ان کے نزدیک پاکستان وہ واحد رکاوٹ ہے جو انہیں امیتابھ بچن اور مادھوری کی اداؤں سے دور رکھے ہوئے ہے۔ تو کیا خیال ہے پاکستان ان لوگوں کی ضرورت ہے؟

کیا پاکستان ان لوگوں کی ضرورت ہے جن کے لئے مساجد کی اذانیں عذاب، منبر کی تقریریں وحشت ناک، علماء کے چہرے باعث انقباض اور اسلام کا نام قابل نفرت ہے یہ طبقہ ایک سال ہوا اپنے ناپاک بلوں سے طاعون کے چوہوں کی طرح باہر نکل آیا ہے اس طبقے کی عورتیں اپنے بیس سال پرانے فوٹو اخبارات میں اپنے مضامین کے ساتھ چھاپ کر اسلام اور جہاد کے خلاف خوب زہر اگل رہی ہیں، اس طبقے کے دانشور حکومت کو تھپکیاں دیتے نہیں تھکتے انہوں نے مجروں سے لے کر فیشن شو تک وہ تمام کرتب شروع کر دیئے ہیں جو پاکستان کے ظاہری خالق "دو قومی نظریئے" کی گردن پر چھری چلا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ ان کے حکمران واجپائی، سونیا گاندھی، ایڈوانی

اور بال ٹھاکرے جیسے لوگ ہوں تاکہ انہیں ہر طرح کی خرمستیاں کرنے کی کھلی چھوٹ مل جائے۔

سچی بات یہ ہے کہ یہ سارے طبقے پاکستان کے بدترین دشمن اور اس کے وجود کے سب سے بڑے مخالف ہیں مگر وہ این جی اوز، صحافت، ثقافت اور کسی حد تک خدمت وسیاست کے لبادے اوڑھ کر اس وقت ملک کے وارث بنے ہوئے ہیں حالانکہ اگر خدانخواستہ جنگ ہو گئی تو یہ لوگ اسی بات کی تمنا کریں گے کہ پاکستان کا یہ ظاہری ڈھانچہ انڈین ناپاکی کا شکار ہو جائے تاکہ ان لوگوں کو کفر، منافقت، فسق و فجور اور بے حیائی سے روکنے والا کوئی نہ رہے۔

مگر وہ لوگ کہ جن کے بڑوں کا خون اب تک پاکستان کی بنیادوں کو زندگی فراہم کر رہا ہے، جن کی غیرت اپنے اوپر کسی کافر حکمران کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتی، جو پاک ماحول اور پاک فضا دیکھنا چاہتے ہیں، جنہیں اپنے بچوں کے پیٹ کی نہیں ایمان اور انجام کی فکر ہے، جو اکھنڈ بھارت کے خواب کا پچپن سالوں سے روڑا بنے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی جوانیاں کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی تکمیل کے لئے وقف کی ہوئی ہیں، جنہیں اسلام کا ہر دشمن اپنا دشمن سمجھتا ہے اور جن کے لئے غیر ممالک کے ناپاک دروازے ان کی جرأت وغیرت کی بدولت بند ہو چکے ہیں، یقیناً پاکستان انہی کی ضرورت ہے، یہ لوگ پاکستان کو مسجد کی طرح مقدس سمجھ کر اسے پاک کرنے کے لئے رات دن ایک کرتے ہیں، ان لوگوں نے میدانوں میں خون اور مصلوں پر آنسو بہا کر اس ملک کی حفاظت کی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو لڑائی کے وقت پیٹھ دکھانا حرام سمجھتے ہیں اور شہادت کو غلامی پر ترجیح دیتے ہیں۔

جی ہاں! یہی علماء کرام، یہی مجاہدین، یہی دین کے پیروکار پاکستان کے سچے وفادار ہیں کیونکہ پاکستان ان کی ضرورت ہے، اسی لئے وہ چھاپوں، گرفتاریوں اور ذلتوں

کے باوجود اس ملک میں امن قائم کرنے اور اس ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے دعائیں بھی کر رہے ہیں اور دوائیں بھی……لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ اب تو پاکستان میں آپ لوگوں کے لئے جیلوں اور پھانسی گھاٹ کے سوا کوئی جگہ نہیں رہی……؟مگر وہ زنجیریں پہن کر بھی اس ملک کے لئے دعائیں کرتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ اس ملک پر مشرکوں کا قبضہ ہوگیا تو بہت سارے لوگوں کے عہدے اور نوکریاں تو محفوظ رہیں گی مگر غیرت مند ایمان والے کہاں جائیں گے……؟؟؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جیل اور مدرسہ

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ کو ایک بار جیل سے رہائی ملی تو ان کی جدائی کے صدمے سے دیگر اسیران راہ حق اداس ہوگئے۔حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بھی قیدیوں میں شامل تھے، شاہ جی کی رہائی کے موقع پر انہوں نے برملا کچھ اشعار پڑھے۔ان اشعار میں غم بھی ہے اور خوشی بھی۔اپنی طبعی خواہش کا اظہار بھی ہے اور نظریاتی تمنا کی کڑھن بھی، آج کل ویسے ہی اہل حق کے لئے جیلوں کا موسم ہے۔لیجئے ہم اور آپ بھی ان پر کیف اشعار کو پڑھتے ہیں۔(۱۴ جنوری ۱۹۳۲ء کا دن تھا اور شاہ جیؒ ملتان کی سینٹرل جیل سے رہا ہو رہے تھے)

ے
چل دیئے ہو کس کو کس پر تم قفس میں چھوڑ کر
رشتہ اخلاص کو کس بے رخی سے توڑ کر
بیڈمنٹن ساتھ کس کے کھیلیں گے پتا پریم
گوری شنکر کس کو اب کھینچیں گے بانہیں موڑ کر
کس سے دل بہلائیں گے ہنس کھیل کر احمد سعید
مظہر و لدھیانوی بیٹھیں کہاں سر جوڑ کر
بادہ نوشو لو لپیٹو عیش وعشرت کی بساط

کیونکہ ساقی چل دیا ہے جام وصراحی چھوڑ کر
خیر کچھ پروا نہیں جاؤ خدا حافظ مگر
بھول مت جانا ہمیں غیروں سے رشتہ جوڑ کر
ہوں مبارک تم کو آزادی کے اب لیل ونہار
فتح ونصرت پاؤ تم دشمن کی گردن توڑ کر
شیر حریت کی آزادی سے میں تو خوش ہوا
بزدلانِ قوم اب بھاگیں گے میداں چھوڑ کر
جسم گو زندانِ ملتاں میں ہمارے ہیں اسیر
دل مگر جاتے ہیں تیرے ساتھ سینے چھوڑ کر

اس مختصری فی البدیہہ نظم میں بہت کچھ ہے مثلاً ہمارے اکابر کا انگریز کی جیلوں میں جانا، ان کی باہمی محبت والفت، جیل میں ان کی زندہ دلی، غیر مسلموں کے ساتھ بھی بقائے باہمی کے اصول کے تحت حسن سلوک، علماء کرام اور مجاہدین کی تکلف اور ریا کاری سے پاک باہمی بے تکلفی، ایک دوسرے کی جدائی کے وقت اپنے مشن کی یاددھانی اور ایک دوسرے کے لئے حسد سے پاک نیک اور بلند تمنائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شعب ابی طالب میں محبوس کیا گیا تو اسی دن سے جیل اور قید خانہ، حق کے دیوانوں کا مسکن بن گیا۔اب وہ اس کھائی سے ڈر کر حق سے دستبردار نہیں ہوتے۔ابوجہل نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ مل کر قتل، گرفتاری اور ملک بدری کی سازش کی تو اسی دن سے یہ سازشیں حق کے پرستاروں کا مقدر بن گئیں جنہیں وہ خوشی سے جھوم کر سہتے ہیں اور تا قیامت انشا اللہ سہتے رہیں گے۔ابولہب نے جس دن آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے اسی دن سے یہ پتھر عشق

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان بن گئے۔ماضی اور حال گواہ ہے کہ عاشق اس امتحان میں پورے اترے ہیں۔عقبہ بن ابی معیط بدبخت نے جب حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) تھپڑ مارنے اور ان پر تھوک پھینکنے کی ناپاک جسارت کی اسی دن سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پروانے کا چہرہ مشرکوں کے ظلم وستم کے لئے خوشی سے تیار رہتا ہے۔کیونکہ یہ ماریں منزل کو قریب اور محبوب حقیقی کو قریب تر کردیتی ہیں۔مدینہ منورہ کے منافقوں نے جس دن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو ناپاک تہمتوں اور الزامات کا نشانہ بنانے کی کوشش کی اسی دن سے حق کے علمبرداروں کے لئے تہمتیں، الزامات اور بدنامیاں سر کا تاج اور ماتھے کا جھومر بن گئیں ہیں وہ یہ سب کچھ سہتے ہیں اور اپنوں اور غیروں کے تیر کھا کر بھی آقا کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتے ہیں۔پھر جیل اور قید خانے کے ساتھ تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بھی جڑا ہوا ہے اور اس نسبت نے جیل اور قید خانے کو حسن یوسف سے مہکا دیا ہے چنانچہ جو بھی حق والا بے گناہ یہاں ڈالا جاتا ہے وہ حسن یوسف سے کچھ نسبت لے کر ہی باہر نکلتا ہے کسی شاعر نے اسی حقیقت کو ان پراثر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ے شغال و خوک کی تقدیر میں زنداں نہیں ہوتا
کوئی سگ کو قفس میں ڈال کر شاداں نہیں ہوتا
لکھی ہے یہ سعادت شیر کی قسمت میں قدرت نے
عطا کی ہے اسی کو یہ فضیلت دست فطرت نے
کوئی روباہ کا اے ہم نشیں دشمن نہیں ہوتا
کوئی دوں ہمتوں کی فکر میں جاں کو نہیں کھوتا
بتاتی ہے یہ تابانی زلیخا کے شبستاں کی
مہِ کنعاں سے نسبت ہے اسیر کنج زنداں کی

حضرت شاہ جی بھی قافلہ حق کے سالار تھے، ان کی زندگی جیل اور ریل میں اور سوز و ساز میں کٹ گئی ان کا جیل میں جانا اگرچہ باہر والوں کے لئے محرومی کا باعث ہوتا تھا مگر جیل میں قید اسیران راہ حق کے لئے انکا وجود پرنور نعمت غیر مترقبہ بن جاتا تھا۔ شاہ جی جیسے قیدی عجیب کھینچا تانی کا شکار رہتے ہیں، باہر والے گڑ گڑا کر ان کی رہائی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جبکہ جیل والے ان کیساتھ رہنے کیلئے دعاؤں کا تانتا باندھ دیتے ہیں۔ دعاؤں کی کھینچا تانی کا یہ لطف کئی اور لوگوں کو بھی نصیب ہو چکا ہے، ابھی حال ہی میں ہری پور جیل کے علمی اور روحانی ماحول کو اجاڑا گیا۔ کیونکہ گرفتار کرنے والوں کے لئے قیدیوں کا ہنسنا، مسکرانا، پڑھنا، پڑھانا اور ایک دوسرے پر فدا ہونا بہت ناگوار ہوتا ہے۔ ادھر جموں سے بھی خبر آئی ہے کہ مولانا ابوجندل اور حافظ صلاح الدین قاسمی کو انڈیا کی دور دراز جیلوں میں منتقل کر دیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں حضرات نے جموں و کشمیر کی تمام جیلوں کو مشرکین کی سختیوں کے باوجود مدرسے اور خانقاہ میں بدل دیا تھا۔ درس نظامی کی تعلیم، حفظ قرآن کی باقاعدہ کلاسیں، نورانی لائبریریوں کے ذریعے ہر جیل میں دارالمطالعہ، الخیر کے ذریعے اپنی خدمت آپ کے تحت غریب اور بے کس قیدیوں کی مالی اعانت اور خط و کتابت کے وسیع سلسلہ کے ذریعے اصلاحی خدمات۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابوجندل نے جودھ پور راجھستان کی جیل میں ابتدائی سختی کے چار مہینے کاٹنے کے بعد تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کا کام دوبارہ شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بلند ہمت ہستیوں پر اپنا خاص کرم فرمائے۔ اور انہیں باعزت رہائی اور دین کے کام کے لئے کھلا میدان عطا فرمائے۔ ان حضرات نے مشرکین کی جیلوں میں خالص دینی مدارس قائم کر کے امت مسلمہ کے لئے یہ سبق چھوڑا ہے کہ ہم نے بے پناہ تشدد کے باوجود جیلوں اور کوٹھڑیوں میں مدارس کو آباد رکھا ہوا ہے آپ حضرات کہیں دو سال کی قید سے ڈر کر آباد مدارس کو ویران نہ کر بیٹھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریک کشمیر سے بے وفائی

کشمیر کی تحریک میں اب تک کیا کچھ لگ چکا ہے؟ اس پر بہت باریکی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اگر خدانخواستہ کسی کے ایک ٹیلی فون پر اس تحریک کے خلاف کوئی فیصلہ کر لیا گیا تو زمین بھی خون کے آنسو بہائے گی، اسی نہیں اسی ہزار شہداء کرام کا خون، پھولوں سے زیادہ خوبصورت نوجوانوں کی تڑپتی لاشیں، ماؤں اور بہنوں کے گرم آنسو، لٹی ہوئی عصمتیں اور تارتار دامن۔

گزشتہ دس سالوں میں اہل کشمیر نے جس طرح کی خوفناک راتیں گزاری ہیں، یہاں بسنے والوں پر اگر ایسی ایک رات آجائے تو ممکن ہے برداشت سے باہر ہو جائے، کشمیر کے ٹارچر سیلوں کی تاریخ بھی کم اذیت ناک نہیں ہے، صرف ''بی ایس ایف کے'' ایک ٹارچر سیل میں سات سو کشمیری نوجوانوں کو ذبح کیا گیا جبکہ سینکڑوں افراد کو معذور کر دیا گیا۔ ان ٹارچر سیلوں میں سے اکثر اب بھی آباد ہیں البتہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ان کے مقامات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان عقوبت خانوں میں صبح نو بجے سے شام چھ بجے تک چیخوں کے زلزلے سنائی دیتے ہیں، کاش! ارباب اختیار انہیں یاد رکھیں، کشمیر کی جیلوں میں اب بھی ہزاروں قیدی ہیں جن میں سے بعض کا مستقبل بالکل تاریک بنا دیا گیا ہے اور حال ہی میں ان قیدیوں میں سے کئی ایک کو انڈیا کی دور دراز

جیلوں میں منتقل کر دیا گیا ہے، جہاں ان پر ظلم کے نت نئے حربے آزمائے جا رہے ہیں۔ کشمیر کے اکثر گھرانے ایسے ہیں جنہوں نے اس تحریک میں بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور بعض گھرانوں کے تمام نوجوان اس تحریک میں شہید ہو چکے ہیں، پھر ان تمام حقائق کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کشمیری مجاہدین سخت نامساعد حالات میں سات لاکھ انڈین فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں، وہ اپنی راتیں برف پر اور دن جنگلوں میں گزارتے ہیں، انہیں کئی کئی دن کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا اور بیمار یا زخمی ہونے کی صورت میں انہیں دوائی تک میسر نہیں ہوتی۔ ان سارے حالات کے باوجود وہ گزشتہ بارہ سال سے انڈین آرمی کو لوہے کے چنے چبوا رہے ہیں اور انہوں نے ہر میدان میں آرمی کی بالادستی کو ختم کیا ہے۔ یہ ساری قربانیاں اور مشقتیں اسلام اور پاکستان کی خاطر اٹھائی جا رہی ہیں اب اگر خدانخواستہ پاکستان نے ہی اس تحریک کی ناؤ کو ڈبو دیا تو ہزاروں شہداء کے ورثاء اور ہزاروں قیدی کس کے ہاتھوں پر اپنا لہو تلاش کریں گے، کشمیر کے مسلح مجاہدین کے ساتھ قندوز کے مجاہدین والا سلوک ہوگا اور وہ گھرانے جنہوں نے انڈیا کے خلاف تحریک میں حصہ لیا تھا، دشمن کا تر نوالہ بن جائیں گے۔ کیا لاکھوں انسانوں کو برباد کرنا امن پسندی ہے؟ کیا غیروں کی خوشی کے لئے اپنوں کو ذبح کروانا بہادری اور غیرت مندی ہے؟ اگر پاکستان والے کشمیر کو اپنی شہ رگ نہ کہتے اور اہل کشمیر کو اپنے تعاون کا دھوکا نہ دیتے تو کشمیریوں کو بھارت سے ہر عیاشی مل رہی تھی بلکہ بھارت تو اس خوبصورت خطے کو فحاشی، عیاشی اور بے حیائی کا دوسرا سوئٹزرلینڈ بنانے پر تلا ہوا تھا، مگر اہل کشمیر نے پاکستان پر اعتماد کر کے ناپاک پھولوں کے راستے کو چھوڑ کر پاکیزہ کانٹوں والا جہادی راستہ چنا، کیا ہم ان سے یہی وفا کر رہے ہیں کہ آج تحریک کشمیر کو بے آسرا چھوڑا جا رہا ہے اور کشمیری مسلمانوں کے خدمت گاروں کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے؟

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تحریک کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اگر یہ کاٹ دی گئی تو پاکستان بے پناہ خطرات میں گھر جائے گا۔ اب ماضی کے حالات بدل چکے ہیں، کل تک پاکستان کے ایک طرف اس کے دوست طالبان تھے، تو دوسری طرف اس کا گرم جوش حامی چین تھا جبکہ تیسری طرف کشمیر میں بری طرح پھنسا ہوا بھارت تھا۔ لیکن اب ایک طرف شمالی اتحاد کے دشمن، دوسری طرف ناراض چین اور تیسری طرف ہر طرح کے دباؤ سے آزاد اکھنڈ بھارت کا دعویدار انڈیا ہوگا اور یقیناً یہ صورتحال ہمارے لئے کسی بھی طرح مفید نہیں ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب کی روزی یا انگریز کی تنخواہ

ان دنوں مسلمانوں پر جو حالات آئے ہوئے ہیں انہوں نے اس حقیقت کی عملی تصدیق کردی ہے کہ بلاشبہ "شہادت بڑی کامیابی ہے" یعنی قرآن مجید کے اٹل الفاظ میں "الفوز العظیم" ہے۔

دیکھئے! موجودہ لڑائی میں مسلمانوں کے تین فریق نظر آرہے ہیں ایک وہ جو شہید ہوگئے دوسرے وہ جو اپنے دینی نظریات پر قائم ہیں مگر انہیں شہادت نہیں ملی، تیسرے وہ جنہوں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے اور کافروں کی طاقت کو (نعوذ باللہ) ناقابل تسخیر سمجھ کر ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا ہے۔ ان لوگوں کے دل کافروں کی جیب میں ہیں اور ان کی وفاداریاں اسلام دشمن طاقتوں کی جھولی میں ہیں۔ اب ایک نظر ان تینوں طبقوں کے حالات پر ڈالتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ طبقہ جو اپنے ایمان اور دینی نظریات پر قائم ہے اور اسے شہادت نہیں ملی اس وقت سخت آزمائش کا شکار ہے۔ شبرغان سے لیکر کیوبا تک اس طبقے کے افراد قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے نظر آتے ہیں ان میں سے کئی مختلف جگہوں پر خوف کی حالت میں چھپتے پھرتے ہیں اور کئی در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان لوگوں پر زمین تنگ ہوچکی ہے وہ شہادت کے طلبگار ہیں مگر شہادت کا میدان اب پہلے کی طرح آسان اور سستا نہیں رہا۔

وہ اسلام دشمنوں سے لڑنا چاہتے ہیں مگر مسلمانوں کی ہوا ایسی اکھڑ چکی ہے کہ ماحول پہلے جیسا گرم جوش نہیں رہا۔ وہ اپنے نظریات پر قائم رہ کر اسلام کی حالت میں مرنا چاہتے ہیں مگر مظالم و مصائب کی شدت ان پر آگ کے انگاروں کی طرح برس رہی ہے ان کے دن اور رات اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور آہ و زاریاں کرنے میں گزرتے ہیں۔ انہیں اپنی جان کی نہیں بلکہ ایمان کی فکر ہے وہ جینے کی بجائے جہاد کرنا چاہتے ہیں اور جیسے تیسے بن پڑے کر بھی رہے ہیں۔ انہیں کافروں سے نہیں ان مسلمانوں سے شکوہ ہے جو اپنی قوم کے ان جانباز سپوتوں کو "دہشت گرد" کہنے لگے ہیں۔ یہ لوگ امتحان کی نازک گھڑی سے گزر رہے ہیں۔ جہاں انہیں اپنے شہداء ساتھیوں سے بے وفائی پر مجبور کیا جا رہا ہے اور انہیں کفر نواز بننے کے لئے دبایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان و جذبات کی حفاظت فرمائے۔ یقیناً یہ لوگ اگر ایمان پر اسی طرح ڈٹے رہے تو عنقریب انشاء اللہ فتح ان کے قدم چومے گی کیونکہ ان کا دشمن اب بلندی سے لڑھک چکا ہے۔ بھاری پتھر، بہت رعب، شور، دبدبے اور دہشت کے ساتھ لڑھکتا ہے مگر وہ پستی کی طرف جا رہا ہوتا ہے جہاں شکست و گمنامی کے گڑھے اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس گرنے کو ترقی اور فتح سمجھ کر بڑے پتھر کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ ایمان پر قائم رہنے والے مسلمانوں کے اس طبقے کو مزید ہمت سے کام لینا چاہئے اس لئے کہ حق اور سچائی نے انہیں کے ساتھ زندہ رہنا ہے اور اسلام کی تاریخ قیامت تک بانجھ نہیں ہوگی۔

اب آئیے! ایک نظر مسلمانوں کے اس طبقے پر ڈالتے ہیں جس نے خوف، مصلحت اور حالات کا عذر گھڑ کر کافروں سے ہاتھ ملا لیا ہے۔ یہ طبقہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے دین کو مال کے بدلے اور آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ کر اپنا سخت نقصان کیا ہے۔ یہ لوگ نہ اپنوں کے رہے اور نہ غیروں کے، اب اگر وہ پلٹنا بھی چاہیں تو انہیں

پلٹنے نہیں دیا جاتا ان لوگوں کے ہاتھ اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگین ہوئے اور کافروں نے ان سے وہ گناہ کروائے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اس سب کے باوجود کافر بھی ان سے خوش نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر وقت ان کی وفاداری کو آزمانے کے لئے طرح طرح کے دباؤ ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ بدنصیب لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کافروں کے ہاتھ کا کھلونا بن چکے ہیں اور خوف نے ان کی زندگیوں کا حسن اور سکون چھین لیا ہے۔ انہیں ان کے رب نے حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ سے یاری مت لگاؤ مگر یہ یہود و نصاریٰ کی فرینڈ شپ پر فخر کرتے ہیں۔ ان کے رب نے انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رازدان مت بناؤ مگر یہ کافروں کے ساتھ فخر یہ طور پر انٹیلی جنس کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے طاقت دی مگر انہوں نے اس طاقت کو کافروں کے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ اب یہ لوگ بری طرح پھنس چکے ہیں کیونکہ کافر ابھی بہت کچھ چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس دینے کے لئے بہت کم رہ گیا ہے اب یہ اس پریشانی میں ہیں کہ جب کچھ بھی نہیں رہے گا تب ہم کافروں کو کیا دیں گے کیونکہ ان کی طرف سے ''ہل من مزید'' کی صدا بند ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس طبقے کو ہدایت عطا فرمائے اس طبقے کی عزت اور ایمان کی طرف واپسی مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔

پہلے طبقے کے مسلمانوں کو اگرچہ دنیاوی آزمائشوں کا سامنا ضرور ہے مگر ان کی آخرت تو انشاء اللہ محفوظ ہے مگر اس طبقے کے لوگوں نے تو اپنا سب کچھ اجاڑ دیا ہے۔ ان دونوں پریشان حال اور آزمائش زدہ طبقوں کے برعکس شہید ہونے والے مسلمان یقیناً سکون اور فلاح کا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔ کابل سے لے کر دہلی تک، قندھار سے لیکر سری نگر تک، تورا بورا سے لے کر پیر پنجال تک اور شیشان سے لیکر بیت المقدس تک ان جیالے شہداء کے خون کی خوشبو پوری

آزادی اور ٹھاٹھ کے ساتھ مہک رہی ہے۔ یہ لوگ اس قدر بلند اور طاقتور ہو گئے ہیں کہ اب کوئی ان کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ ڈرا دھمکا سکتا ہے۔ ''لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' وہ ہر کسی کے دباؤ سے آزاد ہو گئے اور انہیں ہر آزمائش سے باعزت بری ہونے کا اعزاز مل گیا۔ ان خوش نصیبوں نے اپنی زندگیوں میں ایمان اور جہاد کی بہاریں دیکھیں اور پھر شہادت نے انہیں اپنی پرسکون گود میں لے لیا۔ دنیا میں ان کی جتنی زندگی مقدر تھی وہ انہوں نے خیریت کے ساتھ گزار لی اور پھر انہیں وہ موت ملی جو زندگی سے افضل بلکہ حقیقی زندگی ہے اور اس موت کی تمنا انبیاء، صدیقین اور اولیاء نے فرمائی ہے۔ یہ لوگ سچے تھے رب نے انہیں سچا کر دکھایا اور کفار کے مظالم انہیں حسرت سے دیکھتے رہ گئے۔ جی ہاں اب ان پر کوئی کوڑے نہیں برسا سکتا اور نہ کوئی انہیں تھانے، انویسٹی گیشن سینٹر اور جیل کی رسوائی میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ اب اس بلند مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں دشمن کے جنگی آلات ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ کفر کے دور میں اسلام کی نعمت بچا کر لے گئے۔ یہ ان کا وہ کارنامہ ہے جس پر ہم انہیں رشک اور حسد کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ انہوں نے جس راستے کو اختیار کیا اگر سارے مسلمان اسی پر چل پڑتے تو دنیا میں طاقت کا توازن بدل جاتا اور کفار کو عبرتناک شکست ہوتی۔ ہم امت مسلمہ کے ان قابل فخر سپوتوں کو سلام پیش کرتے ہیں اور بی، بی، سی کے مسلمان نمائندے سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی خاطر کافر کے ہاتھ سے گولی کھانا، اپنا ضمیر بیچ کر اس کے سامنے تنخواہ کے لئے ہاتھ پھیلانے سے کروڑ گنا بہتر ہے۔ پھر آپ کس منہ سے یہ کہتے ہیں کہ علماء اور جہادی تنظیموں نے افغانستان اور کشمیر میں ہزاروں افراد کو مروا دیا۔ اللہ کے لئے منہ سنبھالو کیونکہ وہ (شہداء کرام) زندہ ہیں اپنے رب کی طرف سے ملنے والا رزق کھا رہے ہیں (القرآن)

دل پہ ہاتھ رکھ کر بتاؤ رب کی روزی اچھی ہے...... یا انگریز کی تنخواہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لاہوری جرغہ

حالیہ ریفرنڈم کی مخالفت کرنے والوں کو اب شرم اور ندامت سے منہ چھپا لینا چاہئے ۔ بلکہ زیادہ نہیں تو کم از کم چلو بھر پانی سے منہ ضرور دھو لینا چاہیے ۔ یہ لوگ اس ریفرنڈم کو بے فائدہ اور بے مقصد قرار دیتے رہے حالانکہ اب ریفرنڈم کے بیسیوں فوائد آندھی اور طوفان کی طرح چیختے چنگھاڑتے سامنے آرہے ہیں ۔ درویش پریشان ہے کہ کس کس فائدے کو گنوائے ہر فائدہ اپنے نوکیلے دانت نکالے منہ پھاڑے کھڑا ہے اور صدر صاحب کی طرح محبت اور قوت برداشت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ میں میں ہوں سب سے پہلے میرا تذکرہ کرو ۔ مگر کالم کا دامن تنگ ہے اس لئے آج صرف ایک فائدے کا تذکرہ ہو سکے گا کیونکہ یہ فائدہ تازہ ترین بھی ہے اور کسی حد تک ادبی بھی ۔ آپ نے سنا ہوگا کہ افغانستان میں لویہ جرگہ منعقد ہوا ہے اور ساری دنیا کے میڈیا پر اس کا اتنا شور ہے جتنا خود کابل میں نہیں ہے ۔ پاکستان کے اکثر لوگ چونکہ لویہ جرگے سے واقف نہیں ہیں اس لئے وہ پوچھتے ہیں کہ لویہ جرگہ کیا ہے؟ اس کا انتخاب کس طرح ہوا؟ اس کی ہیئت کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ ۔ اب اگر ہم تفصیلی جواب دینے لگیں تو اس میں زندگی کا بہت سارا سرمایہ ضائع ہو جائے گا، چنانچہ ایسے وقت میں صدر پاکستان کا ریفرنڈم مشکل کشائی کے لئے مسکراتا ہوا سامنے آجاتا ہے اور ہمارے لئے ہر سوال کا جواب دینا آسان ہو جاتا ہے ۔ مثلاً ہم کہہ

سکتے ہیں افغانستان میں کرزئی کے لئے ''ریفرنڈم'' ہو رہا ہے یہ مختصر سا جملہ کوزے میں دریا کو بند کر دیتا ہے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ لویہ جرگہ کے ارکان کا انتخاب ہمارے ریفرنڈم کی طرح شفاف تھا ۔ بالکل شفاف ۔ اسی طرح ہم سینہ تان کر کہہ سکتے ہیں کہ لویہ جرگہ کا نتیجہ ہمارے ریفرنڈم کے نتیجے کی طرح تاریخ شگاف ہوگا ۔ اور کرزئی صاحب جرگے کے اراکین کی تعداد سے بھی زیادہ ووٹ لیکر کامیاب ہو جائیں گے ۔ البتہ اس پورے عمل میں دو باتیں تکلیف دہ ہیں ۔ ایک ظاہر شاہ کا انجام اور دوسرا مسعودہ جلال کی شکست ۔ ظاہر شاہ کو حامد کرزئی اپنے کندھے پر اس لئے بٹھا کر لائے تھے کہ وہ اپنے مضبوط کپکپاتے ہاتھوں سے افغانستان کا تاج کرزئی صاحب کے سر پر رکھ دیں ۔ مگر ظاہر شاہ نے افغانستان آتے ہی اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے انہوں نے دیکھا کہ یہاں ہر شخص خود کو اور دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے تو پھر میں کیوں نہ کرزئی کو ٹنگی لگا دوں ۔ چنانچہ لویہ جرگہ سے ایک دن پہلے ظاہر شاہ نے اپنی تاجپوشی کے لئے اپنے بے بال وپر سر کو پیش کر دیا ۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا ۔ امریکہ سمیت ظاہر شاہ کے سارے دوستوں نے اس کے سر پر تاج کی بجائے مالش کو مناسب سمجھا جس کے نتیجے میں ظاہر شاہ کو اپنا نام واپس لینا پڑا ۔ اب سنا ہے کہ انہیں قوم کا بابا یعنی (با سے بڑا اور دوسرے با سے بوجھ) بڑا بوجھ قرار دیا جا رہا ہے ۔ درویش کا مشورہ ہے کہ ظاہر شاہ چونکہ اکثر لیٹے رہتے ہیں جب کہ ''بابا'' کے الف کھڑے ہیں اس لئے الف کو لٹا کر انہیں قوم کی ''بے بے'' قرار دیا جائے ۔

دوسری طرف افغانستان کی نامور سپوت مسعودہ جلال کے ساتھ جو ظلم وزیادتی کی جا رہی ہے وہ افغانستان کے چہرے پر داغ کی طرح ہے ۔ کیا امریکہ اور دوسرے ملکوں کی اس قدر محنت کے بعد افغانستان میں روشن خیالی کو اتنا سا جھونپڑا بھی نہیں ملا کہ افغانی ایک عورت کو صدر تسلیم کر لیں ۔ حالانکہ اس وقت افغانستان کا جو بھی صدر بنے گا وہ صدر کم اور

ویٹر (ہوٹل کا بیرا) زیادہ ہوگا۔امریکیوں کو خوش رکھنا، شمالی اتحاد والوں کے نازنخرے سہنا، اتحادیوں کے حضور کھانا پیش کرنا، غیر ملکیوں سے ٹپ وصول کرنا۔مختلف قبیلوں کو مسکرا مسکرا کر لبھائے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کام چھوٹی سی ڈاڑھی والے حامد کرزئی کی بجائے مسعودہ جلال احسن طریقے سے کر سکتی تھیں۔مگر برا ہو تاریک ذہنی کا کہ کوئی بھی اس پر غور نہیں کر رہا۔بلکہ بی بی سی کے بقول افغانستان صحیح رفتار سے آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ورنہ وہ ایک خاتون صدر تک پہنچ چکا ہوتا۔اب سوال یہ ہے کہ لویہ جرگہ کیا کر رہا ہے؟ صدر سمیت سارے عہدے پہلے سے طے شدہ ہیں، قوانین کا مسودہ بھی پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور تمام کرسیاں بھی پہلے سے تقسیم ہو چکی ہیں۔درویش کہتا ہے کہ یہ افغانی لویہ جرگہ نہیں ہے کیونکہ اس جرگے کی ہیبت سے تو پورا ایشیا تھرتھراتا تھا اور جب ایک افغان بادشاہ کی ملکہ نے مغرب کی خوشنودی کی خاطر لویہ جرگہ کے سامنے اپنے برقع کا نقاب الٹ دیا تو جرگے نے واہ واہ کرنے کی بجائے اس بادشاہ کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا تھا۔

پھر اگر یہ لویہ جرگہ نہیں تو کیا ہے؟ جناب یہ لاہوری جرگہ ہے جسے تیغ پر الٹا لٹکا کر اپنی مرضی کے مسالے سے مہکایا جا رہا ہے تاکہ......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہیں، نہیں، نہیں

ہندوستان کے اسکولوں میں جو ترانہ گایا جاتا ہے اس کا نام ''وندے ماترم'' ہے اس ترانے میں وطن کی دھرتی کو (نعوذ باللہ) معبود اور ماتا قرار دیا گیا ہے، اسکول کے ماسٹر اور بچے ہر صبح یہ ترانا گا کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنے وطن بھارت ماتا کی بندگی او رپوجا کرتے ہیں، ہندوستان کے غیور مسلمانوں نے اس شرکیہ ترانے کے خلاف بہت زور دار تحریک شروع کر رکھی ہے اور الحمد للہ اکثر مسلمان بہت ہمت اور جرأت کے ساتھ اس ترانے کا بائیکاٹ کرتے ہیں، وہاں کے مسلمانوں کی مضبوط اور متحد جماعت ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' نے اس بارے میں تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کے شعور کو بالغ و بیدار کیا ہے جس کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔کچھ عرصہ قبل لکھنؤ کے مضافاتی قصبے ''مہوا''

میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا، اس زوردار مشاعرے میں مسلم اور ہندو شعراء کی کثیر تعداد نے ہزاروں مسلمان سامعین کو اپنا کلام سنایا، ان دنوں ''وندے ماترم'' کا مسئلہ زوروں پر تھا، رات گئے جب یہ ''لکھنوی مشاعرہ'' اپنے عروج کو پہنچا اور ماجد دیوبندی صاحب کو غزل کے لئے بلایا گیا تو انہوں نے اسی مسئلے کا تذکرہ کر کے پورا مشاعرہ لوٹ لیا، ماجد دیوبندی صاحب نے سامعین کو مخاطب کر کے کہا کہ وطن کی محبت ضروری ہے مگر اس میں کچھ حدود

ہیں، ہم ان حدود کو پار نہیں کر سکتے ، اس پر انہوں نے وطن کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

میں تیری محبت میں گرفتار ہوں لیکن

تجھ کو میں خدا سمجھوں یہ امکان نہیں ہے

شعر کے آخری الفاظ ابھی شاعر کے منہ میں تھے کہ ہزاروں کا مجمع جوش اور غیرت ایمانی سے چلا اٹھا اور داد و آفرین کا ایسا شور برپا ہوا کہ شاید و باید۔

تعجب کی بات ہے کہ جس ملک پر واجپائی جیسے متعصب ہندو ٹولے کی حکومت ہے جس نے اپنے ہندی دیوان میں برملا اعلان کیا ہے کہ "میرا تن ہندو، میرا من ہندو" اس ملک کی مسلمان اقلیت کس طرح سے برملا حق کا اعلان کرتی ہے۔ حالانکہ ملک کا وزیر داخلہ لال کرشن ایڈوانی مسلمانوں کے خون کا پیاسا اور ہندوستان کو اسپین بنانے کا خواہش مند ہے اس ملک میں بجرنگ دل جیسی جماعت موجود ہے جس کا یک نکاتی ایجنڈا ہندوستان سے مسلمانوں کا خاتمہ ہے یاد رہے کہ "بجرنگ" ہندی زبان میں بندر اور لنگور کو کہتے ہیں جبکہ "دل" کا معنی ہے پارٹی اور لشکر۔ ناپاک نجس اور رسوا بندروں کی یہ پارٹی حکومتی سرپرستی میں صرف اور صرف عسکری کاروائیوں کے لئے وقف ہے اسی ملک میں بمبئی کا خارش زدہ بدمعاش بال ٹھاکرے رہتا ہے جس نے مسلمانوں کو گجرات اور رن کچھ کے سمندروں میں غرق کرنا اپنی زندگی کی سب سے بڑی تمنا بنا رکھا ہے اسی ملک میں اشوک سنگھل جیسے بدبودار اور متعفن انسان رہتے ہیں جنہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو شدھی کرا کے دوبارہ ہندو ہو جانا چاہیے ورنہ مرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ بی جے پی، آر ایس ایس، وی ایچ پی اور شیوسینا جیسی ظالم مسلم کش پارٹیوں والے ہندوستان میں الحمدللہ ابھی تک "وندے ماترم" نہیں پنپ سکا اور وہاں کے مسلمانوں نے باوجود کمزور اور کم ہونے کے "سب سے پہلے ہندوستان" کے نعرے کو عمومی طور پر قبول نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ نعرہ بظاہر بہت دلکش ہے مگر اس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمانوں سے توڑنا ہے بلکہ اس کے

مدِ مقابل لا کھڑا کرنا ہے اور انہیں کفر کا آلہ کار بنانا ہے، زنانہ بالوں والے عبدالکلام کی بات چھوڑیے، اس نے تو ٹیپو سلطان کی سرزمین تک کو بدنام کر دیا ہے۔ جی ہاں! ہندوستان کا جنوبی علاقہ آج بھی ٹیپو سلطان شہیدؒ پر فخر کرتا ہے۔ اور وہاں کے مسلمان ابھی تک حیدری غیرت کو گلے کا ہار بنائے ہوئے ہیں مگر بدنصیب عبدالکلام قرآن کے ساتھ گیتا پڑھتا ہے (گیتا ہندوؤں کے مقدس شلوکوں پر مشتمل کتاب ہے) اور اس کی صلاحیتیں کفر کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ چنانچہ اب گجرات کے بیس ہزار مظلوم شہداء کے خون پر فریب کاری کی خاک ڈالنے کے لئے اسے ملک کا صدر بنایا جا رہا ہے جبکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ بھارت میں صدر کی حیثیت چڑیا گھر کے نمائشی بن مانس سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ خیر چھوڑیئے! عبدالکلام اور اس کفر زدہ قبیلے کو ہم ہندوستان کے ان غیور مسلمانوں کی بات کر رہے ہیں جنہوں نے بدترین ہی نہیں خوفناک غلامی کے باوجود وطن کو دین پر مقدم کرنے کا نعرہ پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا اور اسے تھوک دان میں ڈالنے کے قابل بھی نہیں سمجھا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان کے لئے سب سے پہلے اسلام ہے، اول بھی اسلام اور آخر بھی اسلام، اسلام ہے تو مسلمان ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی نے مسلمانوں کو "سب سے پہلے اسلام" کا سبق بھلایا اس نے ان کی ہر امتیازی شناخت کو چھین لیا، کیا ترکوں کی حالت ہم نے نہیں دیکھی، ایک زمانہ تھا جب ترک اسلام کے وارث اور اسلام ترکوں کا محافظ تھا۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی سے لیکر بیت المقدس تک اور ایشیا سے لے کر یورپ تک ترکوں کا سکہ چلتا تھا مگر پھر ایک بدبخت شخص نے کسی منحوس بطن سے جنم لیا اور ترکوں کو یاد دلایا کہ تم پہلے ترک ہو پھر کچھ اور...... پھر کیا ہوا؟ حالات سب کے سامنے ہیں اور مسلمانوں کی سب سے بڑی فاتح قوم آج یورپ سے رکنیت کی بھیک مانگ رہی ہے۔ مگر اس کے تار تار دامن کو "مزید کچھ کرو" کے مطالبات سے رسوا کیا جا رہا ہے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے "وندے ماترم" کو نفرت سے ٹھکرا دیا مگر اسلام کے نام پر بننے

والے اس ملک میں گزشتہ آٹھ ماہ سے ''وندے ماترم'' کا ڈھول نہایت زور وشور سے بج رہا ہے۔ پہلے طالبان شہداء کی چیخیں اور افغان مظلوم بچوں کی آہیں اس میں دب گئیں پھر کشمیری شہداء کی وارث جہادی تنظیموں اور قائدین کو اسی ''وندے ماترم'' کے آستانے پر ذبح کیا گیا، پھر عرب مجاہدین اور افغان جہاد کے غازی اس بت پر قربان ہوئے اور اب دینی مدارس کی عزت وآزادی کا نمبر آچکا ہے۔ یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا اور ناقابل برداشت ہے مگر ''وندے ماترم'' کی کالی دیوی اب بھی اپنے دانت نکالے کھڑی ہے اور اس کے آستانے پر اسی ہزار شہداء کی امین ''تحریک کشمیر'' اور بیس لاکھ قرآن کے طالب علموں کے وارث تیرہ ہزار مدارس قربان کئے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں قوم کو کون سا سانپ سونگھ گیا ہے، ہر شخص دوسرے کا انتظار کر رہا ہے اور ہر کوئی دوسروں کو بزدلی کے طعنے دے رہا ہے، حالانکہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ الحمدللہ یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے ہر ادارے میں مسلمانوں ہی کی اکثریت ہے، یہاں کسی کو خونی انقلاب لانے یا گردنیں کاٹنے یا کٹوانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح قوت کے ساتھ ''نہیں'' کہنے کی ضرورت ہے ''نہیں، نہیں اور نہیں'' ہمارے نزدیک سب سے پہلے اسلام ہے صرف اسلام، صرف اسلام...... اسلام ہوگا تو پاکستان محفوظ رہے گا ورنہ اس پاک وطن کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا کیونکہ اسلام پاکستان کی روح ہے اور کوئی جسم بغیر روح کے قائم نہیں رہ سکتا، آیئے ہمت کریں اور اب ایک زوردار ''نہیں'' کہہ ڈالیں۔ یاد رکھیں! ہم مسلمان ہیں اور ہمارا کلمہ لا (نہیں) سے شروع ہوتا ہے پھر ہم کیوں ہر طاغوت کے سامنے ہاں، ہاں کہتے جا رہے ہیں۔ آیئے! ایسی زوردار ''نہیں'' کہیں کہ غیر اللہ کا وہ رعب ہمارے دلوں سے نکل جائے جس نے ہمیں حقیر جانور اور بے وقعت جھاگ بنا رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہائے یہ کاتب

سنا ہے کہ چند بڑے ''اہل قلم مفکر حضرات'' حسن اتفاق سے مکہ مکرمہ کی پاکیزہ زمین میں کعبۃ اللہ کے رحمت آفرین سائے میں جمع ہوگئے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ان میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندوئیؒ اور ان کے ہم پلہ وہم عصر حضرات بھی موجود تھے۔ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آج ہم سب کو مل کر کوئی خصوصی دعا مانگنی چاہیے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ دردمند اہل علم ضرور کوئی بڑی چیز مانگیں گے۔ ایسی چیز جس سے امت مسلمہ کی بگڑی سنور جائے گی۔ مگر دیکھنے اور سننے والے اس وقت ششدر رہ گئے جب تمام حضرات نے بالاتفاق یہ دعا کرنے کے لئے جھولی پھیلا دی ''یا اللہ! ہمیں کاتبوں کے شر سے محفوظ فرما'' ایسی غیر اہم اور ذاتی نوعیت کی دعا کیوں مانگی گئی؟ جواب بالکل واضح ہے کہ ہر صاحب قلم مفکر ومصنف اپنا علم اور درد دل امت تک پہنچانے کے لئے کاتبوں کا محتاج ہوتا ہے جبکہ کاتب حضرات ہر طرح کی فکر سے آزاد ہونے کی وجہ سے درد بھرے مضمون کو مذاق اور مزاحیہ تحریر کو وبال بنا دیتے ہیں، ہر مصنف اور لکھنے والا اپنے الفاظ کے ذریعے کوئی بلیغ اشارہ دینا چاہتا ہے جبکہ کاتب حضرات ایک آدھ نقطے یا شوشے کی تبدیلی سے اس اشارے کا خون کر دیتے ہیں۔ کاتب حضرات کے یہ تاریخی کارنامے صدیوں سے مشہور ہیں اور جب تک قلم کو لکھنے کا حکم ہے اس وقت تک ان

کارناموں میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہی رہے گا۔ کاتب حضرات کے اس فن کی سنجیدگی اہل پاکستان کے سامنے اس وقت بہت عبرت کے ساتھ آشکارا ہوئی جب ہمارے حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے خاص تربیت یافتہ شاگرد مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی نے قرآن مجید کے نسخوں میں کتابت اور طباعت کی سینکڑوں غلطیوں کی نشاندہی کی۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک زمانے میں ایک کاتب صاحب کی خدمت میں قرآن مجید لکھنے کی درخواست کی گئی، انہوں نے سعادت سمجھ کر اس خدمت کو قبول کرلیا مگر جب وہ قرآن مجید لکھنے بیٹھے تو ان کو ہماری موجودہ حکومت کی طرح انقلابی اصلاحات کا دورہ پڑھ گیا۔ چنانچہ پھر کیا تھا؟ کاتب صاحب نے ماضی کے علماء اور کاتبوں کی غلطیاں دیکھ دیکھ کر کان پکڑنا شروع کردیئے اور انہیں قرآن مجید میں جہاں بھی شیطان، خنزیر، فرعون، ہامان اور مشرکین جیسے الفاظ نظر آئے انہیں لاحول پڑھ کر حذف کرتے گئے اور اپنے ہم پیالہ لوگوں کو بھی بتاتے گئے کہ دیکھو! قرآن مجید میں ایسے نامناسب الفاظ کی بھلا کہاں جگہ ہوسکتی ہے؟

آج سے دس بارہ سال پہلے کی بات ہے کہ امت مسلمہ کے لئے تحفہ العصر حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب کراچی تشریف لائے تو ان کے میزبان معروف مصنف وادیب مولانا محمد اسلم شیخوپوری نے اپنی خداداد، زودنویسی، سے کام لیتے ہوئے جھٹ پٹ ان کا مختصر سا تعارف لکھا اور کاتب صاحب سے اس کی کتابت کروا کر چھپوا دیا۔ مولانا سرفراز صفدر صاحب نے جب اسٹیج پر قدم رنجہ فرمایا تو یہ مختصر سوانحی خاکہ اسٹیج پر موجود علماء اور مہمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ مولانا شیخوپوری مدظلہ نے اس میں لکھا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کی تمام اولاد ماشاءاللہ حافظ قرآن ہے صرف آپ کی بڑی صاحبزادی حفظ قرآن سے محروم رہیں۔ (کاتب نے محروم کو محفوظ لکھ دیا تھا) اب جو عالم بھی اس

کتابچے کو پڑھتا وہ کن انکھیوں سے مولانا شیخوپوری صاحب کو دیکھتا کہ حفظ قرآن سے محفوظ رہنے کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بھی بڑا واقعہ کچھ زمانہ پہلے ہندوستان میں پیش آیا، وہاں کے ایک ہندو ادیب کو پاکستان کے سفر کی سوجھی، ہندوستان کے پنڈت زبان درازی اور قلم فروشی میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ حضرات نے نولکشور پریس کا نام سنا ہوگا۔ یہ ایک پنڈت ادیب نولکشور کا مطبع تھا جہاں سے اس نے عربی اور فارسی کی ہزاروں کتابیں شائع کیں، مغلوں کے دور میں فارسی ہندوستان کی قومی زبان تھی۔ چنانچہ پنڈتوں نے دھڑا دھڑ فارسی سیکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے مغلوں کے دفاتر پر چھاگئے۔ ان میں سے بعض پنڈتوں نے فارسی اور اردو ادب میں بہت نام کمایا اور بے شمار افسانے لکھ کر اپنی جیبیں بھریں اور تو اور یہ پنڈت ادیب اپنی کتابوں میں قرآنی آیات، احادیث اور حافظ سعدی کے اشعار بھی برملا لکھتے تھے۔ ہندوستان کا یہ پنڈت ادیب پشاور بھی آیا۔ یہاں سے واپسی پر اس نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے اپنا سفرنامہ لکھا اور پنڈتوں کی عادت کے مطابق ہر فضول اور ناقابل ذکر بات کو بھی الفاظ کے سانچے میں ڈھالتا چلا گیا۔ اس سفرنامے میں اس نے ایک جگہ لکھا ''جب میں پشاور پہنچا تو اڈے کے پاس کچھ لوگ اپنی شلوار میں ہاتھ ڈال کر استنجا کررہے تھے۔ کاتب نے استنجا کی جگہ انتظار لکھ دیا۔ اب مذکورہ بالا جملہ دوبارہ پڑھئے اور کاتب کے فن کی داد دیجئے کہ اس نے کس طرح ایک لفظ کی تبدیلی سے پنڈت جی کی مت ہی ماردی۔

کاتب حضرات کے یہ انمول کارنامے بے شمار ہیں، اسی وجہ سے وہ بڑے بڑے مصنف جن کی تحریر سے دنیا کے طاغوت ڈرتے ہیں خود کاتبوں کے ڈر سے سہمے سہمے رہتے ہیں کاتب حضرات غالباً اپنا یہ رعب اور دبدبہ قیامت تک برقرار رکھنا چاہتے ہیں، اسی لئے اب کمپیوٹر ہاتھ میں آجانے کے باوجود بھی وہ کسی قلمکار اور مصنف کو رلانے سے

ترس نہیں کھاتے۔

درویش کو جب روزنامہ اسلام میں لکھنے کا حکم ملا تو کئی اسباب سیٹھ تان کر اس کے اور قارئین کے رستے میں حائل تھے۔مگر اس نے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے کئی ماہ سے رکھے ہوئے زنگ خوردہ قلم کو جھاڑا اور پانچ سات کالم بغیر وقفہ کے لکھ ڈالے۔ جب روزنامہ اسلام میں یہ کالم شائع ہو کر کئی دریا پار بیٹھے درویش تک پہنچے تو وہ کاتبوں کی مہربانیاں دیکھ کر دنگ رہ گیا،چشم بد دور ہر کالم میں اوسطاً دس کے قریب کتابت کی غلطیاں کاتب حضرات نے نہایت سخاوت کے ساتھ درویش کے کشکول میں انڈیل دیں تھیں۔ اب ایک طرف تو ہمارے لوگوں کی اردو دانی کا یہ عالم ہے کہ ایم اے پڑھے آفیسر حضرات بھی اردو کو بچوں کی طرح اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں اور جہاں کہیں کوئی عربی یا فارسی لفظ آجائے تو غصے سے بدک جاتے ہیں اور لکھنے والے کی روح کو انگریزی گالیوں سے ایصال ثواب کرتے ہیں۔دوسری طرف انہیں یہ شکوہ بھی رہتا ہے کہ اخبارات کے دینی مضامین بہت باریک قلم سے چھاپے جاتے ہیں۔ان حالات میں رہی سہی کسر کاتب حضرات پوری کر دیتے ہیں اور مضامین کے رخ تک کو بدل دیتے ہیں۔اب کیا کیا جائے؟ کیا کاتبوں کی اصلاح کی دعا مانگی جائے؟ ممکن ہے یہ دعا قبول نہ ہو۔یا جس طرح سے بے بس مسلمان امریکا کے مسلمان ہونے کی آس لگا کر جہاد چھوڑ بیٹھے ہیں اسی طرح کاتبوں کے درست ہونے کی آس لگائی جائے؟ کیونکہ دل کی بات جب تک دل کی مرضی کے مطابق سامنے والے تک نہ پہنچے بے اثر رہتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گیلانی صاحب ہم شرمندہ ہیں

سید علی شاہ گیلانی تحریک کشمیر کے ایک بزرگ، جرأت مند اور دبنگ لیڈر ہیں، ان کے عقیدت مند انہیں ہمت و استقامت کا ہمالیہ قرار دیتے ہیں، گیلانی صاحب کی جوانی جمعیۃ علماء ہند کی دیوانی تھی اب اگر چہ وہ جمعیت میں نہیں رہے مگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مفتی کفایت اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالکلام کی محبت کا رنگ ابھی بھی ان میں کسی حد تک نظر آتا ہے۔پھر انہوں نے کشمیر میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے کشمیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔کچھ عرصہ قبل جب جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر نے بھارتی تشدد، بربریت اور روز روز کے چھاپوں سے تنگ آکر کشمیر کی مسلح تحریک آزادی سے برأت کا اعلان کیا تو گیلانی صاحب اُس کے ہمنوا نہیں بنے اور انہوں نے بانگ دھل جہاد آزادی کو اپنے دل کی جاری دھڑکن قرار دیا۔کشمیری لیڈروں میں گیلانی صاحب اسلام پسندی، پاکستان نوازی اور جہادی محبت میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔گزشتہ سالوں میں جب بھی کشمیر میں غیر مقامی مجاہدین کو ہدف تنقید بنانے کی کوشش کی گئی تو گیلانی صاحب نے آگے بڑھ کر راہ حق کے مسافروں کو سینے سے لگایا اور اس تحریک میں شریک تمام محسنوں کی قدر دانی فرمائی۔

جیل کا سفر اور ٹارچر سینٹروں کا تشدد گیلانی صاحب کے لئے کوئی نیا تجربہ نہیں ہے

وہ بار بار جیل گئے ہیں انہوں نے بے پناہ ماریں کھائیں ہیں اور وہ تشدد کے ہتھکنڈوں سے کبھی نہیں گھبرائے۔ گیلانی صاحب ہی کیا کشمیر کا ہر نوجوان اب جرأت و برداشت کا عجیب پیکر بن چکا ہے۔ دیکھنے والوں نے بار بار دیکھا کہ کشمیر کے معصوم بچے تک اب گرفتاری اور تشدد سے نہیں ڈرتے۔ ایسا بھی دیکھا گیا کہ آٹھ سالہ بچے کو الٹا لٹکا کر بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، وہ اس دوران زور زور سے اللہ کو پکارتا ہے اور کبھی کبھی اس کے منہ سے ہائے موجہ (ہائے اماں) کی دل دہلانے والی صدا بھی بلند ہو جاتی ہے۔ مگر جب تشدد کے بعد اسے واپس اس کے سیل میں لایا جاتا ہے تو وہ ہنس کر انڈین ایجنسیوں کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ ابھی تک میرا اصلی نام تک معلوم نہیں کر سکے۔ ہمارے ہاں تو پچیس سال کا گھبرو جوان پولیس، تھانے، تفتیش، ٹارچر اور جیل کے نام سے ہی ڈرتا ہے جبکہ مقبوضہ کشمیر میں اکثر بچے، بوڑھے، جوان اور خواتین کئی کئی ماہ کا ٹارچر اور کئی کئی سال قید کاٹ چکے ہیں۔ ممکن ہے آپ حیران ہوں مگر یہ سچ ہے کہ کشمیر کی بوڑھی عورتیں فوجیوں کے بے پناہ تشدد سے لہولہان ہو کر گر پڑتی ہیں، مگر ان میں سے اکثر اپنے گھر کے خفیہ مقامات میں چھپے مجاہدین کا نہیں بتاتیں۔ کیا آپ نے کبھی اس جملے کی حقیقت پر غور کیا ہے کہ کشمیر میں بھارت کی سات لاکھ فوج موجود ہے۔ ایک ادیب و خطیب کے لئے اس جملے کی ادائیگی آسان ہے مگر کبھی اس کی زمینی کیفیت پر غور کر لیجئے کہ اتنی بڑی فوج کی موجودگی میں جہادِ کشمیر کس طرح سے زندہ ہے اور کس طرح سے مجاہدین جہاں چاہتے ہیں حملہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر کسی علاقے میں پولیس کی تھوڑی سی نفری بڑھا دی جائے تو عوام کا سانس درہم برہم ہونے لگتا ہے اور بڑے بڑے بدمعاشوں کے گینگ چند روز میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر سات لاکھ آرمی کے باوجود کشمیر میں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جسے عقل کے پیمانے پر نہیں تولا جا سکتا۔ یقیناً یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کی بدولت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل کشمیر کو اس جہاد کی ایسی ہمت و صلاحیت عطا فرما دی ہے جس کی بدولت اب بھارت بالکل بے بس ہو چکا ہے۔

گیلانی صاحب نے بھی بڑھاپے میں عزم و قربانی کی ایک انمٹ داستان رقم کی ہے وہ پاکستان کے شروع سے ہی حامی رہے ہیں اور اہل کشمیر کو پاکستان کا نعرہ دینے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے وہ بھارت کی آنکھوں کا کانٹا بن گئے ہیں، اور اب ان پر نئے الزامات لگا کر انہیں بھارت کی نئی وجود پانے والی ریاست جھارکنڈ ضلع ہزاری باغ کی سینٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ یہ صوبہ بدقسمتی سے ابھی تک بھارتیہ جنتا پارٹی کے قبضے میں ہے اور وہاں کا وزیر اعلیٰ ایک متعفن و متعصب ہندو ہے۔ چند دن پہلے تحریک آزادی کے چند اور مجاہدین کو بھی اس جیل میں لایا گیا تھا۔ جن میں سے نوید اقبال بٹ، عبدالحی، شیخ جمال خان، فصیح اللہ بخشیری، سہیل احمد کنار، یہ ساجد الرحمن بٹ اور حریت کانفرنس کے رہنما محمد اشرف صحرائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام قیدیوں کو ایسے سیلوں میں رکھا گیا ہے جہاں سخت گرمی کے موسم میں پنکھا تک نہیں ہے۔ جیل حکام نے جیل قوانین کو پس پشت ڈال کر ان قیدیوں کے ریڈیو تک چھین لئے ہیں تاکہ وہ باہر کی خبروں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں۔ اب تحریک آزادی کشمیر کے نامور سپوت سید علی گیلانی بھی اس ظلمت کدے میں جھونک دیئے گئے ہیں ممکن ہے ان کے جانے سے باقی قیدیوں کو کچھ فائدہ ہو اور ان کی مشقت میں کچھ کمی آئے اس لئے کہ گیلانی صاحب ظلم کے سامنے جھکنے پر موت کو ترجیح دینے والے انسان ہیں۔ بڑھاپے کے عالم میں گیلانی صاحب کا اس سخت گرمی کے موسم میں سری نگر سے جھارکھنڈ کی جیل میں منتقل ہونا پوری امت مسلمہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ مگر ہم ان دردناک حالات میں کر بھی کیا سکتے ہیں؟ کچھ عرصہ پہلے گیلانی صاحب کشمیر کے مزار شہداء میں داخل ہوئے تو انہیں ہر طرف نوجوانوں کی مہکتی قبریں اور ان پر دمکتے کتبے نظر آئے، کشمیر کے صرف ایک قبرستان میں اپنی قوم کے دس ہزار جوانوں کو اس طرح ذبح شدہ مدفون دیکھ کر گیلانی صاحب کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور روتے روتے دل کے دورے میں مبتلا ہو کر ہسپتال کے بستر پر جا گرے۔ مگر پھر ایک مکمل اسلامی پاکستان کی آرزو نے انہیں اٹھا دیا اور انہوں نے شہداء کے مشن کو پایہ تکمیل

تک پہنچانے کے لئے پھر رات دن ایک کرنا شروع کردیئے۔لیکن اب جو کچھ ہورہا ہے اگر گیلانی صاحب چند دن اور دیکھتے تو ممکن ہے پھر گر کر نہ اٹھ سکتے۔وہ اپنی قوم کے شہداء کو کیا جواب دیتے؟ ان کے ورثاء کو کس طرح سمجھاتے کہ پاکستان بنانے والوں نے بغیر کوئی زخم کھائے صرف جھڑکیوں کے ڈر سے منہ موڑ لیا ہے۔وہ کام جو بھارت کی سات لاکھ فوج نہ کر سکی اب اس کے لئے پاکستان کی مسلمان فوج کو استعمال کرنے کی سفارش کی جارہی ہے۔

گیلانی صاحب! معلوم نہیں جھارکھنڈ کے تنور سے آپ نکلیں گے، یا آپ کا خالی جسم، مگر ہم آپ سے ''بے حد شرمندہ ہیں'' رب کعبہ کی قسم پاکستان کی قوم اب بھی آپ کے ساتھ ہے۔اور اگر اسے آزمایا گیا تو وہ آپ کے شہداء کی امنگوں پر پورا اترے گی۔ یہاں کی مائیں بانجھ نہیں ہوئیں اور یہاں کے علماء اور مجاہدین نے چوڑیاں نہیں پہنیں ہیں۔مگر حالات یہاں تک جا پہنچے ہیں کہ جس طرح بھارت میں پاکستان کا نام لینے پر آپ کو جیل میں ڈالا گیا ہے یہاں اب کشمیر کا نام لینے والے جیلوں میں پھینکے جا رہے ہیں۔گیلانی صاحب دکھ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے موجودہ نظریات کے ساتھ یہاں ہوتے تو آپ کو یہاں بھی جیل، رسوائی، الزامات اور ذلت کا سامنا ہوتا۔وہاں آپ کو یہ سہولت تو حاصل ہے کہ اگر خدا نخواستہ آپ جہاد اور پاکستان کا نام لینا چھوڑ دیں تو آپ کو بھارتی پارلیمنٹ کی سیٹ مل سکتی ہے۔مگر یہاں کے مجاہدین کا معافی نامہ بھی قبول نہیں ہے۔کیونکہ یہاں مجاہدین کو ستانا، ملک کی ترقی، سلامتی اور عزت کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔گیلانی صاحب آپ بزرگ ہیں، امید ہے کہ ہمت واستقامت سے کام لیں گے، کیونکہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت انشاءاللہ ضرور آئے گی۔شہداء کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، ہاں...... ہاں......دنیا کے جابرو سن لو......اللہ تعالیٰ کی نصرت ضرور آئے گی، ضرور آئے گی۔ضرور آئے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تورا بورا

لوگ سمجھ رہے ہیں کہ قصہ ختم ہو گیا، حالانکہ رب کعبہ کی قسم!! ابھی تو کہانی کا پہلا باب بھی مکمل نہیں ہوا۔تورا بورا ہو یا قلعہ جنگی، شاہی کوٹ ہو یا شبرغان، رملہ ہو یا جنین، سری نگر ہو یا کپواڑہ، یہ تو ایک انمٹ کہانی کا خوبصورت آغاز ہے، کیا تورا بورا مٹ گیا......؟ نہیں بالکل نہیں، ان خوبصورت پہاڑوں کے خدوخال شہداء کرام کے خون سے دلہن کے چہرے کی طرح چمک رہے ہیں اور بگرام سے پیغام گونج تک تورا بورا کے شہداء کا خون ہر بزدل کے لئے ایک بھیانک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے۔کل تک تورا بورا کو کون جانتا تھا مگر آج یہ نام عزم وہمت کا ماٹو بن چکا ہے۔آئندہ صدی میں کوئی مؤرخ اسلام کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو اسے مسلمانوں کا نشان ڈھونڈنے کے لئے تورا بورا کی معطر خاک اور قلعہ جنگی کی کنکریاں چومنی پڑیں گی۔اسے اسلام کو ڈھونڈنے کے لئے رملہ اور جنین جانا پڑے گا، اسے قرآن کے حامل وعاشق تلاش کرنے کے لئے گوانتانامو بے، کوٹ بھلوال اور شبرغان کے درودیوار سے ہی سچی گواہی مل سکے گی۔یہ مؤرخ اسلام آباد کے بنگلوں اور کراچی کی بلند وبالا ٹھنڈی کوٹھیوں سے اسلام کی کوئی نشانی شاید نہ ڈھونڈ سکے مگر اسے ملا محمد عمر کی تلاش میں ضرور قندھار کی خاک چھاننا پڑے گی، قرآن کا کوئی بھی مفسر جب ایمان اور استقامت کے معنی لکھنے بیٹھے گا تو اسے ان الفاظ کی تصویر دکھانے کے لئے ملا فضل کا

حسین وزخمی چہرہ اور اس کی کٹی ہوئی ٹانگ کا حوالہ دینا پڑے گا تب مرسیڈیز کاروں اور انٹرنیٹ کے بیوپاریوں کا کوئی تذکرہ کسی حاشیے میں بھی نہیں آئے گا۔قرآن کے طالب علم کو قرآن کا سچا مرد ڈھونڈنے کے لئے ان عقوبت خانوں میں ضرور جھانکنا پڑے گا جہاں اس سچے مرد کے جسم پر وہ سب کچھ بیت رہا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے جسموں پر بیتا تھا۔ ہائے افسوس! کہ چھوٹی سی ظاہری شکست نے مسلمانوں کو قرآنی حقائق تک بھلا دیئے اور وہ اسلام آباد کے پر تعیش مکان کو کامیابی اور تورابورا کی رشکِ ملائک شہادت گہہ الفت کو نعوذباللہ ناکامی سمجھنا شروع ہو گئے ہیں۔حالانکہ تورابورا تو دین اور علم کی معراج ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد میں زخمی ہونے والا جسم اطہر جب روضہ اقدس کا پردہ اوڑھ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو کون سے دین اور علم کی میراث دے کر گئے تھے؟ کیا وہی علم جس میں ڈگری لینے والا حامد کرزئی کافروں کا زر خرید قصاب بنا ہوا ہے؟ کیا وہی علم جسے پڑھنے والے آج کافروں سے بڑھ کر مسلمان کا پیچھا کر رہے ہیں؟ کیا وہی علم جس کو پڑھنے والے سود کو حلال کر کے اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کر رہے ہیں؟ کیا وہی علم جس کو پڑھ کر مسلمان کو نبی کا مقدس چہرہ اور آپ کا کچا گھر تک بھول گیا؟ کیا وہی علم جس میں کمال حاصل کرنے والا، ڈاکٹر عبدالکلام، مشرکین کے لئے میزائل بنا رہا ہے تا کہ وہ پاکستان کو ملیا میٹ کر سکیں؟ کیا وہی علم جس نے ہمارے بازاروں کو بے حیائی اور ہمارے دفاتر کو بدعنوانی کا گڑھ بنا دیا ہے؟ نہیں اللہ کی قسم نہیں۔ ہمارے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً یہ میراث چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔آپ کی میراث تو تورابورا والوں کے پاس تھی، اس لئے وہ کٹ گئے مگر جھکے نہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مگر طاغوت کے سامنے دبے نہیں، اللہ کے نبی جس علم کو بطور میراث چھوڑ گئے اسی علم کا دوسرا نام ایمان ہے، اسی علم کا دوسرا نام عشق ہے، اسی علم کا دوسرا نام فقر ہے، اسی علم کا دوسرا نام سرفروشی ہے، اسی

علم کا دوسرا نام غیرت ہے، اسی علم کا دوسرا نام زہد ہے، اسی علم کا دوسرا نام معرفت الٰہی ہے۔ اسی علم کا دوسرا نام جہاد ہے اور اسی علم کا دوسرا نام دنیا میں کافروں کی ترقی پر نظر نہ کر کے آخرت کو مقصود بنانا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ ہم نے ظاہری شکست کو دل پر لے لیا ہے۔ ورنہ اسلام میں کیا فتح کیا شکست؟ اگر مسلمان اسلام پر اور اسلامی غیرت پر قائم رہے تو وہ فاتح ہے، خواہ اس کا خون تورابورا کے کہساروں کا غازہ بن جائے۔ اور اگر خدانخواستہ اسلام چھوٹ گیا تو پھر واشنگٹن میں بنگلہ بنانے والا بھی ناکام ونامراد ہے۔ ہم بھول گئے کہ ہماری اس ظاہری شکست کے پیچھے فتوحات کا انبار مسکرا رہا ہے۔ وہ دیکھو آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ صلح حدیبیہ سے غمگین و پریشان لوٹ رہے ہیں جبکہ جبرائیل امین مسکرا کر آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا یہ پیغام سنا رہے ہیں ”انا فتحنا لک فتحا مبینا“ جی ہاں فتح۔ بالکل واضح فتح، شاندار فتح اور مستقبل گیر فتح۔ آج کے تورابورا کے پیچھے بھی صدا آ رہی ہے کہ فتح کے جلوے دیکھو! کل تک جو ظالم ملک سب سے چھین کر کھا رہا تھا آج اسے کروڑوں ڈالر خرچ کرنے پڑ رہے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ مال علم نہیں ہے کہ خرچ کرنے سے بڑھے گا۔ کل تک جو دنیا میں دندناتے پھر رہے تھے آج کل ہر پتھر اور فضا کے سینے میں گھومنے والی ہوا کا ہر جھونکا انہیں اپنا دشمن نظر آ رہا ہے۔

خود سوچیے خوف کا یہ طوفان کسی قوم کی زندگی کے کتنے سانس کم کر دیتا ہے؟ کل تک جو خود کو خدا سمجھتے تھے آج تہہ خانوں میں چھپنے پر مجبور ہیں اور فضا میں اڑنے والا جہاز تھوڑا سا رخ بدل کر ان کے خزانوں سے اربوں ڈالر چھین لیتا ہے؟ غور کیجئے دہشت کی یہ فضا زہر سے کیا کم خطرناک ہے......؟ یاد رکھئے! جو گولی کسی کے سینے کو موت کی آغوش میں سلاتی ہے وہ خود بھی تو مر کر ختم ہو جاتی ہے جبکہ سچ یہ ہے کہ سینے پیدا کرنے کا کام رب نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ وہ رب جس کے خزانوں میں کمی نہیں آتی جبکہ گولیاں بنانے والے توفانی

تاجر ہیں۔ایسے موقع پر دل سے یہی آواز آتی ہے کہ کاش! دنیا کے سارے مسلمانوں کا ایمان تورا بورا کے غازیوں جیسا ہوتا تو دشمن کے ہوش ٹھکانے آجاتے۔کاش! 10 فیصد مسلمانوں کے پاس ملا عمر جیسی غیرت ہوتی تو دشمن اپنی موت آپ مرجاتا، مگر مجاہدین تھوڑے ہیں، جہاد ابھی تک امت مسلمہ کی سمجھ میں عموی طور پر نہیں آیا۔اسی لئے نتائج کا موجودہ ہیر پھیر نظر آرہا ہے۔یہ چند مٹھی بھر دیوانے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے سچے وارث ہیں، آج بھی لڑ رہے ہیں اور قیامت تک وہ اپنے خون سے اسلام کی شمع کو روشن اور اس کی تلوار کو آبدار بناتے رہیں گے۔اے پیوندزدہ لنگی باندھ کر خودی کی سلطانی پانے والے مولوی صاحب......! خدا کے لئے اپنے پرانے اور کچے مدرسے کا دروازہ دنیا پرستی کے لئے نہ کھولنا، تیرے مدرسے نے اسلام کو اس دور میں ملا عمر، ملا فضل، ملا جلال الدین اور ملا سیف الرحمٰن منصور دیئے ہیں۔آج بھی اسلام کی گود کو ایسے ہی بہادر، جفاکش، سیدھے سادے، پاکدامن اور غیور عشاق رسول کی ضرورت ہے، حامد کرزئی کی نہیں۔وہ دیکھو......! انار کے درخت کے نیچے ملا محمود اپنے شاگرد محمود کو پڑھا رہے ہیں؟ خدارا......آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان زدہ اس مرکز وماحول کو تبدیل نہ کرنا، ورنہ اپنے اکابر کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ ہاں دنیا کے فنون بھی ضروری ہیں مگر خالص مسلمان وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔رب نے قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بار بار ”لاتمدن عینیک“ فرمایا کہ دنیا کی ظاہری ترقی پر نظر نہ گاڑنا ورنہ دل کا نور بجھ جائے گا۔ہاں اگر دنیاوی فنون کو مسلمان کر سکتے ہو تو کرلو اور اسکولوں کو مدرسے کے رنگ میں رنگ لو، مگر اللہ کے لئے، اللہ کے لئے میرے قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے کو اسکول نہ بنا دینا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزرگوں کا اخبار

آخر ہم کب تک اپنی قوم کے بزرگوں اور بوڑھوں کو نظر انداز کرتے رہیں گے؟ آج جس اخبار کو اٹھا کر دیکھیں اس میں آپ کو بچوں، عورتوں، طالب علموں اور نوجوانوں کے خصوصی صفحات ضرور نظر آئیں گے مگر بوڑھوں کا صفحہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔یہی حال کتابوں اور تصنیفوں کا بھی ہے کہ ہر مصنف اس کا انتساب قوم کے مست جوانوں کے نام تو کر دیتا ہے مگر سنجیدہ، باوقار اور تجربہ کار بزرگ اسے اس اعزاز کے قابل نظر نہیں آتے، رہ سہ کر شیخ مصلح الدین شیرازی ایک ایسے مصنف گزرے ہیں جنہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”گلستان“ کا چھٹا باب بوڑھوں کے نام وقف کیا ہے مگر وہ چونکہ خود بھی بڑھاپے تک پہنچ چکے تھے اس لئے چٹکیاں لینے سے باز نہ آئے اور ان بزرگوں کے قصے چھیڑ بیٹھے جنہیں بڑھاپے میں نئی شادی کی سوجھتی ہے، تب وہ اپنی جوان بیگم کو اپنی زبان، فصاحت، تجربہ کاری اور مال سے لبھانے کی از حد کوشش کرتے ہیں، مگر بیگم خوش ہوتی ہے نہ راضی بالآخر بابا جی کو پھر سے تنہائی کی تکلیف اور کھردری چادر اوڑھنی پڑتی ہے۔ویسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بڑے کمال کے آدمی ہیں۔بزرگوں کو چاہئے کہ ان کی کتاب گلستان کا یہ چھٹا باب ضرور پڑھیں۔بزرگوں کو نظر انداز کرنے کی وبا انسانی حقوق کی تنظیموں پر بھی بری طرح مسلط ہے بچوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، جانوروں کے حقوق، ہیجڑوں کے

حقوق اور ماحولیات کے حقوق کی تنظیمیں آج ہر طرف خودرو گھاس کی طرح پھیلی ہوئی ہیں مگر بوڑھوں اور بزرگوں کے حقوق کسی کو یاد نہیں آتے بلکہ ان کے لئے تو اب بابے خانے (اولڈ ہاؤس) بنائے جا رہے ہیں یقیناً انسان کی اس زیادتی اور طوطا چشمی سے جانور بھی تگمن کھاتے ہوں گے۔ عمومی فضا کا یہ زہریلا اثر آج ہر گھر میں انفرادی طور پر بھی داخل ہو چکا ہے، جہاں بزرگوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے جسے بیان کرنے سے قلم شرماتا ہے۔ ہم نے ایسے بے شمار لوگ دیکھے ہیں جو ملاقات کا قیمتی وقت اپنے بچوں کے ملفوظات اور اقوال زریں سنانے میں برباد کر دیتے ہیں مگر مجال ہے کہ گھر کے بزرگوں کا ادنیٰ سا تذکرہ بھی ان کی زبانوں پر آ جائے، بچوں کی شرارتیں، بچوں کے خواب اور بچوں کے اقوال زریں اس طرح سے بڑھا چڑھا کر سنائے جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جبکہ بوڑھوں کا بولنا بھی آج کے نوجوانوں کو ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ایک بار نفس کے دھوکے اور شیطانی غلبے کے تحت میں نے اپنی بوڑھی والدہ سے سخت کلامی کر لی“ اس پر انہوں نے فرمایا ”بیٹا تم اپنا بچپن بھول گئے“ بس اس ایک جملے نے شیخ سعدی کو ندامت اور شرم سے ڈبو کر رکھ دیا۔ انہیں یاد آ گیا کہ میں بچپن میں کس طرح سے ایک بے بس لوتھڑا تھا مگر ماں نے راتوں کو جاگ جاگ کر مجھے پالا اور پوسا اور معلوم نہیں کتنی بار میری غلاظت کو محبت اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ کیا کوئی بچہ ماں کے ان احسانات کا بدلہ چکا سکتا ہے؟ مگر جب یہی ماں بوڑھی ہو جاتی ہے تو ہزاروں بار اپنی غلاظت اس سے دھلوانے والا بچہ کالے سر والی بیگم کے اشارے پر ماں کو بے عزت کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اعلان فرمایا کہ ”غزوہ بدر میں شریک ہونے والے بزرگوں کو جمع کیا جائے“ پھر آپ نے ان کے لئے طرح طرح کے اعزازات و انعامات کا اعلان فرمایا۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ ان میں سے ایک ایک کو

بطور برکت و سرپرستی اسلامی لشکروں کے ساتھ روانہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا؟ صدیاں گزر گئیں مگر ان کا نام اور مقام بھلائے نہیں بھولتا، ان کی فضیلت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی علامات بتائیں اور فرمایا کہ ان سے اپنے لئے اور میری امت کے لئے دعا کروانا۔ حضرت اویس قرنی کا یہ مقام عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے بلند درجے کی وجہ سے تھا مگر اس قدر عشق کے باوجود وہ اپنی بوڑھی اور معذور والدہ کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و صحبت حاصل نہ کر سکے۔ اس واقعے میں کوئی شخص اگر تھوڑا سا بھی غور کر لے تو اسے اپنے بوڑھے ماں باپ کے قدموں میں جنت کا حسین عکس خود بخود نظر آنے لگتا ہے۔ تب وہ انہیں جھاڑنا اور پھٹکارنا تو در کنار ان کے سامنے اونچا بولنے کی ہمت بھی نہیں پاتا۔ کیا ہم قرآن مجید کو بھول چکے ہیں جس میں بوڑھے ماں باپ کے لئے جوان اولاد کو پانچ حکم دیئے گئے۔

(۱) انہیں اُف تک نہ کہو (۲) انہیں جھڑکی نہ دو (۳) ان کے ساتھ ادب اور ہمدردی سے گفتگو کرو (۴) ان کے آگے تواضع اور جذبہ خدمت کے ساتھ جھکے رہو (۵) اور ان کے لئے دعا کو اپنا معمول بناؤ، پھر دعا کے لئے الفاظ بھی سکھا دیئے۔ ”رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا“ سبحان اللہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کا طریقہ سکھاتا ہے اسی طرح بوڑھے ماں باپ کے لئے دعا کا طریقہ بھی خود سکھاتا ہے اور قرآن مجید میں اپنا حق بتانے کے فوراً بعد کئی مقامات پر ”وبالوالدین احسانا“ (ماں باپ کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو) کا حکم صادر فرماتا ہے۔ ان تمام قرآنی آیات کو دیکھ کر یہ بات دوٹوک الفاظ میں کہی جا سکتی ہے کہ جس نے بوڑھے والدین کے حق کو نہیں پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ

کے دین کو ہی نہیں سمجھا۔ اب ذرا ہر شخص اپنے گھر کے آنگن میں حسرت اور بے چینی سے تڑپتے بڑھاپوں کو دیکھے اور پھر قرآن مجید کی آیات کو پڑھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہم پستی کے کس ظالم ترین دور میں داخل ہو چکے ہیں۔

کاش! وہ مسلمان اپنے طرز عمل پر غور فرمائیں جو اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے بوڑھے والدین کو ستاتے ہیں، جو اپنے ڈیڑھ فٹ کے بچوں کی خاطر ماں باپ کا استحصال کرتے ہیں، جو خود کو عقل مند سمجھ کر ماں باپ کو طعنے دیتے ہیں، جو خود کو ماڈرن سمجھ کر ماں باپ کو بوجھ سمجھتے ہیں، جو خود کو زیادہ دین دار اور نیک سمجھ کر بوڑھے ماں باپ کی بے عزتی کرتے ہیں، ایک زمانہ تھا جب دادا، دادی اور نانا، نانی گھر کی رونق اور اس کا وقار سمجھے جاتے تھے مگر آج نعوذباللہ ان مبارک اور پرنور ہستیوں کو ناقابل برداشت بوجھ سمجھا جا رہا ہے اور ان کی بزرگانہ باتیں سن کر جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے چہرے شکن آلود ہو جاتے ہیں، کچھ عرصہ پہلے تک مدینہ منورہ میں ایک بزرگ رہتے تھے، انکا تیس چالیس سال سے معمول تھا کہ وہ روزانہ کھانے کا کچھ حصہ بچا کر اسے اگلے دن کے کھانے میں ملا لیا کرتے تھے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا پرانا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لئے اسے نئے کھانے میں بطور برکت شامل کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آج کے کھانے میں چالیس سال پرانے کھانے کا کچھ حصہ بھی شامل ہو گا۔ کیا ہم صرف اسی نکتے کو سوچ کر اپنے بوڑھوں اور بزرگوں کو ان کا جائز حق اور احترام نہیں دے سکتے کہ وہ ہماری نسبت خیر القرون کے زیادہ قریب ہیں، سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں جتنا ایمان ہو گا اسی قدر وہ بوڑھوں اور بزرگوں کا احترام کرے گا۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بچوں، عورتوں اور نوجوانوں کی تربیت بے شک اہم ہے اور ان کے لئے اسلامی اخبارات میں الگ اشاعت کا اہتمام وقت کی

ضرورت ہے مگر بوڑھوں اور بزرگوں کو سہارا دینا، ان کی ہمت بندھانا، ان میں فکر آخرت پیدا کرنا، انہیں اپنے بڑھاپے کو پرسکون بنانے کے نسخے سکھانا، ان کو امت کے اجتماعی مسائل میں اپنے تجربات بروئے کار لانے پر آمادہ کرنا، انہیں قوم کی اصلاح کے لئے کھڑا کرنا اور انہیں کارآمد بنانا بھی تو بے حد ضروری ہے بلکہ سہارے اور لاٹھی کی ضرورت بوڑھوں کو جوانوں کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے مگر ہر کوئی قوم کے مست جوانوں کو ستاروں پر کمندڈالنے کی ترغیب دے رہا ہے حالانکہ بوڑھے اگر ہمت کر لیں تو اپنی عقل اور تجربے کی بدولت بغیر کمند کے ستاروں کو اتار سکتے ہیں۔

بزرگوں اور بوڑھوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے یہ طبقہ اب امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے بزرگوں کا بڑھاپا جائیدادوں کے کاغذات بنانے کے لئے کچہریوں کے چکر لگانے میں برباد ہو جاتا ہے۔ اس طرح لایعنی گپ شپ، ہر وقت بیماریوں کے شکوے اور تذکرے، زیادہ زندہ رہنے کی ہوس اور اولاد کی خاطر اپنی آخرت برباد کرنے کا جنون بھی ان کے پرنور بڑھاپے کو بے رونق کر رہا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر کی زندگیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوں جوں بوڑھے ہوتے جاتے تھے۔ ان میں جرأت، شجاعت، سخاوت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق بڑھتا جاتا تھا، تاریخ کا طالب علم غزوہ احد میں شریک ہونے والے ان بزرگوں کا واقعہ کبھی نہیں بھول سکتا جو اسلامی لشکر روانہ ہونے کے بعد ایک دوسرے کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے مردانہ وار میدان جہاد میں کود پڑے اور جوانوں کی طرح لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جہاد میں روانگی سے قبل ان میں سے ایک نے فرمایا ''ہماری زندگی ویسے ہی کتنی باقی ہو گی؟ کیوں نہ ہم اپنی جان قربان کرنے کا اعزاز حاصل کریں'' اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھئے آپ کو مسلمان بوڑھوں کا بڑھاپا میدان جہاد کو رونق

بخشا اور مساجد کو آباد کرتا نظر آئے گا مگر آج جوں جوں بڑھاپا آتا جاتا ہے، زندہ رہنے کا شوق کالے سانپ کی طرح پھن اٹھا کر پھنکارنے لگتا ہے ابھی چند دن پہلے سعودی عرب کے ایک بوڑھے سفیر نے کہا کہ کاش میں جوان ہوتا تو میں بھی فلسطینی نوجوانوں کی طرح فدائی حملہ کر دیتا۔ سنا آپ نے؟ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جوان آدمی موت سے ڈرتا کہ ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے؟ خواہشات، امگیں، جذبے اور رنگینیاں جوانوں کو زیبا دیتی ہیں مگر وہ جوان تو سب کچھ قربان کرنے جا رہے ہیں جبکہ وہ بابا جی جنہوں نے دنیا کی ہر نعمت کو استعمال کر کے اس کا ستیا ناس کر دیا، اب بھی دنیا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اس بزرگ کا بڑھاپا اسے کامیابی کی طرف نہیں بلکہ حرص وہوس کے تاریک گڑھوں کی طرف لے جا رہا ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے فلسطین کے عمر خوردہ بزرگ لیڈر یاسر عرفات نے صرف اپنی رہائی کیلئے چھ بہادر اور کڑیل جوانوں کو کافروں کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ اپنی عمر کے ستر سے زائد برس گزار چکے ہیں مگر اب بھی ان کا دل شہادت کیلئے نہیں مچلتا۔ اگر دین اور عقل سلامت ہو تو تریسٹھ سال کی مسنون عمر گزارنے والا ہر شخص دیوانہ وار فدائی حملوں کے لئے خود کو پیش کرے کہ میں نے الحمدللہ زندگی کے مزے بھی لوٹ لئے اور اب شہادت کی صورت میں حیات جاودانی بھی پالوں، مگر آج نہ تو بزرگوں اور بوڑھوں کو کوئی یہ بات سمجھاتا ہے اور نہ وہ خود اس کے لئے تیار ہوتے ہیں، بہو بیٹیوں کی جھڑکیوں، گھر والوں کی بے پروائیوں، بیماری کے حملوں، کھانسی کے دوروں اور نفرت کی نگاہوں تلے زندہ رہنا بہتر ہے یا آگے بڑھ کر شہادت کو گلے لگا کر ایک تازہ اور جوان زندگی پا لینا؟ اب تو نعوذ باللہ حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ جہاد اور قربانی کے مشوروں تک میں کسی بزرگ کو نہیں بٹھایا جاتا کہ وہ ضرور کوئی مایوسی اور بزدلی کی بات پھیلا دیں گے۔ اور تو اور اب تو یہ لطیفہ بھی ہر

کوئی سناتا پھر رہا ہے کہ ”جنگل میں ایک شیر کا سامنا ایک بابا جی سے ہو گیا، شیر نے انہیں کھانے کا ارادہ کیا تو بابا جی نے فرمایا میں بوڑھا آدمی ہوں، مجھے کھا کر تمہیں کیا ملے گا، تم کسی جوان کو تلاش کرو تا کہ خوب سیر ہو سکو، شیر یہ بات سن کر مسکرایا اور کہنے لگا آج ہمارا موڈ کولڈ ڈرنک پینے کا ہے۔ جس کے لئے آپ ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں“۔

یہ لطیفہ اس لئے سنایا جاتا ہے تا کہ یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ بوڑھوں کا خون غیرت وشجاعت کی گرمی سے محروم ہو کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ غلط ہے کیونکہ الحمدللہ مسلمانوں کے بوڑھے آج بھی غیرت ایمانی سے سرشار ہیں، میں نے خود اسّی سالہ بزرگوں کو جہاد کیلئے کمربستہ دیکھا ہے، میں نے بستر پر دراز معذوری کی حالت میں بزرگوں کو شوق شہادت سے مچلتے دیکھا ہے، آج بھی مسلمانوں کے بزرگ اپنا وہ کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہیں جس کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔ بزرگوں کی طرف توجہ کیجئے۔ حالات اور ظلم کے تھپیڑوں کی لو میں جلتے اور جھلستے بڑھاپے آپ کو ڈھیروں دعائیں دیں گے۔ بڑھاپے کا درد کوئی اس پرندے سے پوچھے جس کا آشیانہ گم ہو چکا ہو اور شام کے مہیب سائے خوف اور بلاؤں کو اپنے دامن میں لئے لمبے ہو رہے ہوں۔

ے خدایا پیری و آوارگی درد دگر دارد
چوں مرغ آشیاں گم کردہ وقت شام می لرزد

کمزوری، حسرت، قبر کا کنارہ، اپنوں کی تند زبانیں اور نہ معلوم منزل......کوئی ایک دکھ ہو تو اس کا تذکرہ کیا جائے۔ مگر اسلام میں ان تمام دکھوں کا مداوا موجود ہے۔ ہمارے حضرت مجدد العصر مولانا مفتی رشید احمد نور اللہ مرقدہ نے جس شان اور ٹھاٹھ کا بڑھاپا گزارا ہے اس پر کڑیل جوانوں کی جوانیاں رشک کرتی تھیں۔ قرآن مجید پر عمل کا جو کشتہ ہمارے حضرت نے کھایا اس نے ان کی جوانی کو سدا بہار بنا دیا اور حالات یہاں

تک جا پہنچے کہ اس اسّی سالہ بزرگ کے رعب سے دنیا کے طاغوت تھرتھر کانپتے تھے جبکہ اپنوں کو ان کے ہاں وہ حلاوت و سرمستی ملتی تھی کہ کیا ساقی و کیا مے خانہ، پھر کیوں نہ اسلام و قرآن کے یہ سدا بہار نسخے اور کشتے اپنی قوم کے بزرگوں کی خدمت میں پیش کئے جائیں تا کہ وہ خوشی، آزادی، سرمستی اور روحانی سکون کے ساتھ اپنا بڑھاپا گزار سکیں اور اپنی نوجوان نسل کی تربیت کرسکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشمیر کشمیر

کشمیر کا لفظ پانچ حروف سے مل کر بنا ہے کاف، شین، میم، یا اور را۔

یہ لفظ اپنے حروف کی مدد سے اپنا تعارف بھی کراتا ہے اور اپنی آپ بیتی بھی سناتا ہے۔ یہ کبھی دشمنوں کے عزائم بتاتا ہے تو کبھی دوستوں کی بے رخی کا شکوہ سناتا ہے۔ ان پانچ حروف کی گود میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔ آیئے اس خزانے کے چند موتیوں کی دردمند آواز سننے کی کوشش کرتے ہیں۔

<u>(ا) کشمیر کیا ہے؟</u>

''کاف'' سے کہسار، جی ہاں وہ خوبصورت اور دلفریب پہاڑ جن کو پھولوں اور پھلوں کی چادر نے زمین کی دلہن بنا دیا ہے یہاں تک کہ دیکھنے والے اسے فردوس زمیں کہہ بیٹھے۔ ''ش'' سے شیرینی جو کشمیر کے چشموں، پھلوں اور یہاں کے باسیوں کے مزاج میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ ''م'' سے محبت اور مروّت جو اہل کشمیر کا اثاثہ ہے۔ ''یا'' سے یادِ الٰہی جو کشمیر کے ہر گل و غنچے کو دیکھ کر ساون کی برسات کی طرح دل و دماغ پر برسنے لگتی ہے چنانچہ ہر زمانے میں وقت کے اولیاء نے اس وادی گل رنگ کے کہساروں پر معرفت کے خزانے پائے۔ آپ ان اولیاء کرام کو شمار کرنا چاہیں جنہوں نے معرفت کی مے پینے کے لئے کشمیر کا سفر کیا تو کشمیر کے حسین مناظر کی طرح ان کا شمار بھی مشکل ہو جائے گا۔

’’را‘‘ سے رعنائی جو یہاں کے ہر گل بوٹے اور پیرو جواں میں نظر آتی ہے۔

(۲) کشمیر پر کیا بیتی ؟

’’کاف‘‘ سے کرب و بلا! جی ہاں جس نے کشمیر کو صحرائے کربلا بنا رکھا ہے انگریز ہوں یا ڈوگرے، پنڈت ہوں یا سکھ کسی نے بھی اس حسن کے پیکر کو نوچنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اگر اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو تاریخ فرشتہ اور شباب نامہ کے چند صفحات پڑھ لیجئے۔ ’’ش‘‘ سے شکوہ جو اہل کشمیر کو بجا طور پر امت مسلمہ سے رہا ہے کہ سب نے یہاں سے پانے کی کوشش کی مگر اسے کچھ دینے پر تیار نہ ہوئے۔ ’’میم‘‘ سے مظالم جو کشمیر کے ہر کوہ ودمن اور رہر درودیوار پر منقش نظر آتے ہیں آج بھی یہ وادی مزار ہائے شہداء سے پر ہے جب کہ اس کے عقوبت خانوں کی داستان چنگیز وہلاکو کے مقتل کدوں سے کم دردناک نہیں ہے۔ ’’یا‘‘ سے یورش جو مختلف اوقات میں ظلم کے پجاریوں کی طرف سے اہل کشمیر پر ہوئی۔ ’’را‘‘ سے رونا جو کشمیری ماؤں کا مقدر بن چکا ہے اپنے شیر خوار بچوں کے بے جان لاشے اور اپنے جوان بیٹوں کے مذبوح جسم اپنی گود میں لیکر ہر دن بیسیوں ماؤں کے نالے آسمان کو ہلاتے ہیں۔ کاش انہیں سن کر ضمیر مسلم بھی بیدار ہو جاتا۔

(۳) کشمیر کے بارے میں بھارتی عزائم

’’کاف‘‘ سے کمینگی جسے یہاں پھیلانے کے لئے ناپاک برہمن نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور سیاہ باطن گورے بھی اس مشن میں اس کے شریک کار رہے۔ ’’ش‘‘ سے شراب جو یہاں پھیلا کر اس غیرت مند مسلمان قوم کو بے ضمیر و بے غیرت بنانے کی کوشش کی گئی۔ ’’میم‘‘ سے موسیقی جس کی دھنوں کی مستی سے قوم کی رگ آزادی کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی، لوگ کہتے ہیں، موسیقی روح کی غذا ہے یقیناً وہ سچ کہتے ہیں بے شک جو روح ’’بد‘‘ ہو چکی ہو اس بد روح کی غذا موسیقی ہے جس طرح بد انسانوں کی غذا سور،

سانپ، مینڈک اور شراب ہے۔ ’’یا‘‘ سے یہودیت جسے یہاں پھیلانے کے لئے انڈیا نے اسرائیل سے مدد لی ہے کیونکہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا کارگر نسخہ یہ ہے کہ ان میں یہودیوں کے امراض پھیلا دیئے جائیں۔ ’’را‘‘ سے روباہی (بزدلی) اور رنگین مزاجی بے شک بزدل ہمیشہ جہاد کا منکر اور رنگین مزاج ہوتا ہے جب کہ رنگین مزاجی انسان کو بزدل اور غلام بنا دیتی ہے۔

(۴) کشمیر کے غیور مسلمانوں نے گزشتہ تیرہ سال سے بھارت کو کیا جواب دیا؟

’’کاف‘‘ سے کر وفر، جی ہاں جھپٹ کر پلٹنا اور پلٹ کر جھپٹنا کشمیری مجاہدین پر بس ہے اس لئے انڈین آرمی ان کے سامنے بے بس ہے ’’ش‘‘ سے شمشیر جو کشمیر کے ہزاروں نوجوانوں نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لہرائی تو کشمیر کے حسین مناظر بھی جھوم اٹھے اور برہمنی سامراج کو اپنی چوٹی اور دھوتی سنبھالنا مشکل ہو گئی۔ ’’میم‘‘ سے مردانگی جس کا مظاہرہ یہاں کے نوجوانوں، بوڑھوں، بچوں یہاں تک کہ عورتوں نے بھی کیا۔ چنانچہ اب کشمیریوں کا شمار دنیا کی بہادر ترین قوموں میں ہوتا ہے۔ ’’یا‘‘ سے یلغار بے شک طوفانی یلغار جس نے سری نگر کو ہی نہیں دہلی کے تخت کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے اور انڈیا کی لاکھوں فوج غصے اور بے بسی سے انگلیاں کاٹ رہی ہے۔ ’’را‘‘ سے رزم گاہ حق و باطل جی ہاں کشمیر کا چپہ چپہ انڈین فوجوں سے جہاد کا میدان بن چکا ہے۔ یقیناً اس طرح کی منظم، مضبوط اور مربوط گوریلا جنگ کی مثال تاریخ میں خال خال ملتی ہے۔

کشمیریوں کے اس جواب سے انڈیا کا وجود خطرے میں تھا مگر اب اپنوں پہ رعشہ پڑ گیا ہے تعجب ہے کہ سات لاکھ آرمی میں گھرے ہوئے مجاہدین مطمئن اور مضبوط ہیں جبکہ اپنے محفوظ امن کدوں میں بیٹھے ان کے دوست گھبرا رہے ہیں اس موقع پر کشمیر کا لفظ کیا تصور پیش کرتا ہے دیکھئے کشمیر کے بارے میں پاکستان کی موجودہ پالیسی۔

(۵) کشمیر کے بارے میں پاکستان کی موجودہ پالیسی۔

''کاف'' سے کم ہمتی جی ہاں جس نے ہم سے اپنے دینی اور قومی وقار کے تاج کو کھینچ لیا ہے بقول حضرت مجذوب رحمتہ اللہ علیہ۔

؎ اگر ہمت کرے پھر کیا نہیں انسان کے بس میں
یہ ہے کم ہمتی جو بے بسی معلوم ہوتی ہے

افسوس کہ ہم میدان میں بازو آزمانے کی بجائے کافروں کے اعداد وشمار پر اپنی ہمت تج دیتے ہیں۔ ''ش'' سے شرمندگی جس نے سقوط ڈھاکہ کے بعد اب دوبارہ ہمیں چلو بھر پانی میں ڈوبنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ''میم'' سے موت جو کشمیر سے پسپائی کے بعد منہ پھاڑ کر پاکستان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ''یا'' سے یاس ''مایوسی اور ناامیدی'' جس نے ہمیں شیطانی رسوں کی طرح جکڑ لیا ہے۔ ''را'' سے رسوائی جو ہر قدم پر کالک اٹھائے ہمارا استقبال کر رہی ہے۔

کیا ہم اب بھی اسی ہزار شہداء کے مقدس خون کو فراموش کر دیں گے؟ کیا ہم دنیا سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کشمیر ہمارا ہے۔ جی ہاں بالکل ہمارا۔ کراچی، لاہور اور پشاور کی طرح؟؟؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قید کے مزے

مغل بادشاہ شاہجہان کو اس کے شاندار اور پرتعیش محل میں نظر بند کیا گیا تھا۔ غلام، خادم، باروچی، باندیاں اور عیش وعشرت کا تمام سامان موجود تھا مگر کیا اس نظر بندی میں شاہجہان نے خوشی یا سکون کا ایک سانس تک لیا؟ شہزادہ مراد کو گوالیار کے قلعہ میں اس کی بیویوں، لونڈیوں، نوکروں اور بیش بہا جاگیر پر مکمل اختیار کے ساتھ قید رکھا گیا، جہاں بیٹھ کر وہ ہر کسی کو اپنے پاس بلوا سکتا تھا اور قافلوں کی ضیافتیں کرتا تھا مگر کیا سے ایک پل بھی چین نصیب ہوا؟ انسان کے لئے ایمان کے بعد سب سے محبوب چیز آزادی اور خودمختاری ہے۔ اپنی مرضی سے چلنا، پھرنا اور گھومنا انسان کی شدید طبعی خواہش ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ ''تمہاری ماؤں نے تمہیں آزاد جنا ہے''۔

بس یہ آزادی انسان کی فطری خواہش ہے جو اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک رگوں میں خون دوڑتا رہتا ہے۔ آپ کبھی کسی چیونٹی کا راستہ روک لیں تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسے یہ پابندی کتنی ناگوار گزرتی ہے۔ چنانچہ وہ موت کی پروا کئے بغیر اس پابندی کو توڑنے کی جان توڑ کوشش کرتی ہے اور بار بار پلٹ کر اس راستے کو اختیار کرتی ہے جس سے اسے روکا جاتا ہے...... آخر کیوں؟ دراصل وہ بھی اپنی مرضی سے چلنا پھرنا چاہتی ہے اور اس بارے میں کسی مداخلت کو پسند نہیں کرتی۔ آپ کسی شخص کیلئے سنگ مرمر کا قید

خانہ بنا ڈالیں پھر اس میں سونے چاندی کے دروازے اور کھڑکیاں لگا دیں، دنیا بھر سے گل و لالہ منگا کر لان میں سجا دیں، من و سلویٰ قسم کے کھانوں کا بندوبست کر دیں، پھر اس آزاد شخص کو اس کے جھونپڑے سے اٹھا کر قید خانے کے نرم و گرم بستر پر لا ڈالیں۔ یقین کریں چوبیس گھنٹے بعد وہ رو رو کر اپنے اس جھونپڑے کی یاد میں آنسو بہائے گا جہاں وہ اپنی مرضی سے رہتا تھا اور اپنے اختیار سے آتا جاتا تھا۔ یہ ایک ناقابل تردید فطری حقیقت ہے مگر اس کے باوجود بعض کالم نویس حضرات ایسے مضامین لکھتے ہیں جن میں قیدیوں کی عیاشیوں اور سہولتوں کا تذکرہ ہوتا ہے کہ فلاں تو جیل میں مزے کر رہا ہے۔ فلاں تو نظر بندی میں ٹھاٹھ سے پڑا ہے، فلاں کو تو یہ یہ سہولت میسر ہے، فلاں کو تو حکومت نے اپنا داماد بنا کر رکھا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے خیال میں اگر ان کالم نویس حضرات کو اس طرح کا کالم لکھنے کے بعد ان کے ایئر کنڈیشنڈ دفتروں میں بند کر دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ آپ کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہے، بس آپ یہیں بیٹھ کر لکھتے رہیں، کھاتے رہیں اور خوش گپیاں اور خوش فعلیاں رچاتے رہیں تو ایک دو روز میں وہ اپنی آہوں اور آنسوؤں سے اپنے کالم دھو ڈالیں گے اور یہ بات کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ قید واقعی انسان کے لئے موت سے بدتر ہے، مگر غافل و ظالم انسان کا کیا کیا جائے کہ وہ بسا اوقات فطری حقائق کو سمجھنے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ آج ہر طرف سے جیلوں میں مزید سختیاں کرنے کے مطالبات سر اٹھا رہے ہیں حالانکہ اگر سچ کہا جائے تو ہمارے ہاں جیلوں کا نظام پہلے ہی سے بے حد ظالمانہ اور سفاکانہ ہے، درویش نے بھی کسی زمانے میں چند دن جیل کا مزہ چکھا ہے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بے چارے قیدی کن مظالم و مصائب کا شکار ہیں اور انہیں کس طرح سے ظلم و بدعنوانی کی چکی میں پیسا جا رہا ہے اسی طرح جن دینی یا سیاسی رہنماؤں کو قدرے

سہولت کے ساتھ کسی جیل، مقام یا ریسٹ ہاؤس میں قید کیا جاتا ہے تو ان کے دن اور راتیں بھی آسانی سے نہیں گزرتیں۔

یہ حضرات چونکہ باعزت، باوقار اور بااعتماد زندگی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اس لئے قید کی ہر پابندی اور پریشانی ان کے دل پر آرے چلاتی ہے۔ مثلاً شام کو گنتی اور بندش، رات بھر بوٹوں کی مکروہ آواز، ہر وقت شک سے آلودہ زہریلی نگرانی اور بے بسی کا احساس۔

کیا آپ نے مصیبت کے معنی پر کبھی غور کیا ہے؟ انسان کی طبیعت اور مزاج کے خلاف جو کچھ بھی پیش آئے وہ اس کے لئے مصیبت ہے جبکہ قید میں تو سب کچھ طبیعت اور مزاج کے خلاف ہوتا ہے اور انسان اندر ہی اندر گھل کر پگھل جاتا ہے، وہ اللہ والے جن پر دین کی نسبت سے قید آتی ہے بعض دوسرے حقائق کو سوچ کر خوشی اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی دینی خدمات سے روکنے کے لئے جب مغل بادشاہ جہانگیر نے قید میں ڈال دیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بلند تجدیدی شان کے ساتھ اس قید کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا' چنانچہ آپ کے مکتوبات میں اس قید کا تذکرہ تفصیل و حلاوت سے ملتا ہے، آپ نے اپنے اہل خانہ اور مریدین سے فرمایا کہ میں اس قید میں اس لئے خوش ہوں کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے بے اختیار کر کے میرے سارے اختیارات اپنے دست قدرت میں لے لئے ہیں، بس اس بے اختیاری اور مجبوری میں مجھے وہی مزہ نصیب ہو رہا ہے جو کسی محبوب و معشوق کو اپنے محب و عاشق کی گرفت میں محسوس ہوتا ہے، ایک اور خط میں اپنے صاحبزادے کو سمجھایا کہ میری قید بھی عجیب ہے کہ دل بے حد مطمئن ہے اور ایک کوڑی کے بدلے بھی رہائی کا متمنی نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس قید کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے محبت کا

اظہار اور اپنے مشن کے لئے مفید سمجھ کر با خوشی برداشت کیا مگر حکومتی اہل کاروں کی شک بھری نظروں نے آپ کو بھی اذیت پہنچائی اور آپ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ قید کے دوران لشکریوں اور سپاہیوں کی اصلاح کا سلسلہ خوب جاری ہے مگر اس سب کے باوجود ''اعتبار مفقود ہے'' غالباً حکومتی اہل کاروں کا یہ پرانا مرض ہے کہ وہ کسی قیدی پر اعتبار نہیں کرتے خواہ وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جیسے حضرات ہی کیوں نہ ہوں۔ بہر حال جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مقرب بندہ بلند مشن کے سلسلے میں قید ہوتا ہے تو وہ مشن کی چاشنی، اجر کی امید، محبت الٰہی کے استحضار اور منزل کے یقین کی بدولت عزم و ہمت سے کام لیتا ہے اور شکوہ کی بجائے شکر کی چادر اوڑھ لیتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں بھی آج کل کی طرح سرکاری اراضی کے صلیبی تقدس پر مساجد کو قربان کرنے کے واقعات پیش آتے تھے ''تحریک شہید گنج'' بھی ایسے ہی ظلم کا جواب تھی، اس تحریک کے دوران حضرت مولانا ظفر علی خان کو بھی مسجد کے حق میں آواز اٹھانے کی پاداش میں نظر بند کیا گیا، آپ نے اس نظر بندی پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

ے
حق کے اظہار کی پاداش میں انگریزوں نے
کرم آباد میں پھر مجھ کو نظر بند کیا
جرم یہ تھا کہ مساجد کی نگہبانی کو
میں نے کیوں تابع آئین خداوند کیا
کاش! دیتے وہ سزا مجھ کو باندازۂ جرم
جسم سے قطع نہ کیوں روح کا پیوند کیا
اب تو ملت کا ہر اک فرد یہی کہتا ہے

مرا رتبہ سرکار نے دہ چند کیا
بخش سکتی ہو اسیری مری جن کو خوشیاں
للہ الحمد میں نے انہیں خورسند کیا

دہ چند (دس گنا) خورسند (خوش) باقی الفاظ امید ہے کہ قارئین کو آسانی سے سمجھ آجائیں گے۔

مولانا ظفر علی خان کا جیل میں خوشی سے جھوم جھوم کر یہ اشعار پڑھنا اس لئے نہیں تھا کہ قید خانہ کوئی خوشی یا مزے کی جگہ ہے یا انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ تکلیف تو ضرور ہوگی مگر جس کی خاطر تھی اس کی محبت کے استحضار نے انہیں خوش کر رکھا تھا۔ مسجد کا تذکرہ کہیں درویش کے کالم کو پشاور نہ لے جائے اس لئے بریک پر پاؤں رکھتے ہیں اور آپس میں اس بات کا ایک بار پھر مذاکرہ کر لیتے ہیں کہ قید بہر حال ایک تکلیف دہ مصیبت ہے اس لئے آزادی کے مزے لوٹنے والے حضرات جیلوں کی سہولتوں کا تذکرہ کر کے قیدیوں پر پھبتیاں نہ کسا کریں، ہر شخص اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور آزادی کے سانسوں کو غنیمت جان کر مالک حقیقی کو راضی کرنے والے کاموں میں خود کو کھپائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چال بدلو یا کھال

شہادت کا مقام ایک ہندو کو بھی سمجھ آ گیا، آپ یقیناً حیران ہوں گے مگر حیرانی کی بات نہیں ہے۔ دراصل جس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر غور کیا اسے فلسفہ شہادت ہی نے مقام نبوت کو پہچاننے میں مدد فراہم کی۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ انسان کی ایک بڑی کمزوری ہے، جی ہاں انسان کو زندہ رہنے کا شوق ہی نہیں حرص ہے۔ مگر یہ زندگی اسے کہاں ملتی ہے؟ اس زندگی کا سراغ جس نے بتایا یقیناً وہ سچا نبی ہوگا، کیونکہ یہ بات سمجھانا اور دل میں اتارنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ شعر وادب سے مناسبت رکھنے والے حضرات نے پنڈت "ہری چند اختر ایم اے" کا نام سنا ہوگا، اس شاعر کے نام کو ایک نعت نے مسلمانوں کے لئے بھی مانوس بنا دیا ہے، اس نے کس نیت سے نعت کہی ہم نہیں جانتے مگر ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ جس نے بھی آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کی طرف نظر اٹھائی وہ اپنے دل کو عقیدت سے اور زبان کو تعریف سے نہ روک سکا، مثلاً جگن ناتھ آزاد کہتا ہے۔

ؔ سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں

پنڈت ہر بھجو بن کیفی کہتا ہے۔

ؔ پہنچایا کس اوج سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غار حرا کا

یہ موضوع تفصیل طلب ہے، بات پنڈت ہری چند اختر کی چل رہی تھی جس نے شہادت کے سمجھنے سے شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، چنانچہ وہ کہتا ہے

ؔ کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں مرتے ہیں جو حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصر کسریٰ کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اشعار کی ترتیب دیکھئے دل عش عش کر اٹھتا ہے، پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال "جماعت سازی" بیان کیا گیا ہے۔ عرب کے باہم دست وگریباں، غیر مہذب اور بکھرے ہوئے قبائل کو ایک اٹوٹ لڑی میں پرونا یقیناً ایک بظاہر ناممکن نظر آنے والا کارنامہ ہے۔ دوسرے شعر میں فلسفہ شہادت کا بیان ہے کہ انسان ہزارہا سال سے آب حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے، مگر اس آب حیات کا اصل پتہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور

پھر جس نے اسے چکھا وہ "احیاء عند ربھم یرزقون" کا مزہ پا گیا۔ شہادت کے اس جذبے نے "اسلامی جماعت" کو اتنا طاقتور اور مضبوط کر دیا کہ انہوں نے بے سروسامانی کے باوجود اس زمانے کی سپر پاور کے غرور کو خاک میں ملا دیا چنانچہ اگلے شعر میں اسی کا بیان ہے، اسی طرح بعد کے اشعار کا ربط بھی بالکل واضح ہے۔

موت میں زندگی اور موت کا مسیح ہونا، اس فلسفے کو علامہ اقبال نے بھی اپنی معروف نظم "امامت" میں بیان کیا ہے

؎ تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

مولانا مہر اس نظم کے تیسرے شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس شعر کے پہلے مصرع میں جس میں موت کا ذکر ہے بظاہر وہ شہادت کی موت ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ جو امام مسلمان کے دل میں محبوب حقیقی کے دیدار کا یقین پیدا کر کے اسے شہادت کی موت کا طلب گار بنا دے وہی سچا امام ہے۔

دیکھا آپ نے اقبال کی شاعری کا کمال کہ شہادت میں پوشیدہ زندگی کی اصل حقیقت بھی سمجھا دی کہ یہ عام زندگی نہیں بلکہ محبوب سے وصال والی زندگی ہے۔ فرصت ملے تو کسی عاشق مجازی سے پوچھ لیں، محبوب سے ملاقات میں کیا لذت ہے؟ پھر شہادت کے مزے کا اندازہ لگائیں، ممکن ہے بات سمجھ آ جائے، آج لوگ شہداء کے جسموں سے آنے والی خوشبو سے حیران ہیں؟ ارے سوچو تو سہی کہ تھکا ہارا زخمی عاشق کس محبوب سے ملا ہے؟ پھر کیوں نہ ایک ایک انگ معطر ہوگا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ پیچھے رہ جانیوالے جسم کا یہ حال ہے تو محبوب کا دیدار کرنے والی روح کے کیا مزے ہوں گے؟ ہے کوئی زبان جو بیان کر سکے، ہے کوئی قلم جو اس کیفیت کو احاطہ تحریر میں لا سکے۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ پھر موت کہاں چلی جاتی ہے؟ جواب بڑا مزیدار ہے، وہ موت شہید کو مارنے والے پر مسلط ہو جاتی ہے، ہاں وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ ماضی کو کھنگال لئے، آپ کو شہداء کے تذکروں کی خوشبو آج بھی محسوس ہوگی۔ مگر مارنے والے کہاں گئے......؟ نہ یہاں رہے نہ آگے کچھ پا سکے۔

؎ تذکرے رہتے ہیں دنیا میں ہمیشہ ان کے
کام کرتے ہیں دنیا میں نہ ڈرنے والے
خضر راہ آج بھی ہیں ان کے نقوش پا
اب بھی کرتے ہیں بڑا کام یہ مرنے والے

آخری مصرعہ پھر پڑھئے! دل جھوما یا نہیں؟ ماضی کے شہدا کا خون آج بھی جہاد کی دعوت دے رہا ہے، ان کی قربانی آج بھی مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہے، ان کی جرأت آج بھی بزدلی کا علاج ہے، ہاں شہید کو اپنے تذکرے سے کیا غرض، حجلۂ عروسی میں بیٹھی پہلی رات کی دلہن کو کیا چاہیے۔ لوگ ہزار اس کے گیت گائیں اسے سہرے سنائیں مگر وہ تو دولہا کے لئے سراپا انتظار ہوتی ہے اور اسے ہر آہٹ پر بس وصال کا ہی خیال آتا ہے۔

شہید کو بھی محبوب حقیقی کا وصال مطلوب ہوتا ہے مگر محبوب کی نوازش کہ وہ اس کے نام کو کام اور کام کو نام سے وابستہ کر کے کام اور نام دونوں کو زندہ رکھتا ہے۔تا کہ اسے مٹانے کی تدبیریں کرنے والے غم سے اپنی انگلیاں کاٹتے رہیں، اور حق کا راستہ ڈھونڈنے والے خون کے جگمگاتے قطروں کو دیکھ کر راہ پا سکیں۔

ے دنیا تیری نظیر شہادت لئے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمع ہدایت لئے ہوئے

ایک پنڈت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا کتابوں میں مشاہدہ کیا تو اسے موت کا مسیحا ہونا سمجھ میں آ گیا۔مگر آج کیوں مسلمان اس نکتے کو نہیں سمجھ رہا......؟ شہادت میں زندگی اور محبوب کا وصال پوشیدہ ہے پھر کیوں ہر تدبیر اسی شہادت ہی سے بچنے کے لئے اختیار کی جا رہی ہے......؟ کوئی نام بدل رہا ہے، کوئی نیت بدل رہا ہے تو کوئی کھال، کوئی انداز بدل رہا ہے، کوئی چال...... کیا یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد موت نہیں آئے گی۔کیا شہداء کو بے وقوف سمجھنے والے ''عقل مند'' اپنی ان بھونڈی تدبیروں کے ذریعے موت سے بچ جائیں گے؟ نہیں، بالکل نہیں، ہرگز نہیں۔ ہاں ممکن ہے یہ لوگ شہادت سے بچ جائیں، کیا شہادت سے بچنا سعادت ہے؟؟؟؟

چلیں چھوڑیں ان تلخ باتوں کو، آیئے! ''نئے زمانے میں'' پرانے لوگوں کی یاد میں یہ اشعار گنگناتے ہیں۔

ے ہزاروں سختیاں سنگِ مزاحم بن کے آتی ہیں
مگر مردانِ حق آگاہ کچھ پروا نہیں کرتے
مصائب جھیلتے ہیں اور طوفانوں سے لڑتے ہیں
صداقت کیش بندے حق کی خاطر کیا نہیں کرتے

لٹاتے ہیں متاعِ زندگی محبوب کی خاطر
لگا دیتے ہیں بازی سر کی خوف اصلا نہیں کرتے
وہ توپوں کے دہانے پر بھی سچی بات کہتے ہیں
کبھی بھولے سے بھی انجام کو دیکھا نہیں کرتے
عمل ہے زندگی ان کی، عمل ہے مدعا ان کا
وہ ستانے کو تھوڑی دیر بھی بیٹھا نہیں کرتے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک اور منصوبہ

مغربی میڈیا بھی بڑے کمال کی چیز ہے، کچھ لوگ خواہ مخواہ اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان دنوں ہمیں اپنے ملک کی صحیح اور درست خبریں صرف غیر ملکی اخبارات وغیرہ ہی سے دستیاب ہوتی ہیں، کیونکہ اسلام آباد کے گلیاروں پر گورے صحافیوں کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ بلا روک ٹوک ہر جگہ جا سکتے ہیں اور ہر بات معلوم کر سکتے ہیں، ان نیک طینت لوگوں سے کچھ چھپانا بہت بڑا جرم بلکہ دہشت گردی ہے اور ہم تو ویسے ہی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے پیدائشی مخالف ہیں۔ گورا رنگ، نیلی آنکھیں، لوچدار لہجہ، آدھا یا چوتھائی لباس اور غیر پاکستانی ہونا یہ وہ آلات ہیں جن کی مدد سے غیر ملکی صحافی ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں، اور تو اور اپنے ملک کے خفیہ اداروں میں ہونے والے تبادلوں اور تبدیلیوں کی خبریں بھی ہمیں جنگ، نوائے وقت، خبریں وغیرہ کی بجائے واشنگٹن پوسٹ، نیویارک ٹائم، ٹائم میگزین، بی بی سی، سی این این، گارڈین اور وال اسٹریٹ جنرل کے ذریعے آسانی سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ پاکستان کا کوئی صحافی مکمل سوٹ یا جبہ قبہ پہن کر اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے ساتھ ان ایوانوں تک رسائی نہیں پا سکتا۔ جہاں کوئی گورا حجام ادھوری نیکر پہن کر بآسانی پہنچ جاتا ہے۔ فرق ظاہر ہے کہ ہم پاکستانی اور وہ گورا انٹرنیشنل میڈیا کا نمائندہ......

خیر چھوڑیئے ان حاسدانہ باتوں کو، ہم تو مغربی میڈیا کے بے حد مداح ہیں، کیونکہ وہ روزانہ

اسلام آباد کی الٹرا ساؤنڈ رپورٹ ہمیں پڑھا دیتا ہے، ابھی دیکھئے کہ حال ہی میں اس میڈیا نے ان فائلوں کا انکشاف کیا ہے جو اسلام آباد کے بعض دفاتر سے جاری ہو کر پورے ملک کے اہم اداروں میں پھیلتی جا رہی ہیں۔ کیا آپ کو ان فائلوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ یقیناً اکثر لوگ بے خبر ہوں گے، کیونکہ ابھی تک ان فائلوں کا مواد ملکی اخبارات میں وضاحت کے ساتھ شائع نہیں ہوا، البتہ بعض اخبارات میں کچھ "دُخ دُخ" شروع ہو چکی ہے۔ دُخ دُخ کا آسان معنی ہے ادھوری بات باقی اس لفظ کی اصل تشریح عربی دان علماء کرام سے پوچھ لیجئے اور اس ضمن میں ان سے ایک یہودی ابن صیاد کا قصہ بھی سن لیجئے۔

ان فائلوں میں کیا ہے؟ دل تھام لیجئے اور سنیئے کہ وطن عزیز کو مذہبی انتہا پسندی، جہاد، غیرت اور بنیاد پرستی جیسے جرائم سے پاک کرنے کے لئے ایک نیا اور مفید منصوبہ بنایا گیا ہے۔

غیر ملکی اخبارات کے مطابق اس منصوبے میں ایف بی آئی کے اہلکار بھی ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔ اوپر کے لوگوں نے نیچے کے کارندوں کو اس منصوبے کی تکمیل کے لئے کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال کا عرصہ اور کافی سارا فنڈ مہیا کیا ہے، اور سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ وطن عزیز کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے والے اس منصوبے پر کام بھی شروع ہو چکا ہے، بس قوم اپنے منہ میں کافی ساری تھوک جمع کر کے رکھے، ہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس منصوبے میں بعض رکاوٹیں بھی درپیش ہیں جن کے ازالے کے لئے قوم سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ یہ منصوبہ آخر ہے کیا؟ دراصل یہ عظیم الشان منصوبہ تین مراحل پر مشتمل ہے۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ان مجرموں کی فہرستیں بنائی جائیں جو قوم کو جہاد پر بھڑکاتے رہے ہیں اور انہیں قرآنی آیات سنا سنا کر افغانستان اور کشمیر کا راستہ دکھاتے رہے، ان

ناعاقبت اندیش لوگوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد پر ابھارا اور انہوں نے کافروں کے خلاف نفرت پھیلانے کا ناقابل معافی جرم کیا، ان غلط لوگوں کی وجہ سے ملک کا بین الاقوامی امیج خراب ہوا اور ہم گوروں کی نظروں میں بدنام ہوئے، دوسری طرف ان لوگوں کی تحریروں نے مسلمانوں میں بنیاد پرستی کے جراثیم پیدا کئے ۔قوم کو یقیناً یہ بات سن کر خوشی ہوگی کہ ایسے فسادی عناصر کی فہرستیں بالکل تیار ہو چکی ہیں اور ابتدائی طور پر پانچ چھ تنظیموں اور دو رفاہی اداروں پر کام کیا گیا ہے اور ان کی قیادت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

دوسرا مرحلہ کیا ہے؟ ویسے ملکی مفاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو چن چن کر ختم کر دیا جائے کیونکہ صرف یہی لوگ ملکی سالمیت کے لئے خطرہ ہیں، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آج طاقت میں سوویت یونین اور ترقی میں جاپان ہمارا پانی بھر رہا ہوتا ۔مگر ان لوگوں کی وجہ سے ہم پچھڑ کر رہ گئے ہیں ورنہ ہم میں اور کون سی کمی یا کوتاہی ہے؟ دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو پولیس مقابلوں کی گولی کھلا دی جائے، آخر ہم نے اتنے سارے ہتھیار اور مسلح دستے انڈیا اور اسرائیل سے لڑنے کے لئے تو جمع نہیں کر رکھے۔ یہ سب کچھ انہی اپنے دہشت گردوں کے لئے تو ہے۔مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ یہ لوگ عوام میں کافی مقبول ہو چکے ہیں ۔ہمارا خیال تھا کہ ایک ڈیڑھ فیصد لوگ ان کے ساتھ ہوں گے مگر اب عقل سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا ان میں سے ایک ایک کے لاکھوں شیدائی اور جاں نثار ہیں ۔اگر ان کو فوراً پکڑ کا دیا تو ممکن ہے عوام ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں، اس لئے منصوبے کا دوسرا مرحلہ یہ رکھا گیا ہے کہ پانچ سات مہینے خوب محنت کر کے ان لوگوں کو عوام میں بدنام کر دیا جائے اور یہ نیک کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے کئی بہترین دماغ اس پر محنت شروع کر چکے ہیں ۔ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر بدعنوانی، بدکاری، قتل وغارت، فرقہ واریت اور ملک دشمنی جیسے الزامات لگائے جائیں تاکہ ان کی تقریروں اور تحریروں پر واہ واہ کرنے والے ان پر تھو تھو کریں، اس

لئے قوم کو منہ میں تھوک جمع کرنے کی ہدایت کی گئی تھی ۔ یہ کام تیزی سے جاری ہے، دینی اور جہادی رہنماؤں کے ناطے، جائدادیں اور تعلقات کھنگالے جا رہے ہیں اور خوردبین لگا کر ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کو ڈھونڈا جا رہا ہے، اگر کچھ مل گیا تو بہت اچھا اور اگر نہ ملا تو ہمارے پاس متبادل نظام موجود ہے، تب اخبارات کی سرخیوں میں ان رہنماؤں کے وہ گناہ شائع ہوں گے جنہیں پڑھ کر خود ان کے منہ میں بھی پانی بھر آئے گا اور انہیں اپنے گناہوں کا پہلی بار علم اخبارات کے ذریعے سے ہی ہوگا ۔اس نیک کام میں بعض رکاوٹیں بھی آ رہی ہیں، مثلاً چند دن پہلے پنجاب کے ایک شہر میں ایک شخص نے رات کے وقت اپنی گاڑی ایک ٹرک میں دے ماری، اتفاق سے ایلیٹ فورس والے گشت کر رہے تھے، انہوں نے گاڑی کے ڈرائیور کو اس وقت گرفتار کر لیا جب وہ ٹرک میں خود گاڑی مارنے کے بعد ٹرک ڈرائیور کو گالیاں بھی دے رہا تھا، گرفتاری کے بعد معلوم ہوا کہ گاڑی کا ڈرائیور شراب کے نشے میں دُھت ہے، پولیس والوں نے اسے تھانے کے لاک اپ میں ڈال دیا، صبح جب اسے مک مکا اور چھتر ول کے لئے نکالا تو معلوم ہوا کہ وہ خفیہ محکمے کا انسپکٹر ہے اور ان دنوں بعض بڑے دینی اور جہادی رہنماؤں کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہا ہے، تھانے والے اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہوئے اور معافی مانگ کر اسے واپس چھوڑ آئے۔

خود سوچیں! اگر پولیس والے اس فرض شناس اور نیک انسان کو گرفتار کر کے نہ لے جاتے تو اس افسر کی ایک رات ضائع نہ ہوتی، آخر وہ انسپکٹر رینک کا افسر تھا اور اس کی رپورٹ سے کسی کے ملک دشمن یا وفادار ہونے کا فیصلہ ہونا تھا، مگر شراب کے معمولی کیس میں اس کے ساتھ یہ ظلم کر لیا گیا ۔بس اس طرح کے چھوٹے چھوٹے واقعات کی وجہ سے منصوبے کے دوسرے مرحلے کی تکمیل میں کچھ دیر ہو رہی ہے۔

تیسرا مرحلہ وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جب یہ لوگ عوام میں اپنی

حیثیت کھودیں گے تو پھر انہیں آگے روانہ کر دیا جائے گا۔ غیر ملکی اخبارات میں اس منصوبے کا شکار ہونے والی بعض تنظیموں کے نام اور ان کے قائدین کے متعلق تفصیلات بھی چھپ چکی ہیں۔ درویش نے اپنے استاد قلندر کو منصوبہ بتا کر پوچھا یہ کیسا رہے گا؟ قلندر نے اپنی موندی ہوئی آنکھوں کو آہستہ آہستہ کھولا اور فرمانے لگے منصوبہ تو زبردست ہے، ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ امریکی ایف بی آئی ساتھ ہے۔ چنانچہ اب تو اس منصوبے کی کامیابی کے بارے میں شک کرنا بھی گناہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر کچھ حقائق خدشہ پیدا کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کون سے حقائق ہیں؟ قلندر نے اپنا انگوٹھا شہادت والی انگلی پر رکھا اور گننا شروع ہو گئے۔

(۱) عزت و دولت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے (۲) اللہ تعالیٰ موجود ہے اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ (۳) ہمیشہ زندہ رہنے اور حکومت چلانے کا جو پروانہ منصوبہ سازوں کے پاس ہے وہ کہیں گم نہ ہو جائے؟

(۴) ماضی میں کئی انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے خلاف یہ منصوبہ بنا مگر ناکام ہو گیا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ میں ایک عورت کو بھیجا گیا تاکہ (نعوذ باللہ) ان پر برائی کی تہمت لگائے وغیرہ۔ چار تک گننے کے بعد قلندر تھوڑی دیر رک کر فرمانے لگے مجھے تو ایک اور خدشہ بھی ہے۔ ''وہ کیا؟'' ہم نے بے ساختہ پوچھا۔ فرمایا خدشہ یہ ہے کہ دینی اور جہادی رہنماؤں کو بدنام کرنے کا یہ منصوبہ کہیں الٹا نہ پڑ جائے اور وہ اس طرح کہ قوم کی اکثریت خود گناہگار ہے، اسے جب بتایا جائے گا کہ یہ جہادی اور دینی رہنما بھی گناہگار ہیں تو قوم خوش ہوگی اور آگے بڑھ کر انہیں گلے لگالے گی کہ یہ بھی ہمارے بھائی بند ہیں اور یوں ان رہنماؤں کی مقبولیت میں اور اضافہ نہ ہو جائے؟؟؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ چلا گیا

وہ بھی چلا گیا، وہ بہت ساری دولت اور کئی عہدوں کا مالک تھا۔ جلال آباد، دبئی، پاکستان اور جرمنی تک اس کا کاروبار اور مکانات پھیلے ہوئے تھے، مگر خونخوار کابل اسے بھی نگل گیا، اس کے قاتل مطمئن ہیں کہ انہیں پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ خوش ہیں کہ انہیں بہت سارا انعام ملے گا۔ وہ جلال آباد کا گورنر تھا، شرقی شوریٰ کا سربراہ تھا، اس کے پاس وفاقی وزارت کا قلم دان تھا اور اب تو وہ جمہوریہ افغانستان کا ''جمہوری نائب صدر'' بھی تھا۔ اس نے زندگی کے بہت گرم و سرد دن دیکھے، مگر قسمت کی رسی اس کے معاملے میں گزشتہ دنوں تک ڈھیلی رہی۔ ہاں افسوس! کہ اس نے اس ڈھیل کا خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا، وہ جرمنی کے شہر بون بھی گیا تھا جہاں افغانیوں کی غیرت اور خون پر ''پٹھو اور بونی حکومت'' کا مزار تعمیر کیا جا رہا تھا۔ وہاں اس کی پرانی غیرت کچھ کچھ جاگ اٹھی اور وہ بہادر پختونوں کی طرح ضمیر فروشی کی مجلس سے ناراض ہو کر اٹھ آیا، مگر اسے دھونس، دھمکی اور ترغیبات کے ہتھوڑوں سے جھکا دیا گیا۔ اسے بون میں احساس ہوا کہ ہم مسلمان پختونوں نے طالبان نہیں اپنی عزت اور غیرت کو کھویا ہے لیکن اب پچھتانے کا وقت گزر چکا تھا، کسی زمانے میں وہ مجاہدین کا مقبول رہنما تھا اور اس کا پورا خاندان علماء اور غازیوں کی آنکھوں پر بیٹھتا تھا، ایک بھائی حاجی دین محمد حزب اسلامی (مولوی یونس خالص

گروپ) کا نائب امیر، دوسرا بھائی عبدالحق جلال آباد سے سروبی تک کا بے تاج مجاہد کمانڈر بلکہ بادشاہ اور خود وہ مشرقی افغانستان کے تمام کمانڈروں کا سرخیل۔ ان دنوں جلال آباد سمیت پورے ننگرہار میں جہاد کے وہ زمزمے گونجتے تھے جن کی ہوش رُبا لہریں افریقہ اور قفقاز سے ٹکراتی تھیں۔

کس کس کا نام گنواؤں میرے سامنے بہت دلکش اور دلربا مناظر اور شخصیات کا پرا بندھا ہوا ہے، عبداللہ عزام شہیدؒ کی جہادی دعوت کا غلغلہ جلال آباد کی پہاڑیوں سے ہی بلند ہوا، شیخ تمیم عدنانی کی آہ و بکا اور موثر تقریریں جلال آباد کی ہواؤں کے دوش پر یورپ اور لاطینی زمینوں تک پہنچتی رہیں، اس معرکے کو کون بھولے گا جس میں شفیق مدنی کے جسم نے ٹینک کے گولے کا بوسہ لیا اور پھر خوشبو بن کر بکھر گیا، شب بیدار اور لحن داؤدی کے وارث عاصم شہید نے اسی جلال آباد کی زمین پر حق وباطل کے معرکے لڑے اور پھر وہ شمال کی طرف ایسا گیا کہ حوروں کے استقبال نے اسے پلٹنے نہ دیا۔ مدینہ منورہ کا زبیر یہاں بیٹھ کر اپنی پرسوز آواز میں جہادی نغمے گاتا تھا، یہ نغمے عرب دنیا کی فضا میں آج تک مدنی رس گھول رہے ہیں جبکہ زبیر جلال آباد سے عزم و جہاد کا تحفہ لے کر بوسنیا کی خاک میں جا سویا، اسی جلال آباد نے ابوحفص ابوعبیدہ اور ان کے جاں نثار رفقاء کی ترکتازیوں کا مشاہدہ کیا اور اسے قرون اولیٰ کے بھٹکے ہوئے مسافروں کی سحر خیزی نے سالہا سال تک معطر رکھا۔ وہ منظر کون بھولے گا جب جلال آباد کا شیر جوان خالد مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ کفن کی چادر اوڑھ رہا تھا اور مولوی یونس خالص کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ جلال آباد کے پہاڑ ”معسکر الشہید“ سے اٹھنے والی قرآنی لہروں اور جہادی خوشبوؤں کے گواہ ہیں۔ انہیں پہاڑیوں پر ”ماسدۃ الانصار“ نے تاریخ کے اوراق کو نئی روشنی بخشی، عربی زبان میں ماسدہ شیروں کی کچھار کو کہتے ہیں، اپنی حسین بیویوں اور اونچے محلات کو

چھوڑ کر دین کی نصرت کے لئے ہجرت و جہاد کو زندہ کرنے والے شیروں نے اس کچھار کو آباد کیا، اسی لئے اس کا نام ”ماسدۃ الانصار“ پڑ گیا۔ کاش اس زمانے کے جہاد کو (نعوذ باللہ) امریکی جہاد کہنے والے تھوڑی سی فرصت نکال کر ابوظبی کے شامی نژاد صحافی ”باسل محمد“ کی کتاب ”الانصار العرب فی افغانستان“ کا مطالعہ فرمالیں۔ یہ کتاب جلال آباد میں جمع کئے گئے مسودے کا نچوڑ ہے، دو جلدوں اور ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب حق و سچ کے ان واقعات پر مشتمل ہے جو انشاء اللہ قیامت تک نہیں بھلائے جاسکیں گے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ ”ماسدۃ الانصار“ میں جہاد کی تربیت پانے والے عرب شہزادوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ تھوڑا سا اور آگے بڑھ کر عبداللہ عزام کی سچی کتاب ”عشاق الحور“ (حور کے عاشق) پڑھ لیجئے، اللہ اکبر! کیا ایمان تھا ان لوگوں کا اور وہ کتنے مخلص، سچے، بہادر اور عبادت گزار تھے۔

عبداللہ عزام ان اشک خیز واقعات کو لکھ کر افسوس کرتے ہیں کہ ان مجاہدین اور شہداء کا کیا کروں جنہوں نے اپنے وصیت ناموں میں یہاں تک لکھ چھوڑا ہے کہ جو شخص ہمارے بارے میں کچھ لکھے گا ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس پر مقدمہ دائر کریں گے، اور اس دھمکی نے عزام اور ان جیسے دوسرے مجاہد ادیبوں کے قلم روک دیئے ورنہ معلوم نہیں کیسی ایمان افروز داستانیں منظر عام پر آتیں، رات کے اکثر حصے کا قیام، دن بھر روزہ اور تلاوت، گھنٹوں شہادت کیلئے رونا، آہ وزاری کرنا اور ایک ایک سنت کا احیاء ان جانبازوں کا عام معمول تھا۔ افسوس! کہ آج کے اچھے خاصے تجزیہ نگار اس زمانے کے جہاد پر امریکی لیبل لگانے کی غلطی اور جسارت کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں یہ ان پاکباز شہداء اور ان کی ماؤں کو کیا جواب دیں گے، رب کعبہ کی قسم! سوویت یونین کوئی چھوٹی بلا نہیں تھی اور نہ محض امریکی امداد (جس کی قیمت وہ عرب ممالک سے وصول کرتا تھا) سے اس سرخ ریچھ کو

شکست دینا ممکن تھا۔

آپ کیا سوچتے ہیں کہ طالبان زمین سے اُگ آئے؟ نہیں واللہ نہیں، یہ عظیم جماعت سابقہ افغان جہاد کا عطر تھی اور ملا محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ، اُسی جہاد کی برکت سے مسلمانوں کو عطا کیے جانے والے ایمانی، روحانی اور مثالی تحفہ تھے۔ جلال آباد میں جن دنوں ان مجاہدین کی ایمان وعزم کی یہ داستانیں رقم ہو رہی تھیں، کل مرجانے والا شخص بھی ان مجاہدین کا ہمسوا تھا۔ اس کی مالداری، سرداری اور آزادخیالی اس وقت جہادی روشنی میں دبی ہوئی تھی مگر اس میں صاف نظر آتی تھی، نجیب کی کمیونسٹ حکومت کو جلال آباد کے دفاع پر ناز تھا مگر جیسے ہی خوست سے اس کے پاؤں پھسلے وہ کہیں بھی نہ سنبھل سکی۔ قریب تھا کہ افغانستان پر مجاہدین کی خالص اسلامی حکومت قائم ہو جاتی کہ اچانک دوستم کی صورت میں مغرب کو ایک ایسا خونخوار مہرہ ہاتھ آیا جو آج تک اسلام اور جہاد کے لئے ایک شیطانی مصیبت بنا ہوا ہے، دوستم نے نجیب کا تختہ الٹا اور اپنی پسند کے لوگوں کو کابل لے آیا، یہ لوگ اس زمانے میں چونکہ مجاہد کہلاتے تھے، اس لئے ان کے آنے کے بعد مجاہدین نے اپنی تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور سیاسی شطرنج کے بازیگروں کے لئے میدان کھلا چھوٹ گیا۔ پھر چند سال تک جو کچھ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ جھگڑوں کے ان دنوں نے بہت سارے کمزور ایمان لوگوں کو قتل و غارت، دنیاوی ہوس اور فسق وفجور میں مبتلا کر دیا۔ زمین ایک فساد کے بعد دوسرے فساد کی لپیٹ میں آ گئی تب افغان جہاد ایک نئی تازگی کے ساتھ طالبان کی صورت میدان میں اتر آیا۔ یہ قصہ ایک طرف، بات اس شخص کی چل رہی تھی جسے آج افغانی پرچم میں لپیٹ کر جلال آباد کی مٹی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ کابل سے نجیب حکومت کے خاتمے کے بعد جب مسلح دھڑوں نے صوبوں کی حکومتیں سنبھالیں تو جلال آباد کی گورنری اسی شخص کے حصے میں آئی۔ یہ پورا مشرقی علاقہ پرامن تھا کیونکہ یہاں اس

شخص کی سربراہی میں ایک شوریٰ قائم تھی، اس کے بھائی حاجی دین محمد کو نائب وزیراعظم کا عہدہ ملا جبکہ عبدالحق کو کابل کا پہلا پولیس چیف مقرر کیا گیا۔ میرے کان آج بھی عبدالحق کی اس آواز کو یاد رکھتے ہیں جو بی بی سی پر خوشی اور مسرت کے جذبات میں ڈوب کر بلند ہوئی تھی۔ تب میں بھی خوش ہوا تھا کیونکہ عبدالحق کو نجیب کی وہ بلٹ پروف گاڑی بطور انعام دی گئی تھی جو تادم صدارت نجیب کے استعمال میں رہی تھی۔

ان دنوں بی بی سی کی پشتو سروس نے ایک ٹانگ سے معذور کروڑپتی عبدالحق کا انٹرویو کیا تھا، چونکہ یہ سارا کھیل مغرب کو پسند آ رہا تھا اس لئے عبدالحق کو طعنہ دینے کی بجائے مبارکباد دی گئی تھی۔ انہی دنوں میں بھی جلال آباد گیا اور میری اس شخص سے اچانک ملاقات ہوگئی، یقین کیجئے وہ پختون روایت کے مطابق بہت ملنسار نکلا۔ میری پشتو اور اس کی اردو کمزور تھی مگر بات چیت اچھی رہی۔ وہ سارا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے، جلال آباد کا پرشکوہ گورنر ہاؤس، اس کے بڑے دروازے کے بائیں جانب ہلکی گھاس والا میدان، ہم چند ساتھیوں اور صحافیوں کا وہاں انتظار کے لئے بیٹھنا، مشرقی شوریٰ کے کمانڈروں کی بارعب آمدورفت، خوبصورت اور بڑی جہادی گاڑیوں کا ہجوم، کلاشنکوف اور راکٹ بردار باڈی گارڈوں کے جتھے، پگڑیوں، داڑھیوں اور اسلحے کی بہار، ہمیں بتایا گیا کہ مشرقی شوریٰ کا اہم اجلاس ہو رہا ہے اس لئے اتنی پررونق اور بارعب چہل پہل ہے۔ میں نے بڑے گیٹ کے دربان سے کہا کہ کسی ذمہ دار کو بلاؤ، اس نے کرم نوازی کی اور تھوڑی دیر میں وہ ایک سفید چہرے، کالی داڑھی اور زخمی آنکھ والے نوجوان کو لے آیا، نوجوان کے ہاتھ میں دستی وائرلیس (مخابرہ) تھا میں نے اسے بتایا کہ مجھے ''اس شخص'' سے ملنا ہے، اس نے تعارف مانگا تو میں نے کاغذ پر نام وغیرہ لکھ کر دے دیا۔ بظاہر ملاقات ناممکن تھی مگر مجھے بلا لیا گیا۔ وہ ایک بڑے ہال میں بیس سے زائد کمانڈروں کی صدارت کر

رہا تھا۔ مجھے تب حیرت ہوئی جب میں نے ان سب کو استقبال کے لئے کھڑے ہوتے دیکھا۔ دائیں سے طرف سے مصافحے اور معانقے کے آغاز کی وجہ سے مجھے اس تک پہنچنے سے پہلے دس افراد سے ملنے کا موقع ملا جبکہ باقی افراد سے یہ معانقہ اس کے بعد ہوا، اس نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ سلام ودعا کے بعد میں نے اپنا مدعا رکھا اس نے فوراً قریب بیٹھے ہوئے کمانڈر کو خط لکھنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے خط پر اپنے پیچیدہ دستخط کئے اور مجھے تھما دیا۔ جب افغانستان میں طالبان ایک آسمانی نعمت بن کر نمودار ہوئے تو میرا خیال تھا کہ اسامہ بن لادن کی میزبانی کرنے والا یہ شخص ضرور طالبان کا ساتھ دے گا۔ اسامہ پہلے جلال آباد میں رہے۔ پھر پشاور آ بیٹھے۔ وہاں سے انہوں نے جدہ واپسی کے لئے کمر باندھی، کچھ عرصہ بعد حجاز کی سرزمین ان پر تنگ ہوئی تو گھومتے گھماتے سوڈان جا اترے، وہاں کی حکومت نے کچھ عرصہ سرآنکھوں پر بٹھایا مگر جب ان غریبوں کو سرخ آنکھیں دکھائی گئیں تو انہوں نے بھی واپسی کے راستوں کی طرف اشارہ کر دیا، تب یہ مسافر الجزائر میں جا بسا، وہاں کے حالات نے گھیرا تنگ کر دیا تو پھر جلال آباد آ بیٹھا، جہاں یہ شخص گورنر تھا اور اس نے اس مسافر کو خوش آمدید کہا۔ اس شخص کا یہ جرم نیلی آنکھوں کو کل اس کے جسم کے بے جان ہونے تک یاد تھا، حالانکہ اس نے اس جرم کو دھونے کے لئے وہ سب کچھ کیا جس کی اس وضعدار پختون سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

طالبان کا خالص اسلامی فقیرانہ انقلاب اس مالدار سردار کو پسند نہ آیا، حالانکہ وہ حاجی تھا اور علماء نے ہی اسے اس منصب تک پہنچایا تھا۔ اگر وہ طالبان کا ساتھ دیتا تو یقیناً اس کی قدر کی جاتی۔ مگر اس کی کاروباری مجبوریاں اور سرداری کا نشہ اس کے لئے وہ لمحۂ قاتل بن گیا جس کے بارے میں زبان زدعام وخاص ہے کہ ”لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی“ اس ایک غلط فیصلے نے اس معزز خاندان کو کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہ شخص

طالبان کے زمانے میں پشاور، دبئی اور جرمنی کے علاوہ شمالی افغانستان میں گل بہار کی خاک چھانتا رہا۔ اس کا ایک بیٹا طالبان کی قید میں تھا، پھر فرار میں کامیاب رہا، افغانستان پر امریکی بمباری کے بعد جب امارت اسلامیہ کی پسپائی شروع ہوئی تو دشمنوں کو کسی مضبوط پختون لیڈر کی ضرورت پیش آئی۔ جو داخلی بغاوت کا بیڑہ اٹھائے مغرب کی اس خواہش کے پیچھے پاکستان کی فرمائش بھی کارفرما تھی، کیونکہ پاکستان طالبان کے بعد شمالی اتحاد کو روکنے کا خواہش مند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حکومت ایسے پختون لیڈر کے ہاتھ آئے جو پاکستان کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہو۔ نظر انتخاب اس شخص کے خاندان پر پڑی۔ تب کمانڈر عبدالحق عبدالقدیر کے بیٹے یعنی اپنے بھتیجے کے ہمراہ خفیہ طریقے سے افغانستان میں داخل ہو گیا، مگر طالبان ابھی منظم تھے انہوں نے اس بیل کو کابل کی دیوار پر چڑھنے سے پہلے ہی کاٹ دیا۔ عبدالحق کے بعد آج یہ شخص بھی گولیوں کا نشانہ بن گیا اور اس کے خاندان کا ایک اور فرد یعنی اس کا داماد بھی خاک کی چادر اوڑھنے پر مجبور ہوا۔ ہر شخص نے ایک دن مرجانا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے باوجود کابل کی زمین نے جو آج کل امریکی اور شمالی اتحاد کی نگرانی میں سانس لے رہی ہے اس شخص کو قبول کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟ اتنا صاف ستھرا اور آسان قتل کابل پر قابض لوگوں کی آشیرباد کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ دراصل یہ شخص بھی بڑی طاقتوں اور شمالی گماشتوں کے نزدیک مجرم تھا۔ اس کے جرائم کیا تھے؟ لیجئے شمار کرتے جایئے۔

(۱) وہ ماضی میں ایک بنیاد پرست اسلامی تنظیم کا اہم کمانڈر تھا، ظاہر ہے اس کے ماضی کے تعلقات بالکل ختم نہیں ہو گئے تھے۔

(۲) وہ پختون تھا جبکہ عمومی خیال یہی ہے کہ افغانستان میں مقیم تمام قبائل میں پختون سب سے زیادہ دیندار اور جہاد پسند واقع ہوئے ہیں، بالفاظ دیگر بڑی قوتوں کے

لئے پختون ناقابلِ اعتبار ہو چکے ہیں۔

(۳) یہ شخص ایک زمانے میں اسامہ بن لادن کا دوست، حامی بلکہ میزبان رہا تھا۔

(۴) تورا بورا کی لڑائی میں کافر اتحادی افواج وہاں موجود مجاہدین کا مکمل صفایا نہ کر سکیں، ان کو ایسی اطلاعات ملی تھیں کہ جلال آبادیوں نے مکمل اخلاص کے ساتھ اس مہم میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان میں سے بہت سارے کمانڈر اندرونِ خانہ مجاہدین کے ساتھ ملے ہوئے تھے اس سلسلے میں حاجی زمان کو پہلے ہی اس کے عہدے سے برطرف کیا جا چکا ہے جبکہ شک کی انگلیاں اس شخص کی طرف بھی اٹھ رہی تھیں۔

(۵) کل کلاں اگر افغانستان کو تقسیم کرنا پڑا تو اس طرح کے نیم مذہبی پختون رہنما مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہیں پہلے ہی قبرستان پہنچا دیا جائے۔

(۶) شمالی اتحاد کے مخبر اتحادی افواج کو مسلسل یہ اطلاعات دے رہے تھے کہ افغانستان کے پختون علاقوں میں اب بھی طالبان ہی کا سکہ چلتا ہے۔ چنانچہ حامد کرزئی سمیت تمام لیڈر چھپ چھپ کر طالبان کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، اس شخص کے بھی طالبان سے خفیہ مراسم تھے۔

(۷) لویہ جرگہ میں سابق جہادی کمانڈروں نے اپنے اس موقف کا اعلان برملا طور پر کر دیا کہ وہ افغانستان کو سیکولر اسٹیٹ نہیں بننے دیں گے، اس شخص کی آواز بھی ان کمانڈروں میں شامل تھی۔

(۸) اس شخص کے پاکستان کے ساتھ برادرانہ تعلقات تھے حالانکہ نیکی کا محور تین ملک ہیں امریکہ، انڈیا اور اسرائیل۔ چنانچہ ہر وہ افغان لیڈر جو پاکستان کو بھارت پر ترجیح دیتا ہو وہ مجرم ہے۔

ان آٹھ جرائم کے علاوہ افغانستان میں قید بعض پاکستانی مجاہدین کے ساتھ اس کا حسنِ سلوک بھی اوپر کے حلقوں میں ناپسند کیا گیا تھا۔ یہ شخص اب منوں مٹی تلے دفن ہو چکا ہے مگر اس کی موت ان افغان لیڈروں کو پکار پکار کر متنبہ کر رہی ہے جو خدا اور امریکہ دونوں کو راضی رکھنے کی بیکار مشق کر رہے ہیں، ایسے دوغلے لیڈروں کی فہرست تیار ہے۔ وہ ملک جو یاسر عرفات جیسے وفادار کو اب برداشت نہیں کر رہا، لمبی ڈاڑھی والے سیاف اور پگڑی والے ربانی کو کیا برداشت کرے گا؟ یقیناً کچھ دنوں تک لوگ نئی خبریں سنیں گے۔ تب اس شخص کی موت افغان لیڈروں کو یہ شعر یاد دلائے گی۔

ؔ زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال!
یا مسلماں کی طرح ہو یا برہمن کی طرح

اس مصیبت سے چھٹکارے کی بہترین صورت یہی ہے کہ پرانے مجاہدین درمیانی غلطیوں سے تائب ہو کر کھرے مجاہدین کے ساتھ مل کر اپنے سابقہ گناہوں کی تلافی کریں، تب کامیابی یا شہادت ان کے قدم چومے گی۔ آپ یقین کیجئے آج اس شخص یعنی حاجی عبدالقدیر مرحوم کو ایک منٹ کیلئے بولنے کا اختیار دے دیا جائے تو وہ تمام سابقہ مجاہد لیڈروں کو یہی نصیحت کرے گا، مگر اس کی زبان تو اب بند ہو چکی کیونکہ وہ چلا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلط نسخہ

آج مسلمانوں کو مسلسل یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ اگر اپنا تحفظ چاہتے ہو تو امریکہ کی چھتری اور اقوام متحدہ کے سائبان کے نیچے پناہ لے لو۔ جہاد کا نام چھوڑ دو، بنیاد پرستی کا لباس اتار دو، اپنی ڈاڑھیوں کو غلیظ نالیوں کے حوالے کر دو۔ پگڑی اور عمامے پھینک کر ٹائیاں باندھ لو اور پرانی باتیں چھوڑ کر نئی دنیا کا ساتھ دو۔ ممکن ہے دوسرے مسلمانوں کی طرح میں بھی اس موثر سبق کو اپنے دل میں جگہ بنانے دیتا، مگر کیا کروں ابھی آنکھیں کھلی ہیں اور وہ ہر روز ایسے تماشے دیکھتی ہیں جو اس سبق کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ وہ دیکھو! زیادہ دور نہیں پرسوں کی بات ہے کہ میرے سابق دوست حاجی عبدالقدیر نہایت بے بسی اور بے کسی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ حالانکہ تحفظ کا مذکورہ بالا نسخہ ان کے زیر استعمال تھا بلکہ ان کے پاس تو تحفظ کے تمام ظاہری اسباب بھی موجود تھے مثلاً وہ امریکا کے دوست ہی نہیں یار غار بن گئے تھے، اور اس یاری کو نبھاتے ہوئے انہوں نے اپنے جانباز بھائی عبدالحق کو بھی امریکی دیوتا کے آستانے پر ذبح کروا دیا۔ وہ اقوام متحدہ کے منظور شدہ حکومتی اہل کار تھے۔ وہ اس حکومت کے نائب صدر تھے جسے دنیا کے تمام اسلامی ممالک تسلیم کرتے ہیں وہ بنیاد پرستی کے بھی سخت مخالف تھے بلکہ خود کو لبرل اور روشن خیال ثابت کرنے کی ہر کوشش کرتے تھے، ان کے چہرے پر بہت معمولی سفید بال تھے اتنے بال آج مغرب کو نہیں چبھتے، وہ

دہشت گردی کے خلاف بننے والے عالمی اتحاد بلکہ عفریت کا نمایاں حصہ تھے، وہ القاعدہ اور طالبان کے اعلانیہ مخالف تھے۔ وہ کبھی کبھار گلے میں ٹائی بھی باندھتے تھے اور سر پر پگڑی کی بجائے شمالی اتحاد کا پکول رکھتے تھے۔ انہوں نے نئی دنیا کا ساتھ دینے کے لئے تمام پرانی قدروں کو بھلایا ہوا تھا۔ مگر وہ بھی مارے گئے، جی ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اس شہر میں قتل کئے گئے جہاں آج کل خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے والی قوت کا کڑا پہرہ ہے۔

پچھلے سال اکتوبر میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ اگر ہم امریکہ کا ساتھ نہیں دیں گے تو مارے جائیں گے، مگر یہ کیا ہوا؟ اب تو امریکہ کا ساتھ دینے والے مر رہے ہیں، کیا موت دنیا کے ضابطوں کو نہیں مانتی؟ ہاں نہیں مانتی کیونکہ خبروں میں یہی آ رہا ہے اور اللہ کرے یہ سچ ہو کہ ملا عمر مجاہد ماشاءاللہ ابھی تک زندہ ہیں۔ حالانکہ وہ تو تحفظ کے نسخے کو پاؤں کی ٹھوکر سے پامال کر چکے ہیں، انہیں نہ امریکہ تسلیم کرتا ہے نہ اقوام متحدہ، بلکہ انہیں ختم کرنے کے لئے زمین سے فضا تک اربوں ڈالر کا خونی جال بچھایا جا چکا ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے جو اب تک انہیں بچا رہی ہے ممکن ہے کہ کسی دن وہ بھی شہید ہو جائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اکتوبر کی جنگ کے بعد عبدالرحمٰن ہجیری (وفاقی وزیر افغانستان) اور حاجی عبدالقدیر سے زیادہ سانسوں کی زندگی دی ہے اور دنیا کو یہ بات سمجھائی ہے کہ نہ بے غیرتی کرنے والے تحفظ پا سکتے ہیں اور نہ غیرت کو چومنے والے عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں پھر کیوں اپنے ایمان کا سودا کیا جائے اور اس بات کو کیوں نہ سمجھا جائے کہ جس شخص کو ایک ''گستاخ بسکٹ'' صوفے سے اوندھے منہ زمین پر گرا سکتا ہے وہ شخص اپنے دوستوں یا حامیوں کو کیا تحفظ فراہم کرے گا؟ ہاں ایک فرق ضرور ہے کہ جو ایمان بیچ کر زندہ رہنے کی فضول کوشش کرے گا اس کو ٹھاٹھ کا جنازہ نصیب ہوگا۔ حامد کرزئی، عبدالرشید دوستم اور مارشل فہیم جیسے اولیاء مکمل وضو کے ساتھ اس کا جنازہ پڑھیں گے۔ سبحان اللہ کیا قابل رشک سعادت ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی

لاش کا پوسٹ مارٹم، امریکہ، برطانیہ اور جرمنی کے ماہر یہودی ڈاکٹر کریں گے۔ اس کی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے ایریل شیرون، لال کرشن، ایڈوانی اور کولن پاؤل جیسے پارسا لوگ ہاتھ اٹھائیں گے، اس کے جنازے کو عام مسلمانوں سے دور رکھنے کے لئے عالمی اتحاد کے چوکس جوان پرے باندھے کھڑے ہوں گے، بس نہ پوچھئے سعادتیں ہی سعادتیں ہیں کہ بش اور ٹونی بلیئر تک اسے خراجِ تحسین سے نوازیں گے اور پاپائے روم پوپ جان پال اس کی مغفرت کے لئے موم بتیاں جلائیں گے۔ ایک مسلمان کو اور کیا چاہئے؟ پھر اس پر بس نہیں، بلکہ اس کی لاش کو سفید لٹھے کے کفن کی بجائے ریشمی پرچم میں لپیٹا جائے گا اور گورے سپاہی ہاتھوں پر دستانے پہن کر اس کے تابوت کو کندھا دیں گے۔ یقیناً قارئین کے منہ میں پانی آ گیا ہوگا۔ پھر اس کا جنازہ امریکی نیلی کا پٹر پر رکھا جائے گا، زمین پر توپیں اسے سلامی کے گولوں سے نوازیں گی اور سخت ترین حفاظتی انتظام میں اسے قبرستان لے جایا جائے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ آگے نہ پوچھئے کیونکہ پھر سب ہاتھ جھاڑ کر آ جائیں گے اور مردہ اپنی قبر......اور اعمال کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اس کے برعکس ان لوگوں کی کسمپرسی کو دیکھئے جو ایمان اور غیرت کی بات کرتے رہے۔ بیرِ معونہ میں ان کی بے گور و کفن لاشوں کو پرندے نوچتے رہے، اُحد کے میدان میں کسی کو آدھا تو کسی کو گھاس کا کفن نصیب ہوا اور پھر ایک ہی قبر میں کئی کئی اکٹھے دفن ہوئے۔ پھر یہی مناظر تورا بورا میں نظر آئے اس کے بعد شاہی کوٹ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ بیرِ معونہ کے بے گور و کفن حفاظ و قراء کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہمیں جو کچھ ملا ہم اس پر راضی ہیں بس ہمیں تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں بھیج دیجئے تا کہ پیچھے رہ جانے والوں کو شہادت کا مزا بتا سکیں، اور اُحد والوں میں سے بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بغیر حجاب و پردے کے کلام فرمایا اور باقی کے بلند درجات کی گواہی زبانِ

نبوت نے دی، تورا بورا کی لاشوں سے خوشبو کی مہک اور روشنی کی شعاعیں نکلیں اور شاہی کوٹ والے بھی ان کرامات میں ان کے سہیم بنے، مگر ان بعد کی باتوں کو چھوڑ کر ابتدائی اعزاز و کرام کو دیکھا جائے تو یقیناً امریکہ کو خوش کرنیوالے واقعی بڑے ٹھاٹھ سے مرے، ٹھیک ہے امریکہ انہیں تحفظ فراہم نہیں کر سکا مگر یہ کیا کم ہے کہ امریکی ہیلی کاپٹر نے ان کی لاشوں کو سعادت تو سیر بخشی۔ پرسوں کی بات ہے کہ جب میں دلی رنج و غم کے ساتھ حاجی عبدالقدیر کی موت کی خبر سن رہا تھا تو ان کے جنازے کے بین الاقوامی اعزازت دیکھ کر مجھے ایک پرانی نظم یاد آ گئی۔ یہ نظم کسی دل جلے شاعر نے اعزازت کا مذاق سہنے والے ایک بادشاہ کے جنازے کو دیکھ کر پڑھی تھی۔ لیجئے آپ بھی پڑھئے اور دنیا کی بے ثباتی پر آہیں بھریئے۔

ے کھڑے ہوئے ہیں کمر بستہ حاجب و درباں
نکل رہا ہے حرم سے جنازۂ سلطاں
دبا ہوا ہے کفن سے جلالِ سلطانی
جھکا ہوا ہے سرِ نازشِ جہانبانی
بچھا ہوا ہے پئے خاک، خاک کا بستر
نظر جھکائے ہوئے ہے غرورِ تاج و کمر
وہ حلق جس کی گرج میں تھا شورِ بادِ سموم
نفس کی آمد وشد سے بھی آج ہے محروم
اُڑا ہوا ہے رُخِ شانِ خسروانہ کا رنگ
قضا کے سایہ میں ہے نازِ افسر و اورنگ
دریچہ بند ہے دولت پہ عیش و عشرت کا
مقام عجز میں ہے طنطنہ حکومت کا

ادھر ہیں اہلِ قلم غم سے سر جھکائے ہوئے
اُدھر کھڑے ہیں سپاہی پرے جمائے ہوئے
بتاؤ ہے کوئی ایسا سپاہیوں میں جواں؟
چھڑا لے موت کی چنگل سے دامنِ سلطاں
قضا چلی ہے لئے شہ کو سوئے گوشۂ تار
بڑھے کدھر ہے شہنشاہ کا سپہ سالار؟
کہو طبیب کو سوتے ہوئے کو چونکا دے
عروقِ مردۂ سلطاں میں خون دوڑا دے
صدا دو کوئی خزانے کے سازو ساماں کو
دفینہ دفن نہ ہونے دے اپنے سلطاں کو
صباحِ تاج پہ چھائی ہوئی ہے ظلمتِ شام
چمک رہا ہے مگر وجہ رب ذوالاکرام
تجمل ہے خاک کے پتلے کا رعب عزت وجاہ
زبانِ دہر پہ ہے لا الٰہ الا اللہ

معلوم ہوگیا کہ تحفظ کا وہ نسخہ جو ہمیں بتایا اور سکھایا جارہا ہے جھوٹا ہے، موت نے وقت پر آنا ہے، شاندار جنازے، کامیابی کی اور بے بسی کے جنازے، ناکامی کی دلیل نہیں ہیں۔ پھر کیوں نہ ہم لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ مستانہ لگائیں اور رات کی خلوتوں اور دن کی جلوتوں میں ایک ہی اعلان کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ ہمارا ہے۔ ہمیں دبانے، جھکانے، ڈرانے اور خریدنے والو! مایوس ہوجاؤ۔

سبحان من تعزز بالقدرة وقهر العباد بالموت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل بہلانے کی باتیں

علامہ دمیری نے "عدالتی فیصلے" کا عجیب واقعہ لکھا ہے۔ ایک خرگوش کے ہاتھ کھجور کا دانہ لگا، وہ اسے کھایا ہی چاہتا تھا کہ لومڑی نے پھرتی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے چھین کر کھالیا، اس پر دونوں کے درمیان جھگڑا بڑھا تو وہ فیصلہ کرانے کے لئے گوہ کے پاس جا پہنچے، خرگوش مدعی تھا اسی نے گوہ سے گفتگو کی۔

خرگوش۔ اے ابا حسل! (یہ گوہ کی کنیت ہے)

گوہ۔ تم نے ایک سننے والے کو پکارا ہے۔ (یعنی مقدمہ سماعت کے لئے منظور)

خرگوش۔ ہم آپ کی خدمت عالیہ میں ایک مقدمہ لائے ہیں۔

گوہ۔ تم ایک منصف اور دانا کے پاس آئے ہو۔ (یعنی میں عقلمند بھی ہوں اور منصف بھی)

خرگوش۔ آپ باہر تشریف لائیے۔

گوہ۔ فیصلے ہمارے گھر میں لائے جاتے ہیں یا فیصلے عدالت میں ہوتے ہیں پس تم آؤ۔

خرگوش۔ مجھے ایک کھجور ملی ......

گوہ۔ آہا! میٹھی چیز ملی فوراً کھالو۔

خرگوش۔وہ کھجور لومڑی نے مجھ سے چھین لی۔

گوہ۔اس نے اپنی جان کے ساتھ بھلائی کی، بہت اچھا کیا۔

خرگوش۔میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔

گوہ۔تم نے اچھا کیا کہ اپنا حق لے لیا۔

خرگوش۔پھر اس نے مجھے تھپڑ مارا۔

گوہ۔آزاد جانور اپنا بدلہ تو لیتا ہی ہے۔یہ تو اس کا حق ہے۔

خرگوش۔آپ ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے۔

گوہ۔میں نے تو فیصلہ سنا دیا۔

کیا ایک جنگل میں اس سے بہتر انصاف مل سکتا ہے؟

کچھ دن پہلے ایک ایسا ہی فیصلہ سننے کو ملا کہ سود کے معاملے پر پھر سالہا سال تک نظر ثانی ہوگی۔اب سنا ہے کہ کچھ سیاستدانوں نے تازہ آئینی پیکج کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے،ایک دو روز میں اخبارات کے صفحات دلائل سے بھرے پڑے ہوں گے۔فارغ لوگ خوب مزے لے لے کر ان دلائل کو سنیں گے وکلاء حضرات بیان وخطابت کے نئے نقوش زندہ کریں گے،مگر آخر میں کیا ہوگا؟ یہ بات سب کو معلوم ہے،دراصل ہمارے سیاستدان ملک کی عدالتوں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال رہے ہیں،آخر جج حضرات بھی تو اسی ملک اور معاشرے کا حصہ ہیں، ملک پر دن طلوع ہوگا تو عدالتیں بھی روشنی سے نہا جائیں گی اور جب ملک پر رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج ہوگا تو عدالتیں بھی اس اندھیرے کو خود سے روک نہیں سکیں گی۔ملک کے دیگر سرکاری ملازمین کی طرح جج صاحبان بھی حکومت کا حصہ ہوتے ہیں اور ملک میں چلنے والے موسم کی گرمی وسردی کا اثر ان کے جسموں پر بھی ہوتا ہے۔ان تمام حقائق کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود عدالتوں سے ”ناممکن“ کی توقع رکھنا درویش کے خیال میں خود توہین عدالت ہے۔ہم گھڑی گھڑی خلفاء راشدین کے انصاف کی مثالیں دے کر اپنے زمانے میں ان کی عدالتوں کی

روشنی ڈھونڈنے لگ جاتے ہیں تب ہمیں دھکے بھی لگتے ہیں اور ٹھوکریں بھی۔وہ وہ تھے ان کی عدالتیں بھی ان جیسی تھیں۔ہم ہم ہیں اور ہمارے تمام ادارے بھی ہمارے جیسے ہیں۔ہمارا سرکاری ملازم اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کسی محکمے میں بھرتی ہوتا ہے اور اسے اپنی پوری ملازمت کے دوران سب سے زیادہ فکر اپنی نوکری کی رہتی ہے۔ایسے میں یہ توقع رکھنا کہ کوئی اپنی نوکری پر کھیل جائے گا اور ان نظریات وقوانین کے لئے اپنے بچوں کو تنخواہ سے محروم کرے گا جو شخصیات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں،ایک فضول تمنا ہے۔ہمارے جج صاحبان نے بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھایا ہے اور وہ اپنے اس حلف کے ساتھ سابقہ حلف کی طرح پابند ہیں۔ان حالات میں قوم خود تو سر جھکا کر جی جی کرتی رہے اور جج حضرات سے یہ توقع رکھے کہ وہ ”ندائی فیصلے“ کر کے بلوچستان کے جسٹس طارق محمود کی طرح رتبہ شہادت پائیں سراسر زیادتی ہے۔

آیئے نیچے سے اوپر تک اپنے معاشرے کا جائزہ لیں اور اپنے آپ کو بھی اچھی طرح ٹٹول کر دیکھیں۔جب فرد ٹھیک ہوں گے تو معاشرہ درست ہوگا اور جب معاشرہ درست ہو جائے گا تو ادارے بھی اچھے لوگوں سے بھرتے جائیں گے،آج پوری قوم سود کو ٹھکرا دے اور ہر طرح کے سود کا لین دین بند کر دے پھر دیکھیں کہ کس طرح سودی نظام معیشت اپنی موت آپ مرتا ہے۔اس کی ادنیٰ سی مثال یہودی مشروبات کے خلاف مسلمانوں کی بیداری ہے کہ ابھی عرب وعجم کے چند غیور مسلمانوں نے ہی کوک اور پیپسی کا کالا پیپ پینا بند کیا ہے کہ ان کمپنیوں کے ہاتھ پاؤں پھولنا شروع ہو گئے ہیں۔اب تو وہ بھی ممنوعہ تنظیموں کی طرح نام بدل کر کام کرنے پر غور کر رہی ہیں۔ہماری عدالتوں میں الحمدللہ بہت سلجھے ہوئے نفیس اور وضعدار حضرات بیٹھے ہیں،مگر ان پر زیادہ بوجھ ڈالنا انصاف کے منافی ہے،لہٰذا یا جہاد کے ذریعے باطل نظام دفنائے جائیں یا اصلاح کے ذریعے معاشرے کا قبلہ درست کیا جائے۔بس یہی دو طریقے مفید ہیں جبکہ باقی سب کچھ دل بہلانے کی باتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام ان ماؤں پر

وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے دیس میں پیدا ہوئے، انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ماں باپ کو غمگین و غمزدہ پایا، حالانکہ بچے کی ولادت پر خوشیاں منائی جاتی ہیں، مگر کیسی خوشیاں اور کہاں کی مسرتیں؟ ان کے سر پر ہتھوڑا اور گلے پر درانتی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب لینن، مارکس اور اسٹالن کا سوویت یونین زندہ تھا اور امام بخاری رحمہ اللہ کے وطن بخارا، سمرقند اور فرغانہ میں اسلام سب سے بڑا جرم تھا۔ باپ نے غم بھری آنکھوں سے بیٹے کو دیکھا اور درد سے ہلکان بیوی کی آنکھوں میں خوشی کے آثار ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ ماں بالآخر ماں تھی اس نے بے تابی سے بچے کی جنس پوچھی معلوم ہوا بیٹا ہے۔ خوبصورت نورانی چہرے پر خوشی اور خوف کے دو آنسو ٹپکے، بچہ گھر آ گیا مگر باپ تو کام پر تھا، وہاں ہر دن کولہو کے بیل کی طرح ڈبل روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے سارا دن کام کرنا پڑتا تھا۔ شام کے سائے ڈھلے تو وہ واپس آیا، گھر میں نونہال کی کلکاریاں سن کر اس کے جسم کی تھکاوٹ دور ہو گئی۔ اس نے لخت جگر کو اٹھایا اور اسے سینے سے چمٹا کر بوسے نچھاور کرنے لگا، مگر پھر اس نے جلدی سے گھبرا کر بچہ اپنی بیوی کو واپس کر دیا۔ بیوی حیرانی سے اپنے خاوند کو دیکھ رہی تھی کہ وہ دوڑ کر دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے گلی میں دائیں بائیں دیکھا پھر احتیاط سے دروازہ بند کیا اور اپنی بیوی کے پاس آ کر اس کے کان سے منہ لگا کر کہنے لگا،

جان من تم جانتی ہو ہم الحمدللہ مسلمان ہیں، یہ کہہ کر اس نے پھر دائیں بائیں دیکھا اور دوبارہ بیوی کے کان میں اپنی بات مکمل کرنے لگا۔ ہاں الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے دامن میں اسلام کے سوا اور کوئی نعمت یا خوشی نہیں ہے۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ بچپن میں ہم اپنی مسجدوں سے اذان کی پیاری آواز سنا کرتے تھے، بتاؤ یاد ہے یا نہیں؟ اس کی یہ بات سن کر بچے کی ماں سسکیاں بھر کر رونے لگی، مگر اس نے جلدی خود پر قابو پا لیا کیونکہ وہاں مسلمانوں کے لئے رونا بھی جرم تھا، ہاں سرتاج مجھے یاد ہے وہ اللہ اکبر کی آواز جس میں ہماری زندگی اور آزادی کا راز پوشیدہ تھا۔ خاوند نے بیوی کے دوپٹے سے اس کے آنسو پونچھے اور ایک سرد آہ بھر کر کہا، ہم نے تو وہ اذان سنی تھی اور اس کے کافی سارے الفاظ ہمیں یاد بھی ہیں۔ مگر ہمارا بچہ...... کہتے ہوئے اس کے آنسوؤں کا بندھن بھی ٹوٹ گیا، وہ کافی دیر گھٹ گھٹ کر روتا رہا، پھر کہنے لگا زندگی موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے اس بیٹے کو اذان کی آواز سے محروم نہیں رہنے دوں گا۔ میں نے دام اللہ (ازبکستان میں عالم کو کہتے ہیں) سے بات کی ہے وہ چند دن پہلے پندرہ سال کی قید کاٹ کر آئے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ رات کے بارہ بجے آئیں گے اور ہمارے مکان کے تہہ خانے میں اس بچے کے کان میں اذان دیں گے۔ اگر ہم اپنے اس کام کو چھپانے میں کامیاب رہے تو ٹھیک لیکن اگر حکومت کو پتہ چل گیا تو مجھے اور تمہیں جیل جانا پڑے گا اور تشدد سہنا پڑے گا، مگر میری جان ہم اپنے بچے کو اذان سے محروم نہیں کریں گے۔ تم وعدہ کرو کہ ہمت سے کام لو گی۔

بیماری بیوی نے اپنے ہاتھ خاوند کے ہاتھ میں دے دیئے اور دونوں کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔ پھر کافی عرصہ بیت گیا پھر ایک اور منظر چشم فلک نے دیکھا۔

کوہاٹ کے قریب جرما چوک کی چوکی پر ایک گاڑی کو روکا گیا، پولیس والوں

نے نام پتہ پوچھا تو انہیں شک گزرا، ماں بہن کی گالیوں کے ساتھ انہیں گاڑی سے اتارا گیا، معلوم ہوا کہ مسلمان ہیں، مگر غیر ملکی، بندوقیں سیدھی ہو گئیں، بلٹ کھینچ لئے گئے، تو تو میں میں سے بات بڑھی تو گولیاں چلیں، ان غیر ملکیوں میں سے ایک نے کسی طرح ایک بندوق چھین لی، باقی تین تو فوری طور پر گولیاں کھا کر اپنے جسم چھوڑ گئے جبکہ ایک کچھ دیر لڑتا رہا مگر کچھ دیر بعد وہ بھی بھون دیا گیا۔ ہر طرف خون بکھرا پڑا ہے۔ جسمانی اعضاء کے ٹکڑے دور دور تک پھیل چکے ہیں، مگر فائرنگ کا سلسلہ جاری ہے اور خوفزدہ پولیس والے کسی امکانی جواب کے خطرے سے گولیاں برسا رہے ہیں۔ جی ہاں! بے جان جسموں کو مزید چھیدا جا رہا ہے۔

اب آسمان کی آنکھیں ایک تیسرا منظر دیکھ رہی ہیں، نعرہ تکبیر، اللہ اکبر۔ اسلام زندہ باد، شہداء اسلام زندہ باد، ہم نہیں مانتے ظلم کے ضابطے۔ پاکستان کا مطلب کیا...... لا الہ الا اللہ۔ امریکا مردہ باد، اسرائیل مردہ باد، بھارت مردہ باد۔ شہداء کی لاشیں واپس کرو۔ مسلمان بھائی بھائی ...... یہ نعرے کوہاٹ کے فوجی اسپتال کے باہر بلند ہو رہے تھے، ہزاروں لوگ فرطِ جذبات سے رو رہے ہیں، بوڑھوں کی سفید داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو رہی ہیں۔ نوجوانوں کے جذبے پارے کی طرح چھلک رہے ہیں، علماء خون کے آنسو بہا رہے ہیں، الغرض جذبات کا ایک سمندر ہے جو قابو سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ ان سب کا مطالبہ کیا ہے؟ بس ایک مطالبہ کہ شہداء کے جسم ہمارے حوالے کر دو تا کہ اکرام و اعزاز کے ساتھ انہیں نمازِ جنازہ کے بعد دفن کیا جا سکے۔ مگر...... مگر، لینن اور اسٹالن کے سوویت یونین میں ان نوجوانوں کو بچپن میں اذان نصیب ہو گئی تھی کیونکہ ان کے ماں باپ زندہ تھے، جنہوں نے جان پر کھیل کر رات کی تاریکی میں ان کے کانوں میں اذان پہنچائی تھی، مگر مسلمانوں کے ملک میں انہیں جنازہ نصیب نہ ہو سکا، کیونکہ ان کے ماں باپ تو مر گئے......

ہاں مر گئے، اس لئے اب کون جنازہ پڑھے، کون دفنائے، وہ غیر ملکی تھے، وہ مجاہد تھے، وہ مسلمان تھے، اور ہاں لاوارث تھے۔ اے جانباز شہیدو! تم کیوں لاوارث؟ اللہ تمہارا وارث ہے۔

مگر ہم تمہیں نہ پہچان سکے، امام بخاری رحمہ اللہ کے دیس کے مجاہد شہزادو! ہم تمہیں نہ پہچان سکے، کیونکہ ہم تو اپنی پہچان بھی بھول چکے ہیں، خدا کے لئے ہمیں معاف کر دینا، اللہ کرے تمہاری وہ عظیم مائیں بھی ہمیں معاف کر دیں جنہوں نے سوویت یونین کے خوفناک اور جابرانہ ماحول میں تم تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ سلام ہو ان ماؤں پر...... ہاں ان بہادر ماؤں پر...... ہم بے ضمیر بزدل مسلمانوں کی طرف سے جو یقیناً اپنی پہچان...... بھول چکے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورتِ رشتہ

ضرورت ہے ایک ایسے مرد جوان کی جس کا خون یخ ٹھنڈا ہو، وہ مذہبی عالم ہو مگر زیادہ ''دیندار'' نہ ہو، اسے عربی بے شک نہ آتی ہو مگر انگریزی فر فر بول لیتا ہو، لباس میں کوٹ پتلون ٹائی، کھانے میں پیزا ہٹ، کے ایف سی چکن اور برگر کا شیدائی ہو، چہرے پر چیچک کے داغ بے شک ہوں مگر ڈاڑھی نہ ہو اور اگر ہو تو بہت چھوٹی ہو، مزاج کا ضدی ہرگز نہ ہو بلکہ زمزم کے ساتھ بیئر کی چسکی کو بھی جائز قرار دیتا ہو۔ اس کی گردن کا منکا اگر ٹوٹا ہوا ہو تو کیا کہنے، اگر سلامت ہو تو گردن جھکانے میں عار نہ سمجھتا ہو۔ اس کے سر پر بال ہوں یا نہ ہوں مگر ناک موم کی ہونی چاہئے، جدھر موڑیں ادھر مڑ جائے ہاں اگر ڈسپوزل ناک کا مالک ہو تو سبحان اللہ۔ اس کے سینے میں دل کی جگہ معدہ اور معدے کی جگہ مثانہ ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں پر مظالم سنے اور دل پکڑ کر بیٹھ جائے۔ قرآن کا عالم ہو مگر جہاد کو بالکل نہ مانتا ہو، جاگتے ہوئے تو درکنار کبھی خواب میں بھی جہاد کا نام نہ لیتا ہو۔ مجاہدین کا صرف مخالف ہی نہیں بلکہ سخت دشمن ہو اور انہیں مارنا، ستانا اور ختم کرنا اپنی زندگی کا اہم ترین مشن سمجھتا ہو۔ امن پسند اتنا ہو کہ کوئی اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہے، انبیاء علیہم السلام کی (نعوذ باللہ) توہین کرے تو اس کی چہرے پر بل تک نہ آئے بلکہ وہ ہر گالی پر مسکراہٹیں نچھاور کرتا رہے، ہاں اگر کوئی اس کے سامنے حکومت یا امریکا پر اعتراض کرے تو

وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر جنگلی بیل کی طرح ڈکرانے لگے۔

وہ اپنے من میں اتنا ڈوبا ہوا ہو کہ اسے نہ فلسطین نظر آئے، نہ چیچنیا، اسے نہ کشمیر سے کوئی غرض ہو نہ گجرات سے، اسے نہ فلپائن میں بہنے والا خون تڑپائے نہ برما کی لٹی ہوئی عصمتیں، اسے نہ مسجد اقصیٰ کی فکر ہو نہ بابری مسجد کی، وہ نہ بوسنیا کی اجتماعی قبریں یاد کرے نہ ایتھوپیا کے مظالم۔ وہ سود کو حلال اور خالص دینی مدارس کو حرام سمجھتا ہو۔ وہ خاندانی منصوبہ بندی کا لٹھ دار حامی اور پردے کا بانگ دہل مخالف ہو۔ وہ قطعی طور پر فرقہ پرست نہ ہو بلکہ غیر مسلموں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتا ہو اور اس کی نظر میں کفر و اسلام یکساں ہوں۔ وہ تنگ نظر نہ ہو کہ حرام چیزوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہو بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا روشن خیال ہو، ایسا روشن خیال کہ اسلام کے کسی حکم پر ضد یا اصرار نہ کرے۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو حرام، دہشت گردی، فسطائیت اور قدامت پسندی سمجھتا ہو جبکہ کافروں کے لئے اپنا سب کچھ لٹانا اور فدا کرنا عزت مندی اور عین سعادت سمجھتا ہو۔

وہ مولویوں میں سے ہو مگر مولویوں کا دشمن اور مغرب کا پرستار ہو، نماز بے شک پڑھ لیتا ہو مگر جماعت وغیرہ کے جھمیلوں میں نہ پڑتا ہو، شلوار بے شک (اگر چاہے تو) پہنتا ہو مگر ٹخنے ننگے کرکے ملک کو بدنام نہ کرتا ہو۔ ہاں ٹخنوں کے علاوہ کوئی پابندی نہیں، کیونکہ عالمی میڈیا صرف ٹخنے ننگے کرنے کو بے حیائی سمجھتا ہے۔ وہ بارہ ربیع الاول کو میلاد ضرور پڑھتا اور کھاتا ہو مگر ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے عشق میں مغلوب ہو جائے اور ان کی طرح پوری امت کا درد دل میں لے کر بیٹھ جائے بلکہ وہ تو کسی مسلمان کے درد کو دل میں رکھنا دہشت گردی سمجھتا ہو، وہ ہر کام اوپر سے پوچھ کر کرنے کا عادی ہو اور ہر حکم پر جی سر کہنے کا خوگر ہو۔ وہ ایسا بہادر ہو کہ غیروں سے لڑنے کو گناہ اور اپنوں کے گلے کاٹنے کو لازم سمجھتا ہو۔ وہ اتنا سمجھدار اور غیور ہو کہ کافروں کو

دن رات مذاکرات کی اوراپنوں کو جیل خانے کی دعوت دیتا ہو، اسے مذہب پر اتنی دسترس ہو کہ ہر مجبوری کے لئے دلیل اوراوپر کے ہر فیصلے کے لئے شرعی ثبوت ڈھونڈ لیتا ہو۔ ضرورت ہے ایسے شخص کی...... ابھی میرا اعلان یہاں تک ہی پہنچا تھا کہ استاد جی ''قلندر'' نے ٹوک دیا اور پوچھا کہ ان عظیم عبقری صفات والے شخص کو کیا کرو گے؟ درویش نے جواب دیا کہ ایک رشتہ آیا ہوا ہے یا یوں سمجھیں کہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب وزارت مذہبی امور کو طلاق دے رہے ہیں۔ قلندر نے فرمایا ''طلاق نہیں خلع کہو، بلکہ یہ کہو کہ وزارت مذہبی امور غازی صاحب کو طلاق دے رہی ہے''۔ یوں ہی سمجھ لیجئے بس اسی لئے درویش اپنا کشکول اٹھا کر...... محترمہ وزارت مذہبی امور صاحبہ کے لئے حالات اور زمانہ کے مطابق دولہا تلاش کر رہا ہے۔ غازی صاحب تو محترمہ کو خوش نہ کر سکے حالانکہ انہوں نے بھی بہت ناز اٹھائے لیکن افسوس! مذکورہ بالا ساری صفات ان میں موجود نہیں تھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سزائے موت یا جامِ زندگی

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے درویش کو پولیس والوں نے ''نیک آدمی'' سمجھ کر جیل میں ڈال دیا۔ چونکہ اس سے پہلے بھی یہ تجربہ دو چار بار ہو چکا تھا اس لئے زیادہ پریشانی نہیں تھی، ہاں البتہ اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے کیونکہ گیارہ ستمبر کا سورج زمین کا رنگ اور مزاج بدل چکا ہے۔ مگر ابھی ''بارہ جنوری'' دور تھا، اچھی طرح کمزور حافظے والے احباب کو یاد دلا دوں کہ بارہ جنوری کو ایک تاریخی خطاب ہوا تھا، ابھی اس خطاب کی گونج فضا میں تھی کہ ڈاڑھیوں والے دو ہزار مجرم راتوں رات جیل آ بیٹھے۔ انہیں مار پیٹ کر لایا گیا، جیل والوں نے انہیں بیڑیاں ڈال کر قصوری وارڈ میں رکھا، سخت سردی میں انہیں کمبل تک میسر نہ آئے اور ان کی ملاقاتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جیل میں آنے والے ایک بابا جی نے بتایا کہ وہ مسجد میں وضو کر رہے تھے، پولیس والوں نے وضو پورا ہونے سے پہلے ہی انہیں اٹھا لیا۔ بابا جی نے بہت منتیں ترلے کئے، وجہ پوچھی، اپنے بڑھاپے کی دہائیاں دیں، سفید ڈاڑھی کے واسطے ڈالے مگر وردی والوں نے ایک نہ سنی اور اٹھا کر تھانے لے آئے، جلدی جلدی کاغذ بنائے اور فٹافٹ جیل پہنچا آئے۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ تھانیدار صاحب کو جتنے افراد پکڑنے کا ٹھیکہ ملا تھا ان میں ایک کی کمی تھی اور ڈیڈ لائن یعنی اوپر کے افسروں کی طرف سے ملنے والا وقت ختم ہو رہا تھا۔ تھانیدار

جی نے گھبراہٹ کے عالم میں حوالدار صاحب کو فرمایا کہ قریبی مسجد کے مولوی کو دس منٹ میں پکڑ کر لاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ حولدار صاحب بھاگتے دوڑتے پہنچے تو دس منٹ میں مولوی کو ڈھونڈنا ممکن نہیں تھا، باباجی ذرا جلدی مسجد آگئے تھے۔ بس وہ نکاح پڑھ گئے اور تین ماہ کے لئے جیل آپہنچے، چلو کوئی بات نہیں، ہمارا ملک پاکدامن گوروں کی نظروں میں بدنام ہو رہا تھا، ملکی وقار اور عزت کی خاطر اپنوں سے ایسی قربانیاں لینی ہی پڑتی ہیں۔ ہم چونکہ بارہ جنوری سے پہلے پکڑے گئے تھے اس لئے بیری اور قصوری وارڈ سے بچ گئے۔ تعلیم کی ڈگری بھی وزن دار تھی (اس بحث میں نہ پڑیں کہ اصلی تھی یا نقلی) اس لئے چارپائی بھی ملی اور نیا کمبل استعمال کرنے کی اجازت بھی۔ زندگی عجیب چیز ہے کہیں بھی ایک منٹ کے لئے نہیں رکتی، ہر جگہ گزرتی جاتی ہے، انسان گھر میں ہو یا جیل میں۔ زندگی کی قید کے دن بہر حال سورج کے ہر طلوع و غروب کے ساتھ کم ہوتے جاتے ہیں، تسبیح پاس تھی، جیل کی لائبریری سے کچھ کتابیں بھی مل گئیں، رومال مصلیٰ بن گیا۔ دال روٹی مفت ہوگئی۔ چائے کے پانی میں برکت محسوس ہوئی۔ آزادی کی قدر آئی۔ صبح شام ہمیں گنا جانے لگا، حالانکہ ہم باہر کسی گنتی میں نہیں تھے، اسی دنیا میں ایک نئی دنیا آباد ہوگئی۔

ابتداء میں سست روی سے اور بعد میں تیزی سے دن کٹنے لگے، اچانک ایک شام ہیڈ واڈرن نے بتایا کہ صبح نماز فجر کے وقت ایک قیدی کو اسی جیل میں پھانسی ہونے والی ہے، اس کے گھر والے آخری ملاقات پر آئے تھے مل کر چلے گئے صبح سویرے وہ جیل کے باہر بیٹھ کر انتظار کریں گے۔ اندر جب "سب اچھا" ہو جائے گا تو لاش ان کے حوالے کردی جائے گی، قیدی اور قید اور گھر والوں کا انتظار ختم ہو جائے گا۔ ہم نے پوچھا کہ "سب اچھا" کا کیا مطلب ہے تو ہیڈ واڈر نے بتایا کہ جیل میں جو کام بھی خوش اسلوبی سے مکمل ہو جائے تو جیل والے اسے "سب اچھا" کہتے ہیں۔ مثلاً شام کو گنتی ٹھیک طرح ہو جائے تو

ہیڈ واڈر کہتا ہے "سب اچھا" ہو گیا، پھانسی صحیح طریقے پر لگ جائے تو جلاد ڈپٹی سپریڈنٹ سے کہتا ہے کہ "سب اچھا" ہو گیا، ڈپٹی بڑے سپریڈنٹ کو بتاتا ہے کہ سب اچھا ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

میں نے خلاف معمول ہیڈ واڈر کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے کرید کرید کر پھانسی والے قیدی کی عمر، جرم، حالات، پھانسی کا طریقہ کار اور اس کے مراحل پوچھنے لگا۔ اس نے بتایا کہ جوان آدمی ہے، بیوی بچوں والا ہے، قتل کے مقدمے میں تینوں عدالتوں سیشن، ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ سے مجرم قرار پایا ہے، پھر مقتول کے ورثاء کو چھوڑنے کا حق ہوتا ہے مگر انہوں نے صلح سے انکار کر دیا، اپیل صدر کو گئی وہاں سے بھی مسترد ہو گئی۔ پھر کورٹ بلیک وارنٹ جاری کرتی ہے جس میں پھانسی کے دن اور مقام کا تعین ہوتا ہے، تب سوائے ورثاء مقتولین سے صلح کے تمام دروازے ظاہری طور پر بند ہو جاتے ہیں، قیدی کا وارڈ الگ کر دیا جاتا ہے، یاد رہے کہ جیل میں سزائے موت کے قیدیوں کا الگ وارڈ ہوتا ہے جہاں وہ بلیک وارنٹ تک کا وقت گزارتے ہیں۔ جب سب اپیلیں مسترد ہو جائیں اور حتمی وارنٹ آجائے تو پھر اسے سب سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے اہل خانہ کو پھانسی سے ایک دن پہلے ملاقات کی اطلاع دے دی جاتی ہے، ان دنوں قیدی پر کڑی نگرانی کی جاتی ہے، اکثر قیدی آخری رات ذکر و تلاوت اور سجود و عبادت میں گزارتے ہیں۔ صبح منہ اندھیرے فجر پڑھا کر جیل کا عملہ اسے کالے کپڑے پہنا دیتا ہے، اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے جاتے ہیں، چہرہ ڈھانپ دیا جاتا ہے، جلاد اسے پھٹے پر کھڑا کر کے اس کے گلے میں موٹی رسّی کا پھندا ڈال دیتا ہے، پھر اعلیٰ حکام اشارہ کرتے ہیں تب ایک لوہے کے لیور کو کھینچا جاتا ہے جس سے پھٹا ایک طرف کھسک جاتا ہے اور قیدی رسّے سے لٹک کر جھولنے لگتا ہے۔ جیل حکام گھڑیوں پر اور لٹکتے قیدی پر نظریں جمائے رہتے ہیں۔ آدھے گھنٹے اور

گردن مضبوط ہو تو چالیس منٹ کے بعد اسے واپس اتار لیا جاتا ہے، ڈاکٹر نبض چیک کر کے موت کی تصدیق کرتا ہے، اس وقت جیل ملازم ایک دوسرے کو سب اچھا، سب اچھا کی مبارک دیتے ہیں، مگر جیل کے باہر سے رونے کی آواز آرہی ہوتی ہے۔ میت کے کالے کپڑے اتار کر اسے اس کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ میت ڈیوڑھی میں لائی جاتی ہے، کاغذات کی تکمیل اور "سب اچھا" کی اعلیٰ سطحی تصدیق کے بعد لاش ورثاء کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

ہیڈ وارڈر ساری داستان سنا کر چلا گیا، مگر موت میرے دل و دماغ میں ڈیرے ڈال چکی تھی، اندھیرا روشنی سے ڈرتا ہے اسی طرح زندگی موت سے گھبراتی ہے، موت کا لفظ، موت کا منظر، موت کی یاد، یہ سب چیزیں زندگی کی لذت کو خاک بنا دیتی ہیں، میں نے مغرب کے بعد عشاء بھی پڑھ لی، مگر موت میرے ساتھ تھی اور مجھے اپنے سیل میں ہر طرف اُداسی کے جالے نظر آرہے تھے، میرا معمول تھا کہ عشاء کے بعد جلدی سو جاتا تھا مگر آج نیند کہاں، وہ تو اپنی بہن کی یاد میں کہیں کھو گئی، جی ہاں نیند موت کی بہن ہے ہم سو کر بھی مردے کی طرح ہوتے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ کچھ پیتے ہیں اور نہ بیوی بچوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، مگر ہم نیند سے نہیں ڈرتے کیونکہ ہمیں جاگ کر دوبارہ زندگی پا لینے کا یقین ہوتا ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ کئی لوگ سو کر دوبارہ نہیں اٹھے، وہ نیند ہی سے موت کی آغوش میں چلے گئے لیکن اس کے باوجود ہمیں دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہوتا ہے اس لئے ہم نیند سے نہیں گھبراتے مگر موت سے گھبراتے ہیں، حالانکہ موت کے بعد بھی تو زندگی ہے جو نیند کے بعد کی زندگی سے زیادہ یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یقین دلایا ہے۔

انسان ظاہر پرست اور غافل ہے اس لئے وہ ایمان بالغیب میں کمزور اور ایمان بالظاہر میں مضبوط ہوتا ہے، نیند کے بعد ملنے والی زندگی کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس

لئے ہنستے کھیلتے خود کو نیند کے حوالے کر دیتا ہے اور جو لوگ ایمان بالغیب میں پکے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں، وہ موت کے بعد کی زندگی کو مانتے ہیں اس لئے ان کے لئے مرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہے انسانی طبیعت موت سے بھاگتی ہے، صرف دو مقام ایسے ہیں جہاں انسان کی یہ کمزوری ختم ہو جاتی ہے۔

ایک گھمسان کی وہ جنگ جو شرعی جہاد ہو اس میں مجاہد جب توپوں، گولوں اور بموں کے درمیان اسلحہ اٹھا کر آگے بڑھتا ہے، اپنی تلوار یا کلاشنکوف کے سائے میں پیش قدمی کرتا ہے، تلوار گھماتا ہے، گولیاں برساتا ہے، دشمنوں کو موت کی وادی میں دھکیلتا ہے، اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسلام کی حفاظت کے لئے قدم اٹھاتا ہے، اس وقت اس کی طبیعت سے موت کا خوف نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کا برستا نور اسے ڈھانپ کر جسم کے تسلط سے روح کی سلطنت میں لے آتا ہے اور روح آپ جانتے ہیں کہ مٹی سے نہیں بنی اس لئے اسے مٹی پر رہنے، گھر بنانے، مٹی سے اُگی چیزیں کھانے اور مٹی کی بنی حسین مورتیوں میں دل لگانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، اچھی روح تو بس پرواز چاہتی ہے پرواز، اسے اوپر جانے کی اتنی ہی خواہش ہوتی ہے جتنی جسم کو نیچے رہنے کی، خلاصہ یہ کہ جہاد میں گھمسان کی لڑائی کے وقت انسان کی طبیعت موت سے نہیں بھاگتی۔

دوسرا مقام سجدۂ وصل یا یوں کہئے سجدۂ شوق ہے جس میں انسانی طبیعت موت کو چومنے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتی ہے۔ خلاصہ اس سجدہ کا یہ ہے کہ بندہ کسی وقت حضوری کی کیفیت میں ہوتا ہے، وہ خود کو اپنے محبوب رب اور مالک کے سامنے حاضر پاتا ہے، تب اسے اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر بے حد شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہاتھ اور دامن پھیلاتا ہے، آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہاتا ہے، اپنی ندامت کے غم میں نیم بسمل کی طرح

تڑپتا ہے، یارب یارب پکارتا ہے، وہ اتنا روتا ہے، اتنا پکارتا ہے کہ اچانک اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا محسوس ہونے لگتا ہے، اسے رب کی رحمت اپنے سر پر سکون آور سائبان کی طرح محسوس ہوتی ہے، اسے یوں لگتا ہے کہ مستحق نہ ہونے کے باوجود آج اسے بخش دیا گیا ہے، تب وہ شوق کے عالم میں سجدے میں گر پڑتا ہے اور اس کی قلبی خواہش یہ بن جاتی ہے کہ محبت، ملاقات، بخشش اور سرور کا یہ لمحہ...... رب سے ملاقات کا لمحہ بن جائے تا کہ پھر وہ اپنے مولیٰ اور آقا کے سامنے کسی غلطی یا گناہ سے شرمندہ نہ ہو۔ میں نہ تو میدانِ جہاد میں تھا اور نہ سجدۂ شوق میں، اس لئے میں بے چینی اور اداسی محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ ایسی اداس رات میں نے اپنی زندگی میں بہت کم دیکھی تھی، میں بستر پر لیٹا ہوا تھا، باہر سے جو آواز بھی آتی میں چونک پڑتا، رات کے گیارہ اور پھر بارہ بج گئے، مجھے کبھی رونے کی آواز آتی اور کبھی کسی آوارہ جانور کے چلانے کی، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک جواں موت سے چند گھنٹوں کے فاصلے پر نا معلوم کس حالت اور کیفیت میں ہو گی۔ یہ موت بھی عجیب ہے کہ پہلے سے بتا کر آ رہی ہے، اس رات اگر اس شخص کو دنیا کے بہترین کھانے دیئے جائیں تو وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، اگر دنیا کی حسین ترین عورت، لاکھ نخرے کر کے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ اپنے جسم اور جذبے کو برف سے زیادہ ٹھنڈا پائیگا، آج کی رات نرم بستر اسے نیند کی اور میٹھا شربت چسکیاں لینے کی دعوت نہیں دے سکے گا۔ میں اس شخص کی بے چینی، بے بسی اور پریشانی کو سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا اور اس شخص کی اداس رات میرے پہلو کی ناگن بنی ہوئی تھی۔ یکا یک خیالات کا دھارا بدلنے لگا اور میں سوچنے لگا کہ کیا یہ رات صرف اس شخص کے لئے آخری رات ہے؟ میرے پاس ایسی کونسی ضمانت ہے کہ یہ رات میری آخری رات نہیں، ممکن ہے کل جب سورج طلوع ہو تو اس کی کرنیں میری لاش اور اس کے زندہ جسم پر پڑ رہی ہوں۔

یہ ٹھیک ہے کہ اسے حکومت نے سزائے موت سنائی ہے مگر ہم میں سے ہر انسان کو پیدا ہونے سے پہلے ہی سزائے موت سنا دی جاتی ہے اور ہمارے ناقابلِ تنسیخ بلیک وارنٹ تو ہمارے جنم لینے سے پہلے ہی جاری کر دیئے جاتے ہیں، ہاں ہمیں متعین تاریخ نہیں بتائی جاتی، کیونکہ اگر تاریخ بتا دی جائے تو دنیا کا نظام ٹھپ اور انسان کا امتحان بے معنی ہو جائے گا۔

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ موت کو یاد رکھو، کیونکہ موت کی یاد اور اس کی فکر ہی زندگی کے سرکش گھوڑے کو ایمان، اخلاق اور تقوے کی لگام دے سکتی ہے۔ دنیا میں کسی کے لئے سزائے موت کا اعلان کوئی وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ کئی بار دیکھا گیا ہے کہ سزا دینے والے سزا پانے والے سے پہلے مر گئے پھر جو چیز اپنے وقت پر آتی ہے وہ سزا کیا یہ سزا نہ بھی سنائی جاتی تو موت اسی وقت آ کر اپنا کام پورا کر دیتی کئی لوگ قتل کرنے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں مگر مقتول بن کر لوٹائے جاتے ہیں اور کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں مارنے کے لئے دنیا بھر کے اسباب جمع کر لئے جاتے ہیں، مگر موت نے اس وقت نہ آنا ہوتا ہے اور نہ وہ آتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک صاحب ان کی موت کے لئے دعائیں کرتے تھے، امام صاحب کو جب خبر ہوئی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ پُر حکمت اشعار پڑھے۔

؎ تمنّی رجال ان اموت وان اُمُت

فتلک سبیل لست فیها بواحدی

ولیس الذی یبغی خلافی یضرنی

ولا موت من قدمات قبلی بمخلدی

وانـی ومـن قـلمـات قبـلـی لکـالمدی

یـزرو خـلیـلا اویـروح ویغـندی

مفہوم (کچھ لوگ میرے مرنے کی تمنا رکھتے ہیں، اگر میں مرگیا تو میں اس راستے پر اکیلا چلنے والا نہیں ہوگا۔

میرے بدخواہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ مجھ سے پہلے مرنے والے مجھے ہمیشہ کی زندگی دے سکتے ہیں۔

میری اور دوسرے مرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب سے ملے، یا صبح کرنے والا شام میں داخل ہو۔)

بعض روایات میں ہے کہ امام صاحب نے اسے فرمایا ”بھائی کوئی دوسری سزا سناؤ کیونکہ موت تو گویا کہ آچکی“۔

ہاں واقعی موت تو گویا کہ آچکی، پھر ہم غفلت میں کیوں پڑے رہتے ہیں اور موت سے بچنے کے لئے ایمان، دین اور زندگی کیوں بیچتے ہیں، یقیناً موت سے غفلت ایک مصیبت ہے اور موت کے ڈر سے دین، جہاد یا غیرت کو چھوڑنا اعلیٰ درجے کی بےوقوفی اور کم عقلی ہے۔

سید قطب رحمہ اللہ پر جب مصری حکومت نے صدر جمال عبدالناصر کو قتل کرنے کی سازش کا جھوٹا مقدمہ دائر کیا تو ایک نام نہاد عدالت نے انہیں موت کی سزا سنائی، جب پھانسی کا دن مقرر ہوگیا تو حکومت کو کچھ ندامت ہوئی، انہوں نے سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کو ان کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ اپنا بیان بدل لیں اور سازش کا الزام کسی اور پر ڈال دیں ہم آپ کو چھوڑ دیں گے۔ مصری حکومت دراصل سید قطب کو باعزت پھانسی سے بچا کر بدنامی کے غار میں دھکیلنا چاہتی تھی۔ ہمشیرہ (جو خود بھی اسی مقدمے میں گرفتار تھیں) سید قطب کے پاس لائی گئیں، انہوں نے اپنے بھائی سے

حکومتی مشورے پر عمل کرنے کی درخواست کی۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”میری بہن تم دو باتوں کا جواب دو (۱) کیا موت کا وقت بدل سکتا ہے (۲) ایسی چیز (جس نے اپنے وقت پر ہی آنا ہے) کو ٹالنے کے لئے اپنے دینی موقف سے دستبرداری جائز ہے؟

بہن نے بھائی کی پیشانی چومی اور انہیں اپنے ایمانی موقف پر ڈٹے رہنے کی تلقین کی۔ تاریخ کی کتابیں ایسے لوگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ جنہوں نے موت سے بچنے کے لئے ایمان چھوڑا، جہاد چھوڑا اور کافروں کی مدد کی، مگر وہ لوگ موت سے نہ بچ سکے بلکہ دوسروں کی بنسبت جلدی مر گئے، جبکہ تاریخ میں ان اہل عزیمت کے حالات بھی چمک رہے ہیں جنہوں نے موت کو للکارا اور اپنے دین پر قائم رہے، مگر موت ان پر فوراً نہیں آئی، اپنے وقت پر آئی اور وہ بھی زندگی کا پیغام بن کر......الغرض اس رات جب میں نے اس رخ پر سوچنا شروع کیا تو بےچینی دور ہوگئی اور اس بات کی فکر لاحق ہوگئی کہ ممکن ہے کہ یہ رات میری آخری رات ہو، چنانچہ میں خوب توبہ استغفار کرلوں اور دنیاوی وساوس، خیالات اور عزائم سے منہ موڑ کر اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کروں۔ آج پھر حیدرآباد سے سزائے موت کی آواز سنائی دی تو بےاختیار نوکِ قلم پر یہ مضمون اتر آیا۔ اس بارے میں صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ لفظ موت سے تو کوئی اختلاف نہیں ہے یہ ایک نہ ایک دن مجھ پر بھی آئے گی، عمر شیخ پر بھی، فیصلہ سنانے والے جج پر بھی اور فیصلہ دلوانے والے بڑے ہاتھوں پر بھی، اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ سب ہی مر کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچ جائیں گے، وہاں پیشی ہوگی، حاضری ہوگی اور انصاف ہوگا۔ مجھے تو بس لفظ سزا سے اختلاف ہے کیونکہ مجاہدوں اور مظلوموں کی موت سزا نہیں انعام ہوتی ہے، کیونکہ ایسے لوگوں ہی کی موت کے متعلق ایک دل والے شاعر نے کہا ہے۔

لا میں کچھ توضیح کردوں اور ان اسرار کی ؎

آ بتادوں تجھ کو رازِ عظمتِ دینِ نبی

پھول ہے واللہ جبر وظلم کا اک اک شرار
موت کیا ہے زندگی کا ایک جامِ خوشگوار
تجھ کو ہر باطل کی قوت سے الجھنا چاہیے
موت کے کانٹوں کو فرشِ گل سمجھنا چاہیے
دردِ محکومی بنا دیتا ہے ایماں کو ضعیف
حریت سے ہے عبارت عظمتِ دینِ حنیف

ہاں بے شک مخلص مجاہدین کے لئے ......اللہ والوں کے لئے ......موت زندگی کا ایک خوشگوار جام ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیئے ''عامل'' بنیئے

پاکستان کے پاگل انڈیا کا رخ کرتے ہیں اور وہاں جا کر پھنس جاتے ہیں، انڈیا جانے والے یہ پاگل کئی قسم کے ہوتے ہیں، سر دست ہمارا موضوع وہ پاگل حضرات ہیں جو دماغی توازن درست نہ ہونے کی وجہ سے سیالکوٹ کا بارڈر کراس کر کے جموں کے مضافاتی علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر پولیس یا بارڈر سیکورٹی فورس (بی ایس ایف) کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ ابتدا میں انہیں ''پاکستانی جاسوس'' سمجھا جاتا ہے اور ان پر دل کھول کر تشدد کیا جاتا ہے، اس تشدد کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔

(ا) سب سے پہلے تو ان پاگلوں کو پکڑنے والی فورس پورے پاگل پن کے ساتھ انہیں رگیدتی ہے تا کہ ان کا جاسوس ہونا اور پکڑنے والے کا مستحق انعامات ہونا پکا ہو جائے، بسا اوقات اس تشدد کے دوران پاگل حضرات ایسی باتیں بھی کر جاتے ہیں جن کی بازگشت دہلی کے ایوانوں تک پہنچتی ہے اور اخبارات میں اس مبینہ پاکستانی جاسوس کے انکشافات پر سرخیاں جمتی ہیں۔ تب دہلی کے ''اعلیٰ دماغ'' جہازوں پر اڑ کر متعلقہ تھانے جا پہنچتے ہیں، مگر ان کے پہنچنے تک ''پاگل'' اپنا سابقہ بیان بھول کر کوئی نیا راگ الاپ رہا ہوتا ہے، اس پر متعلقہ فورس اور خفیہ اداروں کا خوب مذاق اڑتا ہے مگر انڈیا میں شرم نام کا پرندہ کافی عرصہ پہلے انتقال فرما چکا ہے۔

(۲) دوسرے مرحلے پر مذکورہ پاگل کو کشمیر پولیس کے خفیہ ادارے ''سی آئی کے'' کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اس پاگل کو کئی دن تک تشدد اور پوچھ گچھ کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہاں بھی پاگلوں کے بعض اقوال پر اخبارات میں آئی ایس آئی کی دھوم مچ جاتی ہے، مگر پاگل آخر میں پاگل ہی ثابت ہوتا ہے اور وہ نہایت عقلمندی کے ساتھ آئی ایس آئی سے تعلق کی نفی کر دیتا ہے۔

(۳) ''سی آئی کے'' کے عقوبت خانے میں کاغذات بنا کر پاگل کو اس تھانے کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جس تھانے کی حدود میں اس نے پاکستان سے داخل ہونے کے بعد قدم رنجہ فرمایا ہوتا ہے۔ تھانے کے اہل کار آخری کوشش کے طور پر پاگل کی ٹھکائی کرتے ہیں تاکہ وہ جاسوسی کا اعتراف کر لے، مگر ننانوے فیصد پاگل یہاں سے بھی پوری عقل مندی کے ساتھ بچ جاتے ہیں۔ تب تھانے کے اہل کار اس پر ''غیر قانونی بارڈر کراسنگ'' کا مقدمہ بنا کر اسے عدالت کے روبرو پیش کر دیتے ہیں۔ جہاں پہلی پیشی ہی میں انہیں چھ مہینے سے لے کر دو سال کی قید سنا کر جموں سینٹرل جیل کے ''پاکستانی وارڈ'' میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس وارڈ میں ان پاگلوں کی مصروفیات پر کئی صفحے لکھے جا سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ ایک دوسرے کی مالش کرتے ہیں۔ آپس میں کشتیاں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوتے ہیں۔

''باباٹلی'' نام کا ایک سیالکوٹی پاگل تین بار بارڈر کراس کر چکا ہے اور ہر بار سزا کاٹ کر پھر تمام مراحل سے گزرتا ہوا اپنے محبوب وارڈ آ پہنچتا ہے۔ اسے اب اس بات کا بھی علم ہے کہ بارڈر کراس کرنے پر کتنی سزا اور کنٹرول لائن عبور کرنے پر کتنا عرصہ قید ہوتی ہے۔ دو سال کی قید کے بعد جج کے سامنے دوبارہ پیشی ہوتی ہے، اگر جج اس کے پاگل پن پر مطمئن ہو تو اپنے حکم نامے میں پُش بیک (واپس پاکستان کی طرف دھکیلنے) کا پروانہ لکھتا

ہے۔ باباٹلی پش بیک کو ''پُت بیک'' کہتا ہے اور دوسرے پاگلوں کو تسلی دیتے ہوئے سمجھاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب جج تمہیں ''پُت بیک'' کر دے گا، ایک نوجوان پاگل جس نے اپنا نام ''لاجا'' بتایا وہ بھی ماریں کھا کھا کر اس جیل تک آ پہنچا جیل حکام اس کے ساتھ بھی شغل بازی کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر ''لاجا'' دن میں کئی بار انہیں بکرے کی آواز سناتا تھا۔ ایک بار وہ اپنے سینئر افسر کو تماشا دکھانے لے آئے ''لاجا'' اس وقت کچھ گنگنانے میں مشغول تھا، جیل حکام میں سے ایک نے آگے بڑھ کر مداری کی طرح پوچھا ''لاجا! بکرا کیویں کردا ہے'' یعنی بکرا کس طرح کرتا ہے۔ لاجے کو گانے کے دوران اس کی مداخلت ناگوار گزری، وہ خاموش کھڑا رہا۔ مداری سپاہی نے دوبارہ اپنی فرمائش دہرائی، لاجا تیزی سے سینئر افسر کے قریب آیا۔ پھر چستی سے اس نے افسر کی طرف پیٹھ کی اور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور اچھل کر دونوں لاتیں افسر کو دے ماریں اور پھر معصومیت کے ساتھ کہا ''صاحب جی! کھوتا ایویں کردا اے'' یعنی صاحب جی گدھا اس طرح کرتا ہے۔ سینئر افسر اس افتاد اور ذلت سے پریشان تھا جبکہ باقی سارے ملازم زور لگا کر اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ اس دن کے بعد سے ''لاجے'' کا تماشا بند ہو گیا۔

ایک اور پاگل جو دانشور بھی تھا، ہر افسوسناک بات کے بعد کہا کرتا تھا ''بس تیم دی کمی اے'' یعنی بس تعلیم کی کمی ہے، وہ کھانے کی تقسیم کے وقت اپنے تیم یافتہ (تعلیم یافتہ) ہونے کا ثبوت دیتا اور اپنا برتن کھنکھنا کر کہتا ''نین لالو، نین لالو'' یعنی لائن لگا لو......!
بات کچھ دور نکلتی جا رہی ہے، اصل میں بتانا یہ مقصود ہے کہ ان پاگلوں میں سے بعض تعویذ بھی دیتے ہیں اور قسمت کا حال بھی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو حیرانی ہو، مگر یہ حقیقت ہے اور اس کی بدولت یہ پاگل قیدی جیل میں دال کی بجائے ککّو (مرغا) کھاتے ہیں۔

ایک سیالکوٹی پاگل جس کے منہ سے ہر وقت رال ٹپکتی تھی اور وہ کثرت سے

تمباکو کھاتا تھا (یاد رہے کہ انڈیا میں نسوار کی جگہ تمباکو میں چونا ملا کر اسے ہونٹوں کے پیٹ میں دبایا جاتا ہے) ایک بار جیل کے ایک سپاہی نے اسے ازراہ ہمدردی تمباکو لا کر دیا، پاگل بابے نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھاگ بھرے الفاظ میں اعلان کر دیا کہ جا تجھے تین جھنڈیاں لگیں۔ پولیس میں تین جھنڈیاں (حولدار کو لگتی ہیں) خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دو چار روز بعد ہی اس سپاہی کی حوالدار رینک پر ترقی ہو گئی، بس پھر کیا تھا سارے سپاہی اس پاگل پر ٹوٹ پڑے، ہر کوئی اس سے کھلم کھلا جبکہ بعض افسر خفیہ طور پر تعویذ مانگنے لگے، مگر بابا بڑا جلالی تھا جو بھی اس کے پاس تعویذ کے لئے آتا وہ اسے گندی گالیاں دے کر کہتا پہلے متا کو (تمباکو) لاؤ پھر جو سپاہی بابا کے لئے متا کو لے آتا، بابا اس کی مختلف طریقے سے خاطر مدارت کرتا، کسی کو تھپڑ، کسی کو جوتا اور کسی کو بلغم کی سوغات دیتا اور ہندو سپاہی بابے کی بدبودار تھوک کو چہرے پر ملتے ہوئے دل میں خوشیوں کے ہزاروں کنول کھلائے رخصت ہو جاتے۔

بابے نے جب اپنی مقبولیت کا یہ عالم دیکھا تو تعویذ بھی لکھنا شروع کر دیئے۔ وہ وارڈ میں قید مجاہدین سے کاغذ لیتا اور اس پر کچھ الٹی سیدھی لکیریں لگا کر سائل کو تھما دیتا اور کہتا "کھلے نال کتیں کم ہو جائے گا" (اسے جوتے سے مارنا کام ہو جائے گا) بابے کی یہ دکانداری تادم اسارت چلتی رہی اور لوگوں میں اس کی عقیدت بھی آئے دن بڑھتی رہی۔

اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ راجوری (مقبوضہ جموں وکشمیر) کی جیل میں پیش آیا، جہاں ایک بوڑھا پاکستانی قیدی بند تھا وہ نہ تعویذ دیتا تھا اور نہ ہی دم کرتا تھا بلکہ اس کے پاس لوگوں کو دینے کے لئے صرف اور صرف خالص بلغم تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ لوگ اس طلسماتی سوغات کو لینے کے لئے اس بابے کے حضور قطاریں لگاتے تھے جیل کا عملہ تو ویسے ہی بابے کی بلغم کا اسیر تھا، باہر کے لوگ بھی کثیر تعداد میں جیل حکام کو رشوت دے کر بابے تک رسائی حاصل کرتے تھے اور بابا اپنے اس تحفے سے ہر خاص و عام کو نوازتا تھا۔

ان دنوں راجوری جیل میں ہر وقت موٹے تازے دیسی مرغے ذبح ہوتے رہتے تھے جو بابا کی طرف سے لازمی شرط کے طور پر لائے جاتے تھے، اتفاق ایسا ہوا کہ بابا بیمار پڑ گیا، ڈاکٹروں نے چیک اپ کیا تو پیٹ میں رسولی کا انکشاف ہوا۔ عقیدت کے مارے جیل حکام نے خلاف معمول پھرتی سے کاغذات بنائے اور بابے کو شہر کے اسپتال میں آپریشن کے لئے داخل کر دیا۔ راجوری اور اردگرد کے لوگوں کو خبر پہنچی تو اب اسپتال پر ان کا ہجوم ہوتا تھا اور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا بابا یہاں بھی سارا دن لوگوں کے چہروں اور پانی کی بوتلوں میں تھوک تھوک کر ہلکان ہوتا تھا۔

سری نگر کے ایک عقوبت خانے میں مجاہدین پر جب آرمی کا تشدد بڑھ گیا تو آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک مجاہد نے بلوچستان کے ایک مجاہد کو اپنا خلیفہ بنایا اور قسمت بتانے اور تعویذ دینے کا کام شروع کر دیا، ہندو فوجی تو پاگل عاملوں کے سامنے ماتھا ٹیکنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے جب کہ یہ دونوں عامل تو سمجھدار بھی تھے اور چالاک بھی۔ بس پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے تشدد کا سلسلہ بند ہو گیا اور ہاتھوں میں لاٹھیاں اٹھا کر ظلم کرنے والے لالہ وادر بہ فی کے ڈبے لئے ان دونوں عاملوں کے حضور کھڑے رہا کرتے تھے۔ بعض ہندو سپاہیوں نے ان سے اپنے گھر کی حالت پوچھی تو عامل صاحب نے ان کی بیویوں کے مشکوک حالات بتا دیئے۔ یہ سننا تھا کہ وہ سپاہی عقیدت سے مرنے لگے اور کہنے لگے آپ نے سچ بتایا وہ سالیاں تو ایسی ہی ہیں ہم نے تو آپ کا امتحان لینے کے لئے پوچھا تھا۔ آپ واقعی تانتر (عامل) ہیں۔

یہ سارے واقعات اور ان سے ملتے جلتے کئی اور واقعات ذہن میں اس لئے تازہ ہو گئے کہ آج کل گورنر پنجاب خالد مقبول صاحب نے پورے پنجاب میں نقلی عاملوں کے خلاف آپریشن شروع کر رکھا ہے۔ اللہ کرے یہ آپریشن کامیاب رہے کیونکہ اس ظالم

طبقے نے مسلمانوں کا رہا سہا ایمان بھی برباد کر رکھا ہے اور آج ایسی منحوس ہوا چل پڑی ہے کہ اچھے اچھے آدمی مستقبل کا کھوج لگانے کے لئے ہر ناجائز کام کر گزرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں اس گندگی اور غلاظت کی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہے، مگر شیطان نے عقلوں پر گرہیں لگا دیں ہیں اور اخبارات نے جھوٹے عاملوں کے اشتہارات چھاپ چھاپ کر اس کفر کو پھیلانے میں بھرپور مدد کی ہے۔ آپ میں سے اکثر قارئین نے اتوار کے خصوصی رنگین ایڈیشنوں میں عاملوں کے اشتہارات پڑھے ہوں گے کروڑوں روپے کا چیلنج، کالے جادو کا چرچا، بنگال اور آسام کے جنگلات کے مجاہدے اور ظالم محبوب پلک جھپکتے ہی قدموں میں...... حالانکہ اگر یہ عامل اتنے طاقتور ہوتے کہ ظالم محبوب کو نامراد عاشق کے قدموں میں جھکا سکتے تو وہ اخبارات میں اشتہار کیوں دیتے؟ وہ خود اپنے گاہکوں کو عمل کے ذریعے اپنے قدموں پر کیوں نہیں جھکا لیتے۔ آج چونکہ مسلمانوں کے لئے لندن اور نیویارک بہت مقدس نام بن چکے ہیں اس لئے ہر عامل کے اشتہار میں لندن اور نیویارک سے کھلے خط بھی ضرور شائع ہوتے ہیں۔ یہ بدبخت عامل اپنے پیشہ وارانہ اشتہارات میں کفر و اسلام کا بھی خیال نہیں رکھتے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کالے علم میں مہارت کا اعلان کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام میں جادو کفر ہے اور جادوگر کی سزا اسلام نے موت مقرر کی ہے۔ پھر ستم یہ کہ مسلمانوں میں غلیظ درجے کا شرک بھی پھیلایا جا رہا ہے۔ مثلاً چند دن پہلے ایک پروفیسر عامل کا اشتہار نظر سے گزرا اس اشتہار میں اس پروفیسر کو کئی نامور سیاستدانوں اور فلم اسٹاروں کے ہاتھوں کی لکیریں ٹٹولتے ہوئے دکھایا گیا ہے، میں نے سرسری نظر سے اشتہار کی عبارت کو پڑھا تو غم کی وجہ سے میرا سینہ جلنے لگا اس ظالم نے لکھا تھا کہ ”میں نے جب ”بن باس“ (جوگیوں کی ریاضت) شروع کی تو چالیسویں دن ہی مجھے ”ماتا کالی دیوی“ نے درشن دے دیئے“۔ ہمارے لئے ان کفریہ الفاظ کو لکھنا بھی مشکل ہے کیونکہ کالی دیوی

ہندوؤں کی مقدس دیوی ہے اور انہی دیوتاؤں اور دیویوں کو ماننے کی وجہ سے ہم ہندوؤں کو مشرک کافر اور نجس کہتے ہیں۔

ہائے افسوس! کہ مسلمانوں نے جب اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا تو یہ کہیں کے نہیں رہے اور تو اور اب تو اخبارات میں عیسائی عامل بھی دھڑلے کے ساتھ ”روحانی عملیات“ کے اشتہارات چھاپ رہے ہیں اور ساتھ یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ شناختی کارڈ دیکھنے پر اصرار کریں اور غلطی ثابت کرنے والے کیلئے پچیس لاکھ کا انعام، یعنی اب مسلمان اپنی خواہشات کے لئے عیسائیوں کے قدموں میں سجدے کرنے لگ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے پنجاب کے ایک قصبے میں ایک نقلی عیسائی ڈاکٹر کا انکشاف ہوا جو ڈاکٹری کے بھیس میں جادو ٹونے کا کام کرتا تھا اور مسلمانوں کو خنزیر کے بال اور گوشت وغیرہ کھلاتا تھا۔ معلوم نہیں کتنی عزتیں ان لٹیروں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں اور کتنے گھر ان ظالموں نے اجاڑ دیئے۔ کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے، کیا مسلمانوں کو یاد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجومیوں اور کاہنوں کی تصدیق کو نعوذباللہ اپنی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی) تکذیب قرار دیا ہے۔ کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں اور نجومیوں کو دیئے جانے والے نذرانے کو زانیہ عورت کی کمائی کی طرح ناپاک فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پاک نبی کے فرمودات بالکل واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ستاروں سے بلند قسمت نصیب فرمائی ہے، مگر مسلمان ابھی تک ستاروں کی لکیروں میں اٹک کر ذلیل ہو رہے ہیں۔ ان عاملوں اور نجومیوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ انہیں صحیح طریقے سے کلمہ تک نہیں آتا، گزشتہ کئی سال سے میں گوجرانوالہ کے ایک عامل کا

اشتہار پڑھ رہا ہوں جو امام مہدی کو امام مہندی لکھتا ہے اور خود کو اہل پاکستان کی قسمت کا (نعوذ باللہ) ستارہ سمجھتا ہے۔ بلکہ اب تو اس ظالم حرام خور نے اپنے بیٹوں کو بھی اس کالے دھندے میں لگا دیا ہے چنانچہ ہر ہفتہ واری اشتہار میں وہ اپنے بیٹوں کی تصویریں بھی شائع کرتا ہے تا کہ ان کی گندی ابھی سے پکی ہو جائے۔

جعلی پیروں کے گھرانے سے تعلق رکھنے والے ایک تائب نوجوان نے مجھے بڑی تفصیل کے ساتھ وہ چکر بازیاں بتائیں جن میں ان پیروں نے مسلمانوں کے غریب، کسان اور کمزور طبقے کو جکڑ رکھا ہے، وہ نوجوان یقیناً سچ بول رہا تھا، مگر اس کی بعض باتوں پر یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا، کیا واقعی دینی تقدس کے نام پر معصوم بچیوں کی عزتیں نیلام ہوتی ہیں۔ کیا پیری مریدی جیسے مقدس تعلق سے ہوس ناکی کے اژدھے پلتے اور بڑھتے ہیں؟ جی ہاں! یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑنے کی بدترین سزا مل رہی ہے۔ پنجاب حکومت کا حالیہ اقدام قابل تحسین ہے مگر اس طرح کے آپریشن کافی نہیں ہیں کیونکہ نفس پرستی کا جو جادو پوری قوم پر مسلط ہے اس نے مسلمانوں کو ان ناپاک عاملوں اور جعلی پیروں کا غلام بنا رکھا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان کی ایک نامور گلوکارہ کے حالات زندگی شائع ہوئے، موصوفہ نے قانونی طور پر صرف بارہ شادیاں رچائی تھیں، ان کے ایک سابق خاوند کا بیان ہے کہ وہ مردوں کو پھنسانے کے لئے کوے کے گوشت پر عمل کر کے کھلاتی تھی۔ کوے کا یہ طلسماتی گوشت کس کس نے کھایا اس فہرست کو پڑھ کر شرم آتی ہے، بڑے بڑے سیاستدان اور عسکری ماہرین ان چیزوں کی لپیٹ میں آتے رہے ہیں اور ابھی تک آ رہے ہیں۔

پنجاب حکومت کے حالیہ آپریشن کے دوران کئی عاملوں کے گھروں سے ہندو مردوں کی راکھ تک برآمد ہوئی ہے جو انڈیا سے اسمگل کر کے لائی جاتی رہی ہے، اس کے

علاوہ انسانوں کی کھوپڑیاں، کالی ہانڈیاں، مرے ہوئے کوے، جنگلی جانور اور ناپاک خون سمیت بہت ساری غلیظ چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔ کیا مسلمان کعبۃ اللہ، مسجد نبوی، حجر اسود، زمزم، مقام ابراہیم، صفا اور مروہ کو بھول کر اب خون پینے پر آ گئے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ حاجتیں پوری نہیں کرتا؟ کیا ہم یہودیوں اور ہندوؤں کی طرح (نعوذ باللہ) شرک ہو چکے ہیں؟ اس پورے سلسلے میں سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ جاہل عوام تو اپنی جگہ اب تو کئی صحیح العقیدہ مسلمان بلکہ علماء تک کو مستقبل کا حال معلوم کرنے کی فکر نے بے ایمانی کی طرف دھکیل دیا ہے اس وقت ہمارے ملک میں ایسی کئی پراسرار شخصیتیں موجود ہیں جن کے پاس غیب کی خبریں اور مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے وہ لوگ جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان کے دعویدار ہیں۔ خود سوچئے کہ ایک مسلمان کو اپنا ''کل'' معلوم کرنے کی فکر کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ جبکہ رب تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟

ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ستاروں سے افضل اور اشرف بنایا ہے اور اس نے ہمارا آج اور کل اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہمیں بتا دیا ہے کہ ہمارا کام اور ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ یقین کیجئے کہ جو شخص بھی اپنے ''کل'' کے بارے میں معلومات لینے کی فکر میں پڑ جائے گا اس کی زندگی کا سکون اور اطمینان غارت ہو جائے گا اور ایمان کی حلاوت اس کے دل سے نکل جائے گی اور اس کا دل سخت پریشانی اور بے چینی کا شکار ہو جائے گا۔ آخر قرآن و حدیث میں مسلمانوں کو بار بار توکل کی ہدایت کیوں کی گئی ہے۔

توکل کے معنی کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، اللہ تعالیٰ پر اعتماد، اللہ تعالیٰ پر یقین، اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور اللہ تعالیٰ پر اعتبار مگر ہم سکون کے اس پر کیف راستے کو چھوڑ کر توہمات کے کانٹوں بھرے ذلت آمیز راستے کو کیوں اختیار کرتے ہیں؟ بات لمبی ہو رہی

ہے مگر اسے مکمل کرنا بھی ضروری ہے اور اس موقع پر مجھے دو افراد کے حالات اور انجام کی یاد شدت سے آ رہی ہے۔

علم نجوم میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے ہیں اور ہمارے گمراہ مسلمان ہندوؤں کو اس فن میں اپنا استاد سمجھتے ہیں، ہندوستان کے تمام ماہر نجومیوں کا اتفاق ہے کہ منگل کے دن بال کاٹنا یا کٹوانا سخت منحوس عمل اور انتہائی نقصان دہ کام ہے، یہ بات میں نے کئی جگہ پڑھی اور پھر معلوم کروانے پر پتا چلا کہ ہندو لوگ اس کا بے حد اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں حجام منگل کے دن ناغہ کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے اس مغالطہ کا اثر ہم نے بہت سارے مسلمانوں پر بھی دیکھا ہے کہ وہ بھی منگل کے دن سر کے بال کٹوانے یا ڈاڑھی کا خط بنوانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اب سنیے کہ ہمارے مربی مرشد اور پیر مجدد العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب، نور اللہ مرقدہ، کا مستقل یہ معمول رہا ہے کہ آپ منگل کے دن اپنی مونچھوں اور ڈاڑھی کا خط بنایا کرتے تھے، اب آپ حضرت والا کے قریبی لوگوں سے پوچھیں کہ حضرت کی زندگی میں کہیں اس کا کوئی نقصان نظر آیا، آپ حیران ہوں گے کہ حضرت آخری دم تک کراچی میں اپنے گھر میں مقیم رہے جبکہ دنیا کی ایک نام نہاد سپر پاور نے ان کا نام دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا اور وہ مطلوب افراد کی فہرست میں بھی سرفہرست تھے، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اس مرد قلندر پر ہاتھ ڈال سکے؟ آپ نے عزت وسعادت کی زندگی گزاری، ساری زندگی علم اور مال بانٹا، صحت بھی قابل رشک رہی، آخری عمر تک کمر میں خم اور دانتوں میں نقص نہیں آیا اور جب بھی کسی نے حال پوچھا فرط مسرت سے فرمایا

''الحمد للہ! پروازیں ہیں پروازیں''

آخر وہ منگل والی نحوست کہاں گئی؟ باقی موت تو کوئی نحوست نہیں ہے۔ یہ تو

محبوب سے ملاقات کا ذریعہ ہے اور ہمارے حضرت نے زندگی کے آخری سال اس موت کے انتظار میں یوں گزارے جس طرح کوئی اپنے بچھڑے ہوئے یار کے استقبال کے انتظار میں بیٹھا ہو۔

اب دوسرا واقعہ سنیے، ہندوستان کے صوبے آندھرا پردیش میں ایک بڑا ہندو فنکار گزرا ہے اس کا نام این ٹی راما راؤ تھا، لمبے قد اور گورے چہرے والا یہ فنکار جب کافی مقبول ہوا تو اس نے سیاست میں قدم رکھا اور ''تیلگو دیسم'' نامی ایک پارٹی بنائی، انتخابات میں اس پارٹی کو اکثریت ملی اور این ٹی راما راؤ صوبے کا مکھیہ منتری (وزیر اعلیٰ) بن گیا۔ یہ شخص حد سے زیادہ توہم پرست تھا اور ہر معاملے میں نجومیوں سے مشورے کو لازمی سمجھتا تھا، اس نے نجومیوں سے حلف برداری کے لئے مبارک دن ڈھونڈنے کی فرمائش کی جو اسے لکیریں لگا کر بتا دیا گیا، وہ اس دن پارلیمنٹ ہاؤس جا رہا تھا کہ دروازے کے پاس پہنچ کر اس کے شاہی نجومیوں نے اسے روک دیا کہ جس سمت سے آپ داخل ہو رہے ہیں یہ منحوس ہے اگر اسے نہ بدلا گیا تو اقتدار پائیدار نہیں ہوگا، وہ وہیں سے واپس پلٹ آیا، تیرہ لاکھ روپے خرچ کر کے بابرکت سمت سے دوسرا دروازہ بنوایا گیا، جس سے داخل ہو کر اس نے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھایا۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد اس نے نجومیوں سے پوچھا کہ ہاتھ کی لکیریں اور ستاروں کا حساب لگا کر بتاؤ کہ میں بھارت کا وزیر اعظم بن سکتا ہوں یا نہیں؟ نجومیوں نے بڑی محنت سے حساب نکالا اور بتایا کہ اگر ایک مہینہ تک رات کو دلہن کی طرح عورت کا میک اپ اور لباس پہن کر سوئیں تو اقتدار کا دیوتا ضرور عاشق ہو جائیگا اور آپ ملک کے وزیر اعظم بن جائیں گے۔

قارئین حیران ہوں گے کہ نام نہاد سائنسی ترقی کے اس دور میں اس شخص نے ایک ماہ تک یہ عمل کیا اور بن سنور کر دلہن کے لباس میں سوتا رہا، مگر یہ سارے پاپڑ بیلنے کے

بعد نتیجہ کیا نکلا......؟ صرف دس ماہ کے بعد اس کے داماد نے اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے اس کا تختہ الٹ دیا۔ جس کے چند ماہ بعد یہ شخص مر گیا۔ وزارتِ عظمیٰ تو درکنار، وزیر اعلیٰ کا عہدہ بھی چھن گیا اور پھر موت کی رتّی نے اسے دنیا ہی میں آگ کے انجام تک پہنچا دیا۔ یہی معاملہ انڈیا کے سابق صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے ساتھ پیش آیا۔ یہ شخص ہر معاملے میں فال، نجوم اور شگون کے جھمیلوں میں پڑتا تھا اور ہر دن صدارتی محل میں اس دن کے مناسب رنگوں کے پردے لگواتا تھا، اس کی خواہش تھی کہ وہ دوبارہ صدر بنے اور اس کی چتا صدارتی محل سے شمشان گھاٹ تک جائے، مگر ہر طرح کی کوششوں کے باوجود وہ دوبارہ صدر نہ بن سکا اور صدارت چھوڑنے کے کچھ عرصے بعد سپردِ آتش کر دیا گیا۔

ہندوستان کے سابق وزیر اعظم ایچ ڈی دیوگوڑا کے خلاف جب اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک چلائی گئی تو اس نے اس تحریک کو ناکام بنانے کے لئے ہندوستان بھر کے مایہ ناز نجومی، پنڈت، تانترک، یوگی اور پجاری جمع کئے، ان سب نے مل کر طرح طرح کے تنتر منتر کئے، سینکڑوں من دیسی گھی اور صندل کی لکڑی آگ میں جھونکی اور ہر طرح کے پاپڑ بیلے، مگر قسمت کا لکھا اٹل رہا اور دیوگوڑا کی حکومت گر گئی۔ ان سب واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی قسمت کی بجائے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور ہندوؤں اور یہودیوں کی طرف سے آنے والی ان گندی وباؤں سے بچنا چاہئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں ایک نجومی نے ستاروں کی چال سے ڈرایا، حضرت نے اسے کیا جواب دیا لیجئے خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب اشعار پڑھتے ہیں۔

خوفنی منجم ابو خبل ؎

تراجع المریخ فی بیت الحمل

فقلت دعنی من اکاذیب الحیل

المشتری عندی سواء و زحل

ادفع عن نفسی افانین الملول

بخالقی و رازقی عز و جل

مفہوم (الو جیسے ایک نجومی نے مجھے ڈرایا کہ مریخ ستارہ حمل ستارے کی منزل میں لوٹ آیا ہے، میں نے اسے کہا مجھے ان جھوٹی دھوکہ بازیوں سے معاف رکھو، میرے نزدیک مشتری ہو یا زحل سب ستارے ایک جیسے ہیں (یعنی سب ستارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور انسانوں کی قسمت کے مالک نہیں ہیں) میں تو زمانے کے سانپوں اور مصیبتوں سے اپنا دفاع اپنے خالق و رازق بزرگ و برتر یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے کرتا ہوں۔)

سبحان اللہ! کیا خوبصورت کلام ہے کہ میرا خالق بھی موجود ہے اور رازق بھی تو پھر میں کیوں کسی اور در کے دھکے کھاؤں، ایک شخص اپنی لگائی ہوئی کھیتی کی کس قدر فکر کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کھیتی کا حقیقی خالق نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ تو ہمارا حقیقی خالق ہے۔ کیا وہ خود ہمارا خیال نہیں رکھے گا۔ اور پھر وہ رازق بھی ہے۔ وہ جانور جس کا مالک اسے وقت پر چارہ ڈالتا ہو کس قدر بے فکر ہوتا ہے، پھر انسان کو کیا فکر کہ ایک ایک کو ہاتھ دکھاتا پھرے اور ایک ایک پتھر، درخت، پرندے اور آہٹ سے ڈرتا پھرے۔

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ کچھ عرصہ پہلے پی آئی اے کا ایک جہاز حادثے کا شکار ہوا۔ اس میں جو لوگ جان بحق ہوئے ان میں پی آئی اے کا وہ افسر بھی شامل تھا جسے دست شناسی کا دعویٰ تھا اور پی آئی اے کا عملہ اسے ہاتھ دکھایا کرتا تھا، لیکن جب موت کا سفر آیا تو ہاتھ کی کوئی لکیر بروقت چغلی نہ کھا سکی اور نجومی کو اس سفر سے نہ روک سکی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''گلستان'' کے چوتھے باب

میں ایک نجومی کا واقعہ لکھا ہے کہ ”وہ ایک دن اپنے گھر میں داخل ہوا تو ایک غیر آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا، نجومی نے اسے گالی دی اور برا بھلا کہا، اس پر دونوں میں لڑائی ہو گئی، ایک اللہ والے صاحب دل کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست
چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

(تو کیا جانے کہ آسمان کی بلندی پر کیا ہے؟ جب تو یہ نہیں جانتا کہ تیرے گھر میں کون ہے)

بات جموں جیل کے پاگلوں سے شروع ہوئی تھی اور پہنچ گئی شیخ سعدی کے ممدوح نجومی تک......اس موضوع پر اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر دل میں یہ ٹیس اٹھتی ہے کہ مسلمان اب اس طرح کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیتے کیونکہ ہم لوگوں نے آخرت کو بھلا کر دنیا کو اپنا مقصود بنا لیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دنیا کی قسمت ہی سب کچھ ہے اور اس کی خاطر ہم اپنا ایمان اور سکون تک برباد کرنا آسان سمجھتے ہیں۔ آج قوم کا مزاج یہ بن چکا ہے کہ جب تک کوئی شخص شعبدے اور کرشمے نہ دکھاتا ہو اسے بزرگ یا ولی نہیں سمجھا جاتا۔

امریکا، انڈیا اور اسرائیل سے ٹکرانے والے عظیم مجاہد، قرآن مجید کی تفسیر لکھنے پڑھنے اور پڑھانے والے مفسرین، بخاری، مسلم اور طحاوی پڑھانے اور سمجھانے والے علماء ربانیین، لوگوں کو تزکیہ، اصلاح نفس اور ذکر اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے جوڑنے والے متقین و محسنین اور گلی گلی کوچہ کوچہ دین اور شریعت کا پیغام پہنچانے والے مبلغین اور مصلحین کو ولی نہیں سمجھا جاتا، ولی بس وہی ہے جو آپ پر چڑھے جادو کو دیکھ سکے، جادو کرنے والے رشتہ داروں کا نام بتا سکے، آپ کی قمیص اور کرتے کو ناپ کر چھوٹا بڑا کر سکے، فون پر نام

پوچھ کر آپ کی مشکلات کا خود اندازہ لگا سکے اور پھر آپ کو عملوں، تعویذوں اور بدشگونیوں کے کالے گڑھے میں مرتے دم تک دھکیل سکے۔

کاش! مسلمان کچھ سوچیں اور سمجھیں تاکہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں بچا سکیں۔

آج بھی الحمدللہ ایسے اللہ والے موجود ہیں جن کے پاس جا کر انسان کے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور فکر کا رخ دنیا سے آخرت کی طرف مڑ جاتا ہے، خود سوچئے کہ اگر آخرت نہ بنی تو ساری دنیا کا مال اور بادشاہت بھی مل جائے تو کیا فائدہ؟ ممکن ہے کہ ہمارے قارئین کرام میں سے بہت سارے حضرات اپنے اوپر جادو، ٹونا، آسیب، اثر یا دیو کا سایہ محسوس کرتے ہوں، اس میں شک نہیں کہ یہ تمام چیزیں انسان پر ہو سکتی ہیں، تب آپ کیا کرتے ہیں؟ یقیناً آپ کو علاج کروانا چاہئے، مگر ایک منٹ ٹھہریئے، علاج کے لئے قمیص، دھاگے، اگربتی کی دھونی کالے بکرے، سرخ مرغ اور سفید کوے وغیرہ کے پاپڑ بیلنے سے پہلے، عاملوں کی لاٹھیاں، جھڑکیاں اور چھریاں کھانے سے پہلے ایک خوش نصیب سچے عامل اور بزرگ حضرت مفتی رشید احمد نور اللہ مرقدہ کی مختصری کتاب ”آسیب کا علاج“ پڑھ لیجئے۔

تقریباً سوا سو صفحے کا مختصر رسالہ آپ دو گھنٹے میں پڑھ لیں گے، ممکن ہے اسے پڑھتے ہی جن بھاگ جائے، جادو ٹوٹ جائے، قسمت جاگ جائے بلکہ اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ رسالہ آپ کو عاملوں کے پاس دھکے کھانے والے مریض سے، خود ایک باوقار عامل بنا دے پھر آپ بھی...... جی ہاں! آپ بھی عامل کے پاس جانے کی بجائے خود عامل بن جائیں گے اور آسانی سے مریضوں کا علاج کر سکیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کالی آندھی اور اس سے بچاؤ کا طریقہ

مجاہدین کہاں مرگئے؟ لوگوں کے بچے مروا کر گھروں میں بیٹھ گئے؟ کروڑوں روپے کا چندہ کہاں گیا؟ اونچے دعوے اور شوقِ شہادت کے زمزمے کیا ہوئے؟ کدھر چلے گئے بڑھکیں مارنے والے اور امت کو جہاد پر ابھارنے والے۔ یہ وہ زہر یلے تیر ہیں جو اہل پاکستان بہت سخاوت کے ساتھ ان دنوں مجاہدین پر برسا رہے ہیں۔

یہ لوگ دنیا کے امن اور تہذیب کے لئے خطرہ ہیں، انہیں مارو، پکڑو، توڑو اور ذلیل کرو۔ یہ ظاہری طور پر جتنے بھی امن پسند بنیں۔ یہ زہر یلے سانپ ہیں جو کسی بھی وقت پھن اٹھا سکتے ہیں۔ ان کی تنظیموں کو توڑ دو، ان کے قائدین کو مار دو، ان کے معاونین پر کڑی نظر رکھو، ان پر ہرگز اعتبار نہ کرو، ان کے مکمل خاتمے کے لئے امریکہ سے مدد لو، برطانیہ سے گر سیکھو، پولیس کو جدید آلات سے لیس کرو، اپنے خفیہ اداروں کو غیر ملکی استادوں سے تربیت دلواؤ جیلیں اور عقوبت خانے ان سے بھر دو اور جب انہیں مار چکو تب ان کی قبروں کی بھی نگرانی کرتے رہو۔ یہ وہ اعلانیہ اور خفیہ تدبیریں ہیں جو مختلف حکومتوں اور سرکاری اداروں کی طرف سے مجاہدین کے خلاف تیزی سے زیر عمل ہیں۔

ہمارے بڑوں نے غلطی کی، غالباً بک گئے ہیں نہیں یار بک نہیں سکتے البتہ بزدل ہو گئے ہیں اور انہیں جان بچانے کی فکر پڑ گئی ہے۔ یار میں تو صاف بات کرنے کا

عادی ہوں۔ ہمارے بڑے بے غیرت ہو گئے ہیں، اب بھی کچھ نہیں کرتے تو معلوم نہیں کب کریں گے؟ ہم نے اصولوں پر بیعت کی تھی بے غیرتی پر نہیں، امارت اسلامیہ چلی گئی، ہزاروں لوگ شہید ہو گئے، گھروں پر دن رات چھاپے پڑ رہے ہیں، بوڑھوں اور باپردہ خواتین کو رسوا کیا جا رہا ہے، کیا اب بھی جہاد فرض نہیں ہے؟ گرفتار شدہ ساتھیوں کو ماں بہن کی گالیاں دی جاتی ہیں اور سپاہی رات کو شراب پی کر انہیں تشدد کا نشانہ بناتا ہے، مگر ان حالات میں بھی ہمارے مرکز کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ ایجنسیوں کے ناؤٹ بنے ہوئے ہیں، پہلے افغانستان کا بیڑہ غرق ہوا اب کشمیر سے پسپائی ہے۔ ایک دن پاکستان میں ڈاڑھی رکھنا بھی جرم قرار پائے گا، مدرسے بند کر دیئے جائیں گے، مساجد میں داخلہ پر مت ہوگا، اسلام کے خلاف اتنی سختی تو یورپ اور انڈیا میں بھی نہیں ہے، مگر ہمیں اوپر سے اب بھی یہی حکم آتا ہے کہ ملک میں کوئی کاروائی نہیں کرنی۔ ہم کہاں مریں، گھروں میں چھاپوں کے خوف سے بیٹھ نہیں سکتے اور باہر کاروائی کی اجازت نہیں، کشمیر میں خون ہم نے دیا جبکہ چیئرمینی سردار عبدالقیوم جیسے غدار کے حصے میں آئی اور ہماری قیادت کو انڈیا کا ایجنٹ تک قرار دے دیا گیا...... یار کیا کریں کچھ سمجھ نہیں آتی...... یہ وہ خیالات اور بے چینیاں ہیں جو بعض جہادی کارکنوں کے دماغوں اور زبانوں پر رینگ رہی ہیں۔

قارئین نے تین طبقوں کے خیالات پڑھ لئے، ان سب کو مجاہدین کی قیادت سے شکوے ہیں، پہلا طبقہ ان پر الزامات کے تیر برسا رہا ہے، دوسرا طبقہ انہیں جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جبکہ تیسرا طبقہ غصے، بے چینی اور اندرونی بغاوت کی آگ برسا رہا ہے۔ آخر ان حالات میں ہوگا کیا؟ اور اصل حقیقت ہے کیا؟ ان دو سوالوں پر غور کرنے سے پہلے دل چاہتا ہے کہ پاکستان کے "مظلوم مجاہدین" کے حسب حال ایک قصہ سنایا جائے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "گلستان" کے باب اول میں

درج ذیل حکایت قلمبند فرمائی ہے۔

''ایک بادشاہ کو ایسی خوفناک بیماری تھی کہ اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے، یونان کے اطباء کی ایک جماعت اس پر متفق ہوگئی کہ اس تکلیف کی کوئی دوا نہیں ہے مگر اس شخص کا پتہ جو ان صفتوں سے موصوف ہو۔ بادشاہ نے ان صفات کے حامل شخص کی تلاش کا حکم دے دیا، انتظامیہ نے ایک کسان کے لڑکے کو اُسی صورت میں پایا جو حکیموں نے بتلائی تھی، بادشاہ نے اس کے ماں باپ کو بلایا اور انہیں بہت سارا مال دے کر بیٹے کی قربانی پر راضی کر لیا، ملک کے قاضی (جج) صاحب نے بھی اس بارے میں فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کے لئے رعایا میں سے ایک شخص کا خون بہانا جائز ہے۔ بادشاہی حکم پر جب جلاد نے اس لڑکے کے قتل کا ارادہ کیا تو لڑکا آسمان کی طرف سر اٹھا کر مسکرانے لگا، بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس حالت میں ہنسنے کا کون سا موقع ہے؟ لڑکے نے جواب دیا، بچوں کا ناز ماں باپ پر ہوتا ہے۔ دعویٰ قاضی کے پاس لے جاتے ہیں اور انصاف بادشاہ سے چاہتے ہیں۔ اب ماں باپ نے دنیا کی حقیر دولت کی خاطر مجھے قتل کے لئے حوالے کر دیا، قاضی نے میرے قتل کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ اپنی بھلائی میری ہلاکت میں دیکھتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ بزرگ و برتر کے علاوہ میں کوئی پناہ نہیں دیکھتا۔ لڑکے کا یہ دردانگیز بیان بادشاہ کے دل پر اثر کر گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا 'میرا ہلاک ہو جانا ایسے بے گناہ بچے کا خون بہانے سے زیادہ بہتر ہے''۔

یقین کیجئے یہ کالم لکھتے وقت میری کیفیت بھی اس لڑکے جیسی ہے اور مجھے آسمان کے علاوہ کسی طرف دیکھنے کا یارا نہیں ہو رہا۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دیکھنا چاہئے ورنہ باقی ہر طرف اندھیر اور آپا دھاپی ہے۔ ملک کی حکومت مجاہدین کے خاتمے میں اپنی بقاء دیکھ رہی ہے اور مسلمانوں کا رویہ بھی ظالمانہ حد تک مجاہدین کے خلاف ہے، آخر کیا جرم

کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں نے؟ کوئی ہے جو اس بات پر غور کر سکے؟ کوئی نہیں کیونکہ طعنہ دینے والوں کو تیر برسانے سے فرصت ہی نہیں ہے۔ کچھ مجاہدین شبرغان کے قید خانے میں جانوروں سے بدتر سلوک کا ہدف ہیں، مگر آفرین ان پر کہ وہ اسلام سے دستبردار نہیں ہوئے۔ ابھی چند روز پہلے ان میں سے ایک کا خط ملا، وہ مظالم کے باوجود مطمئن تھا کیونکہ اس نے ابولہب کے ہاتھوں سے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پر برسائے جانے والے پتھروں کو یاد رکھا، کچھ مجاہدین گوانتاناموبے کے ایکسرے کیمپ میں عزیمت کی خاردار وادی عبور کر رہے ہیں، بعض انڈیا کی دور دراز جیلوں کے اندر سخت گرمیوں میں ہندوؤں کے تعصب اور مچھروں کی یلغار کے ساتھ ساتھ تنہائی کا شربت پی رہے ہیں۔

مجاہدین پر جو امتحان آیا ہے اس کے کس کس پہلو کا ذکر کروں، مگر اہل پاکستان کی منطق الگ ہے، اگر مجاہدین کچھ نہ کریں تب بھی گالیاں کہ بے غیرت ہیں اور اگر کسی مجاہد پر کسی کاروائی کی تہمت لگ جائے تب بھی گالیاں کہ بے وقوف اور جذباتی ہیں، کچھ کرو کچھ کرو کا نعرہ لگانے والوں نے حیدرآباد کی سزائے موت کے بعد کیا کیا......؟ کتنی عورتیں اس بچی کو دلاسہ دینے گئیں جس کا خاوند جوانی میں سزائے موت سن کر مسکراتا رہا، آٹھ ماہ کے عبدالھادی کو کتنے مسلمانوں نے جا کر سینے سے لگایا، کتنے بزرگ علماء اور مفکرین شیخ احمد سعید کو تسلی دینے پہنچے، کتنی عورتوں نے عمر شیخ کی والدہ کے آنسو بانٹے؟ کوئی نہیں گیا اور کوئی نہیں جائے گا، تا کہ دہشت گردی کا دھبہ نہ لگ جائے اور کہیں صاف دامن آلودہ نہ ہو جائے، حالانکہ امریکہ جیسے ملک میں ایک گورے بدمعاش نے جب اوکلاہاما سٹی میں دھماکہ کیا جس میں پونے دو سو امریکی مارے گئے، عدالت نے مجرم کو سزائے موت سنائی تو ملاقات کے لئے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ اوسطاً ڈیڑھ سو لڑکیاں روزانہ اسے خط لکھتی تھیں، مگر ہمارے ہاں ''پولیس گردی'' کے خوف سے اس کا رواج نہیں ہے البتہ ہم طعنے

دینے اور چندے گنوانے کے ماہر ہیں۔

مجھے اس بوڑھے شخص کی بات بسا اوقات بے حد تڑپاتی ہیں جو ہمارے ملک کا نامور سائنسدان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صرف اچھی عقل سے ہی نہیں بڑے اچھے دل سے بھی نوازا تھا، وہ اپنی تنخواہ اور آمدنی بچا بچا کر طالبان کے لئے ترقیاتی منصوبے شروع کرتا رہا۔ گیارہ ستمبر کے بعد اس کا یہ کارِ خیر "جرم" بن گیا، اس باشرع بزرگ کو اپنے ملک میں غیر ملکی تفتیش کاروں کے سامنے جواب دہ ہونا پڑا، اس دوران اخبارات میں اسے بدنام کرنے کے لئے ہر وہ بات چھاپی گئی جو ایک مسلمان کے لئے باعث افتخار ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ راسخ العقیدہ ہے، وہ جہاد کا حامی ہے، وہ طالبان کے لئے چندہ کرتا رہا ہے، اس نے افغانستان کی ترقی میں کردار ادا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ امریکہ کا مخالف ہے وغیرہ وغیرہ۔

میرا خیال تھا کہ ان سارے انکشافات کے بعد مسلمانوں کے دل میں اس کی محبت کے چراغ جل اٹھے ہوں گے، مگر جب اسے بے پناہ ذہنی تشدد کا نشانہ بنا کر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا تو عام مسلمان تو در کنار اس کے رشتے دار بھی اس کو اچھوت سمجھنے لگے، گویا کہ مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت کرنا نعوذ باللہ طاعون یا کوڑھ کا مرض ہے کہ جسے لگ جائے گا اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔

رہائی کے بعد اس بوڑھے نے جب درد اور کڑھن کے ساتھ اپنی یہ داستان ایک اخبار کو سنائی تو میرا سر شرم سے جھک گیا، دراصل ہماری اسی بے حسی اور کمزوری نے دشمن کو سہارا دیا ہوا ہے ورنہ کسی ایک واقعہ پر بھی اگر قوم اپنے اندر کی آگ باہر نکال کر دکھا دیتی تو بدخواہوں کا پتہ خوف سے پانی ہو جاتا، مگر ایسا لگتا ہے کہ کوہ ہمالیہ کی ساری برف اس سال دریاؤں میں گرنے کی بجائے مسلمانوں کے دل و دماغ پر گر چکی ہے، خیر چھوڑیئے اس غم کی

داستان کو۔ یہ داستان کچھ نہیں ہے، ہر زمانے میں مجاہدین اور باکردار لوگوں نے اسی طرح کانٹوں، بدنامیوں، طعنوں اور طوفانوں کا بیک وقت سامنا کیا ہے، بالآخر موت نے ان کو سچا کر دکھایا اور پھر ان پر طعنے کسنے والے ندامت کے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر موت نہ ہوتی تو اہل حق کے لئے معاملہ کتنا دشوار ہو جاتا، بے شک موت ایک نعمت ہے اور ایک ایسا قول فیصل ہے جو باطل سے حق کی جان چھڑاتا ہے، آج یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس زمانے کے مجاہدین یقیناً وقت کے اولیاء صدیقین ہیں کیونکہ ان کے لئے ریاکاری، نام و نمود اور دنیاوی شہرت و عزت کے سارے راستے قدرتی طور پر بند ہو چکے ہیں، وہ جب کوئی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں تو لاکھوں مسلمان انہیں صرف دل سے داد دے سکتے ہیں جبکہ زبان سے ہر کوئی ان کی مذمت کرتا ہے اور ان سے کھلم کھلا برأت کا اعلان کرتا ہے۔

گیارہ ستمبر کے واقعات سے لے کر اب تک جو کچھ ہوا مجاہدین کے اعمال صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے رہے اور انشاء اللہ اسی کے لئے رہیں گے۔ اب جو بھی جہاد کرتا ہے وہ گمنام ہوتا ہے، جو بھی کوئی کام کرتا ہے بدنام ہوتا ہے، زمین کے دروازے تنگ اور مسلمانوں کے دماغ مجاہدین کے لئے بند ہو چکے ہیں، غیر بھی ان کے خلاف ہیں اور اپنے بھی غیروں کے ہم مشن اور ہمنوا بن چکے ہیں۔ ظلم کے تپتے صحرا میں کبھی کبھار کوئی ایک آدھ بوند ٹپکتی ہے تو حلق میں چبھے کانٹے سے وقتی سکون مل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ عرفان صدیقی کی ششں جہت سے حفاظت فرمائے، وہ آندھیوں کے بیچ حق کا پرچم تھامے کھڑے ہیں، اللہ تعالیٰ روزنامہ "امت" کے جری مدیر رفیق افغان کو اپنی محبت کا شربت پلائے جس نے دعائیہ اشتہار چھاپ کر جرأت کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے، اللہ تعالیٰ مجید نظامی کے ٹھنڈے اور سکون آور سائے کو دراز کرے، انہوں نے شہداء کے ساتھ وفاداری کر کے

خوب اجر کمایا ہے۔خوف، بزدلی اور بے توجہی کے لق ودق صحرا میں بہنے والے قطرے اور بھی ہیں مگر افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان سب کی جرأت، ہمت اور بہادری کی جولا نگاہ غیر پاکستانی مجاہدین کے لئے وقف ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ بھی بڑی شجاعت اور خوش بختی کی بات ہے لیکن اپنوں کا بھی کچھ حق ہوتا ہے، کیونکہ جن آفاقی کرداروں کی آپ حضرات مدح سرائی کرتے ہیں (اللہ کرے کرتے رہیں) ان کے قدموں کی دھول میں کچھ ادھر کے لوگ بھی تھے جو آج اپنوں اور بیگانوں کے مظالم اور بے اعتنائی کا شکار ہیں، میرے خیال میں مجاہدین کو اس پر کوئی شکوہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا، مگر قوم کی مردہ رگوں میں جان تبھی آئے گی، جب یہاں کا باہمی شعور انگڑائی لے گا اور یہاں ایک دوسرے کے درد کو محسوس کیا جائے گا۔ اس قدر مفصل تمہید کے بعد اب میں اصل موضوع کی طرف آ رہا ہوں۔ قارئین کرام سے عموماً اور علماء کرام سے خصوصاً گزارش ہے کہ وہ ان معروضات پر توجہ کا کرم فرمائیں اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں تاکہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہم کوئی بھی غلط فیصلہ کرنے سے محفوظ رہ سکیں۔

راقم نے مضمون کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ پاکستان کے اکثر مسلمان ''مجاہدین'' سے ناراض ہیں کہ وہ کیوں آرام سے بیٹھے ہیں اور کچھ کرتے کیوں نہیں؟

دوسری طرف حکومت کے ادارے مجاہدین کو ستانے، پریشان کرنے اور انہیں ختم کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔

تیسری طرف بعض مجاہدین بھی اپنی قیادت کی امن پسندی سے شاکی اور ناخوش ہیں۔

ان تینوں باتوں کو اور گیارہ ستمبر کی باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہم بات آگے

بڑھاتے ہیں۔ گیارہ ستمبر کو جو کچھ ہوا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، یقیناً یہ ایک ایسا ''عالمی زلزلہ'' تھا جس نے ہر چیز کو یہاں تک کہ سوچوں تک کو الٹ کر رکھ دیا۔ آپ یقین کیجئے کہ اگر یہ حملہ زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ثابت نہ ہوتا تو امریکہ ایک دو روز ہی میں افغانستان پر حملہ کر دیتا، وہ اس ملک کے لوگوں کو تھوڑا بہت نقصان پہنچاتا اور پھر بات میدان جنگ سے مذاکرات کی میز پر آ جاتی اور پوری دنیا اس جنگ کی لپیٹ میں نہ آتی، مگر گیارہ ستمبر کا حملہ بہت سخت، خطرناک، نقصان دہ اور بھیانک ثابت ہوا اور اس حملے نے امریکہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، تب بہت طویل مشاورت کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمان دنیا کی ناقابل شکست طاقت بن چکے ہیں اور دنیائے کفر کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس طاقت کو ختم کر سکے، اب اس خطرے سے نمٹنے کا صرف اور صرف ایک طریقہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جائے کیونکہ مسلمان اس فدائی طاقت تک پہنچ چکے ہیں جو منٹوں میں دنیا کو تباہ کر سکتی ہے اور اس طاقت کا مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا کاٹنے لگے۔ آپ میرے اس دعوے کو محض اندازہ نہ سمجھیں بلکہ گیارہ ستمبر کے بعد کے واقعات کی کڑیاں ملا کر دیکھیں آپ کو اس بھیانک منصوبے کا یقین ہو جائے گا۔

افغانستان میں یہ منصوبہ کسی قدر کامیاب رہا اور وہاں افغانوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا، اب امریکہ وہاں سے آہستہ آہستہ کھسک رہا ہے اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ وہ اسلحہ، ڈالر، دباؤ اور بمباری کے ذریعے افغانوں کو اس وقت تک لڑاتا رہے گا جب تک اس بہادر قوم کا بھرکس نہیں نکل جاتا۔ افغانستان میں امریکی اقدامات کا تفصیل سے جائزہ لیجئے، وہ اس ملک کو تین چار صوبوں میں بانٹنے کی طرف لے جا رہا ہے اور آئندہ خانہ جنگی جاری رکھنے کے لئے رات دن ایک کر رہا ہے، افغانستان کے بعد

امریکہ کا اہم ترین ہدف پاکستان ہے اور امریکہ کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ پاکستان کے اندر خوفناک خانہ جنگی شروع ہو جائے، جس کی آڑ میں امریکہ اس ملک کو اپاہج، مفلوج اور بے کار بنا سکے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا تکونی اتحاد پاکستان کو اپنے لئے افغانستان سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔ امریکہ کو پاکستانیوں کی دینی محبت اور مزاج کا بخوبی اندازہ ہے چنانچہ اس نے ہماری حکومت پر بے پناہ دباؤ ڈال کر اس سے ایسے اقدامات کرائے جن کے نتیجے میں خانہ جنگی یقینی تھی۔ یہاں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری حکومت اور خاص طور سے اس کی بعض وزارتوں نے امریکہ، انڈیا اور اسرائیل کے اس گھناؤنے کھیل میں نادانستہ طور پر دشمن کا ساتھ دیا، مگر ابھی تک سب حیران ہیں کہ یہ ملک خانہ جنگی کا شکار کیوں نہیں ہوا، اسلام دشمن طاقتوں کی نظر میں پاکستان کی تین چیزیں ان کے لئے زہر کی طرح خطرناک ہیں۔ (۱) فدائی مجاہدین (۲) دینی مدارس اور علماء کرام (۳) ایٹمی طاقت۔ ان تینوں چیزوں کو ختم کرنے کا طریقہ کار یہ طے پایا تھا کہ بعض اشتعال انگیز اقدامات کے ذریعے مجاہدین کو بھڑکایا جائے تا کہ وہ حکومت کے خلاف مسلح کاروائیاں شروع کریں، جب لڑائی زوروں پر پہنچ جائے تو حکومت کو مجبور کیا جائے کہ دہشت گردی کی بنیاد اور جڑ مدارس ہیں تم انہیں ختم کرو۔ حکومت جب مدارس کو ختم کرنے لگے گی تو عوام میں ردعمل پیدا ہوگا، تب امریکا ایٹمی طاقت کو یہ کہہ کر اٹھا لے جائے گا کہ ہمیں اس کے غیر محفوظ ہاتھوں میں آنے کا خطرہ ہے۔ یوں تینوں چیزیں ختم ہو جائیں گی (۱) فدائی اپنے ہی مسلمانوں پر دھماکے کر کے مریں گے اور جو بچ جائیں گے انہیں حکومت مار دے گی۔ (۲) فدائیوں کی آڑ میں دینی مدارس کو حکومت کے ذریعے ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ (۳) ایٹمی طاقت امریکہ خود اٹھا کر لے جائے گا، اب جو پاکستان بچ جائے گا وہ یا تو ایڈوانی کے منصوبے کے مطابق

بھارت کی کنفیڈریشن کا حصہ بن جائے گا یا پھر وہ چین کو دبانے اور وسطی ایشیاء کا تیل چوسنے کے لئے ایک محفوظ امریکی اڈہ ہوگا۔

اب آپ امریکی دباؤ اور پاکستانی حکومت کے اقدامات پر نظر ڈالئے کہ عوام اور مجاہدین کو موت کا میدان سجانے پر کس قدر مجبور کیا جا رہا ہے۔

(۱) افغانستان کے قتل عام میں پاکستان کی حد سے زیادہ شمولیت۔

(۲) افغانستان سے ہجرت کر کے آنے والے مقدس مجاہدین پر چھاپے اور ان کی قتل و غارت۔

(۳) مخلوط انتخابی ضابطے کا اعلان تا کہ کفر و اسلام کا فرق مٹا کر مسلمانوں کو برانگیختہ کیا جائے۔

(۴) ووٹر لسٹ سے ختم نبوت پر ایمان کی شرط کا خاتمہ، تا کہ مسلمانوں میں جوش پیدا ہو۔

(۵) مقبول ترین جہادی تنظیموں پر پابندی، ان کے قائدین کی گرفتاری اور کارکنوں پر تشدد تا کہ یہ لوگ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے نظریے پر عمل پیرا ہوں۔

(۶) سود کے بارے میں حکومت کا کھلم کھلا معاندانہ رویہ تا کہ قوم زچ ہو جائے۔

(۷) پاکستان میں ایف بی آئی اور دیگر غیر ملکی اداروں کی کھلم کھلا اعلانیہ کاروائیاں تا کہ عوام کی غیرت انہیں لڑنے پر آمادہ کر دے۔

(۸) مدارس اور مساجد کے خلاف آنیوالے غیر انسانی قوانین تا کہ دیندار طبقہ بے عزتی کی زندگی پر موت کو ترجیح دے۔

(۹) شدید مہنگائی تا کہ عوام کا جینا دوبھر ہو جائے اور وہ موت کو ہی نجات دہندہ

سمجھیں، عجیب بات یہ ہے کہ جب زرمبادلہ کے ذخائر ختم تھے تو چیزیں سستی تھیں۔اب سات ارب ڈالر کے ذخائر جمع ہیں مگر ہر دن مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

(۱۰) قبائل کی طرف سخت آپریشن تاکہ قوم اپنے دینی مستقبل سے مایوس ہو کر لڑائی کا راستہ اختیار کرے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری حکومت نے یہ تمام اقدامات غیر ملکی دباؤ کے تحت کیے اور انہیں ہر کام پر بش، بلیئر، کوفی عنان اور کولن پاول نے شاباش دی اور تھپکی دے کر کہا کہ ابھی کچھ اور بھی کرو۔ ہماری حکومت خود بھی چونکہ دین سے بیزار ہے اس لئے وہ سر جھکا کر سب کچھ کرتی رہی، مگر امریکہ کے تھینک ٹینک حیران رہ گئے کہ اتنا کچھ کرنے کے باوجود پاکستانی قوم جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھی اس نے جنگ کیوں شروع نہیں کی؟ تب یہ فیصلہ ہوا کہ مسئلہ کشمیر پاکستان کا ایک نازک عضو ہے کیوں نہ اسے چھیڑ کر آزمایا جائے، چنانچہ بش نے انڈیا کو کُش کہا اور جیک اسٹرا نے جیک لگایا تو انڈیا اپنی فوجیں سرحد پر لے آیا، تب ساری دنیا نے مل کر پاکستان کو درج ذیل خوفناک اقدامات پر مجبور کیا۔

- مجاہدین کی لانچنگ اور اخلاقی امداد بند کی جائے۔
- مقبول مجاہد رہنماؤں کو انڈیا کے حوالے کیا جائے۔
- کشمیر میں ہونے والی جہادی کارروائیوں کو دہشت گردی کی کارروائیاں قرار دیا جائے۔

دشمنوں کو یقین تھا کہ اگر پاکستان نے یہ تینوں کام کر لئے تو فوج سمیت ہر ادارے میں باہمی لڑائی شروع ہو جائے گی اور پاکستان ایک خوفناک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا۔

اب ہماری حکومت ان تین معاملات پر شدید مخمصے کا شکار ہو گئی، این جی اوز سے تعلق رکھنے والے وزراء اور سیاستدانوں کا خیال تھا کہ ان مطالبات کو ماننے میں کیا حرج ہے؟ سب سے پہلے پاکستان کی خاطر کشمیر کا بوجھ سر سے اتارنا ہی پڑے گا، مجاہدین کو حوالے کرنے سے کون سی قیامت آجائے گی؟ بلکہ ہمارا بھلا ہے کہ ملک شدت پسندوں سے پاک ہو جائے گا، اسی طرح جہادی کارروائیوں کو دہشت گردی کہنے سے ہمارا کون سا وضو ٹوٹ جائے گا۔ ممکن ہے حکومت اس معاملے پر بھی جھک جاتی، مگر حالات کے کالے بادل اس زور سے گرجے کہ ملک کے سارے ادارے ہل کر رہ گئے۔ چنانچہ اب حکومت بیچ دروں اور بیچ بروں کی کیفیت میں مبتلا ہے، وہ نہ اس مسئلے کو نگل سکتی ہے اور نہ اگل سکتی ہے۔ اب اس پورے معاملے پر از سر نو نظر ڈال کر ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس بارے میں اب تک تین آراء سامنے آرہی ہیں۔

(۱) حکومت کے خلاف مسلح کارروائی یا بالفاظ دیگر اعلان جہاد۔

(۲) جمہوریت کی بحالی اور جمہوری اداروں کا احیاء۔

(۳) زوردار احتجاجی تحریک۔

اب آیئے ان تینوں آراء یا تجاویز پر زمینی حقائق کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں۔

(۱) مسلح تحریک...... اس بارے میں پاکستانی عوام کے جذبات یقیناً بے حد گرم ہیں، افغان مسلمانوں کے قتل عام، پاکستانی مجاہدین کی سرکوبی، غیر ملکی اہلکاروں کو اڈوں، دفتروں اور درجنوں مراکز کی فراہمی، جہادی تنظیموں پر پابندی، مجاہدین پر تشدد اور ان کی گرفتاری، آئے دن پڑنے والے ظالمانہ چھاپے، حکومت کے اعلیٰ اہلکاروں کی دین بیزاری، ملک کو (نعوذ باللہ) سیکولر بنانے کے اعلانات، سود کی کھلم کھلا تائید، سرکاری اداروں میں دیندار اہلکاروں کی نگرانی، دینی اور جہادی قیادت کو مارنے اور بدنام کرنے کی

سازشیں، جہاد کشمیر سے بے وفائی، فحاشی، عریانی اور شراب نوشی کی سرپرستی، این جی اوز کے کالے سانپوں کی اوپر تک باثر رسائی، قادیانیوں کو ملنے والی کھلی چھوٹ، خفیہ ایجنسیوں کی تطہیر کے نام پر دین دار آفیسروں اور کارکنوں کی برطرفی، ایف بی آئی اور پاکستانی خفیہ اداروں کی مشترکہ فورس کا اعلان، کشمیری مجاہدین کو دہشت گرد قرار دینے کے اشارے، ہر دوسرے دن کولن پاول، جیک اسٹرا اور رچرڈ آرمیٹج کے زہریلے ٹیلی فون، حکمرانوں کا خود کو امریکی دباؤ کے سامنے بے بس قرار دینے کا رجحان اور غیر ملکی دباؤ کے تحت کمر توڑ مہنگائی، یہ وہ عوامل یا دلائل ہیں جو مسلح تحریک کی دعوت دیتے ہیں، افغانستان میں قید پاکستانی مجاہدین کی بے بسی، طالبان کے خون بھرے آنسو اور قیامت خیز شکوے، خود پاکستان میں مجاہدین کے ساتھ بلاقصور ذلت آمیز سلوک، یہ سب کچھ جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان سارے اسباب میں سے صرف دو چار بھی اس ملک میں جنگ بھڑکانے کے لئے کافی تھے، مگر ابھی تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہم اس داخلی خانہ جنگی سے بچے ہوئے ہیں، ورنہ حکومت نے جس اندھے پن کے ساتھ غیر ملکی دباؤ قبول کیا ہے اس کے نتیجے میں معلوم نہیں اب تک کیا سے کیا ہو چکا ہوتا؟ کیا قوم سمجھتی ہے کہ مجاہدین بے غیرت ہو چکے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ اگر جہاد کا جذبہ مسلمانوں میں سے نکل جائے تو نعوذ باللہ قرآن مجید کو کون سچی کتاب کہے گا؟ پھر وہ لوگ جو مجاہدین کو کچھ نہ کرنے کا طعنہ دیتے ہیں وہ کیوں نہیں سوچتے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے جو اس نے کسی خاص طبقے، جماعت یا گروہ کو نہیں دیا، یہ تو ہر مسلمان پر نماز، روزے اور حج کی طرح فرض ہے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو طعنہ دیں اور خود کو اس حکم سے مستثنیٰ سمجھیں۔

مجاہدین نے بخدا اپنے خون کو نہیں بھلایا اور نہ وہ جہاد کی راہ سے منحرف ہوئے

ہیں، حکومت بھی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس نے چند افراد کو پکڑ کر اور جہاد کے دفاتر بند کر کے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ یا قرآن کو شکست دے دی ہے، نہیں رب کعبہ کی قسم نہیں، قرآن ہر دور میں مجاہد کھڑے کرتا رہے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر قیامت لانے کا حکم نہیں دینا، اسلام بھی رہے گا اور اس کے سنگ جہاد بھی معطر خون اور منور شہادتوں کے ساتھ چلتا رہے گا، جہاد کسی تنظیم، کسی جھنڈے، کسی فرد، کسی بینر، کسی مونوگرام اور کسی جلسے جلوس کا محتاج نہیں ہے، جہاد کے لئے اگر مدارس کے دروازے بند ہو جائیں تو وہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بھی اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے، اور تو اور لندن اور امریکہ کے اسکولوں میں پڑھنے والے مجاہد بن کر نکلتے ہیں۔ مدرسوں کو جہاد کی جڑ سمجھنے والے غلطی پر ہیں، عرب ممالک میں تو ایک بھی آزاد مدرسہ نہیں ہے، وہاں تو سارے ماڈل مدارس ہیں، مگر وہاں کی یونیورسٹی سے نکلنے والے انجینئر اسامہ بن لادن کو آج کون نہیں جانتا۔ روس نے ستر لاکھ مسلمان اور مجاہدین شہید کئے مگر کیا مجاہدین کم پڑ گئے، یہ ہزاروں طالبان کہاں سے آ گئے؟ امریکہ نے لاکھوں ٹن بارود برسایا مگر وہ دس فیصد کامیابی کا دعویٰ کرنے سے بھی گھبرا رہا ہے، پاکستان کی غیر ملکی این جی اوز اور کچھ ادارے حکومت کو خواہ مخواہ گمراہ کر رہے ہیں کہ اس کے اقدامات سے مسلمان جہاد کو بھول جائیں گے، پاکستان کے پاس انڈیا سے زیادہ پولیس اور فوج نہیں ہے، سات لاکھ انڈین آرمی کشمیر کی تحریک کو ختم نہیں کر سکی تو کسی اور کو خواب میں کون سے گھچھڑے نظر آ رہے ہیں۔ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہماری حکومت امریکہ سے تعاون لے کر لشکر طیبہ، جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حرکۃ المجاہدین اور البدر سمیت تمام تنظیموں کے ایک ایک کارکن کو پکڑ کر گولی مار دے تب بھی جہاد کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور جس دن پاکستان کے مسلمان تنگ آ گئے اس دن کراچی سے پشاور تک ایک ایک گلی سری نگر کا نقشہ پیش کرے گی، مگر پاکستان میں چلنے والی جہادی دعوت

اصولوں پر مبنی تھی، ان مجاہدین کے ایجنڈے میں کسی نام کے مسلمان کو مارنا بھی شامل نہیں تھا، یہ لوگ پاکستان کو مسجد کی طرح مقدس سمجھتے رہے، ان لوگوں نے اپنے کارکنوں کے دل میں یہاں کی فوج اور پولیس کے خلاف کوئی آگ نہیں بھڑکائی تھی۔ اسی لئے جب حکومت نے انہیں ہتھکڑیاں پہنائیں تو انہوں نے شرافت سے ہاتھ آگے کر دیئے، جب ان پر لاٹھیاں برسیں تو انہوں نے اپنے جسم پیش کر دیئے، مگر افسوس کہ امن پسندی کے اس مظاہرے پر بھی حکومت کو کوئی شرم نہ آئی اور وہ اسے اپنی کامیابی سمجھتی رہی، حالانکہ کسی کے سر میں دماغ موجود ہو تو وہ یہ بات سوچ سکتا ہے کہ جو لوگ اٹھارہ ہزار فٹ اونچے پہاڑوں کو عبور کر کے انڈین آرمی کے کیمپ تہس نہس کر سکتے ہیں وہ کہیں بھی کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ گولی بہر حال گولی ہوتی ہے، وہ انڈین سپاہی کی رائفل سے نکلے یا پاکستانی سپاہی کی، جس دل سے گولی کا خوف نکل جاتا ہے کسی کی گولی نہیں ڈرا سکتی۔

جہادی تنظیموں پر پابندی اور جہادی قائدین کی ذلت آمیز گرفتاری کے بعد جب ملک میں کوئی آگ نہیں بھڑکی تو حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ تشکر کے طور پر ان مجاہدین کے قدموں میں گر جاتی کہ جنہیں دہشت گرد کہا جا رہا تھا وہ مسلمانوں کے حق میں اور اپنے ملک کے مفاد میں کتنے صابر اور وفادار نکلے، مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حکومت نے اسے اپنی طاقت، قوت اور انتظامی صلاحیت کا نتیجہ سمجھا، کئی لوگوں نے بڑے بڑے انعامات لئے، بعض کو تمغوں سے نوازا گیا اور پر امن طریقے سے گرفتاری دینے والے جہادی قائدین کے بارے میں پولیس والوں نے من گھڑت داستانیں بنائیں کہ ہم نے انہیں کتنی محنت اور مشکل سے پکڑا ہے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے علماء اور عوام کو چاہئے کہ وہ ان مجاہدین کے صبر پر انہیں داد دیں اور ان کے ساتھ محبت اور تعاون کا کندھا ملائیں، اس لئے کہ اگر یہ لوگ پاکستان میں جنگ کی آگ بھڑکا دیتے تو اس کا فائدہ صرف اور صرف کافروں کو ہوتا

اور مسلمان ہر طرح سے نقصان اٹھاتے، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ افغانستان پر امریکی بمباری کے دوران حضرت امیر المومنین کو بھارت نے پاکستان کے خلاف کاروائی کرنے میں تعاون کی پیش کش کی تھی، حضرت امیر المومنین ایک سچے مجاہد ہیں اور سچا مجاہد ہمیشہ اپنے جہاد کو شرعی اصولوں کے تابع رکھتا ہے۔ آپ نے بھارتی تجویز کے جواب میں فرمایا، پاکستان نے ہم مسلمانوں کے خلاف کافر امریکہ کی مدد کر کے غلطی کی ہے، اب ہم کافر انڈیا کے ساتھ مل کر مسلمان پاکستان کے خلاف قدم اٹھانے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ آپ یقین کریں کہ اگر امیر المومنین چاہتے تو پاکستان کے خلاف ایک موثر جنگ شروع کر سکتے تھے، طورخم اور اسپین بولدک کے راستے کھلے تھے اور پاکستان میں بھی لوہا گرم تھا مگر مرد مجاہد اور مجدد زمانہ نے حالات کو بھانپ لیا کہ دشمن اس خطے میں صرف افغانستان ہی کو نہیں پاکستان کو بھی ختم کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ چنانچہ آپ نے جنگ کا وہ طریقہ اختیار فرمایا جس پر ہمارے گھر بیٹھے مفکرین نے خوب مذاق اڑایا، مگر آج زمینی حقائق پھر امیر المومنین کی صداقت اور فراست پر ان کے قدم چوم رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان الفاظ کے ذریعے پاکستانی حکومت کی وکالت نہیں کر رہا بلکہ یہ بات عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس ملک میں اس جنگ کا چھڑ جانا جس کے حالات امریکہ، انڈیا اور خود پاکستان کی حکومت پیدا کر رہی ہے فی الحال مسلمانوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ ہاں اگر دین اور شریعت کو سمجھنے والے علماء کرام ملک میں جہاد کو ناگزیر سمجھتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ جہاد خالص شرعی ہوگا تو وہ بسم اللہ فرمائیں اور صرف ایک فتویٰ اس سلسلے میں جاری فرما دیں، پھر اگر کچھ نہ ہو تو بے شک وہ مجاہدین کو کافر اور واجب القتل قرار دے دیں۔ فی الحال تو جنگ اس لئے نہیں ہو رہی کہ پولیس والے بھی مسلمان، فوج والے بھی مسلمان اور مجاہدین بھی مسلمان۔ جدھر سے بھی گولی چلے گی مسلمان کا لاشہ گرے گا، مسلمان بچے یتیم ہوں گے،

مسلمان مائیں اپنے لخت جگر کھوئیں گی اور مسلمان بہنیں بیوگی کا جوڑا پہنیں گی۔اللہ کی قسم شہادت بہت لذیذ ہے اور عارضی زندگی کی خاطر اس سے محروم رہنا بڑی بدبختی ہے مگر شہادت جہاد میں ملتی ہے اور جہاد کے شرعی ہونے کا فیصلہ علماء کرام نے کرنا ہے۔

میں علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں دوٹوک فیصلہ فرمائیں، جب نماز کا وقت ہو جائے تو لوگوں کو نماز کی طرف بلانا مؤذن کی ذمہ داری ہے آپ حضرات شریعت کے مؤذن اور اسلام کے مفتی ہیں،موت کا وقت مقرر ہے،تقدیر اٹل ہے اور اپنے فرائض سے غافل رہنے والے ایک سانس بھی زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔جہادی قائدین کے پاس قوم کے بچے اسلام کی امانت ہیں وہ انہیں خالص شرعی جواز کے بغیر موت کی طرف دھکیلنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔آپ حضرات اگر شریعت کی رو سے جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں تو پھر دیر مت کیجئے صرف آٹھ دس بڑے مفتی حضرات جمع ہو کر جہاد کا فتویٰ صادر فرمادیں۔

حکومت زیادہ سے زیادہ انہیں گرفتار کرے گی،مگر جب تحریک کے شعلے بلند ہو جائیں گے تو انشاءاللہ حکومت ان حق پرست علماء کے قدموں میں جھک جائے گی۔خدارا مجاہدین کو طعنوں اور ضمیر کے بوجھ سے بچائیں اور اس نازک گھڑی میں قوم کی رہنمائی فرمائیں،آپ تو اس پاک نبی کے وارث ہیں جو زخمی جسم لے کر روضہ مبارک میں اترے، جنہوں نے ستائیس جنگوں کی کمان فرمائی، جو مشرکین، یہود اور روم وفارس کی مشترکہ طاقتوں سے نہ ڈرے۔جنہوں نے شہادت کی موت کا مزا امت کو تحفے کے طور پر دلوایا۔اگر جہاد فرض ہے تو پھر بات چھپانا گناہ ہے اور اگر ابھی فرض نہیں ہے تو پھر مجاہدین کو قصوروار نہ قرار دیا جائے، کیونکہ ان لوگوں نے ماضی میں امت کی طرف سے جہاد کا فریضہ ادا کر کے کوئی گناہ نہیں کیا،میری مجاہدین کرام سے درخواست ہے کہ وہ شریعت کی پیروی کریں،اپنے اعمال

اور نیتوں کی اصلاح کریں،اپنے امیر کی نافرمانی اور تنقیص سے بچیں اور کسی طرح کے خوف، گھبراہٹ اور وسوسوں کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ابھی دنیا باقی ہے اسلام باقی ہے، جہاد باقی ہے۔اونچ نیچ آتی رہتی ہے،ہماری امن پسندی صرف اس وقت تک ہے جب تک شرعی حکم نہیں آجاتا یا حکومت ہمیں بالکل مجبور نہیں کر دیتی۔آپ حضرات اپنے وضو اور نماز کو درست کریں،نفل روزے رکھیں،تہجد کا اہتمام کریں اور اپنے نظریات کے سرسبز باغ کو گناہوں کی بادِ سموم اور نفاق واختلاف کی صرصر سے محفوظ رکھیں،اللہ تعالیٰ کے پاک نبی نے جہاد بھی کیا اور صبر بھی،ہمیں الحمدللہ دونوں سنتوں کا موقع مل رہا ہے۔

(۲)جمہوریت کی بحالی......بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر جمہوریت بحال کر دی جائے تو ملک بچ سکتا ہے۔ہمارے خیال میں یہ محض ایک خواب ہے جس کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے،پاکستان کا انتظامی ڈھانچا ایسا ہے کہ جو بھی اس کے پیٹ میں سے گزرتا ہے وہ آمر بن کر ہی نکلتا ہے،آپ بکرے کو گھاس کھلائیں یا بادام......باہر جو بھی نکلے گا مینگنی بن کر نکلے گا،ہم نے نواز شریف صاحب کا دور دیکھا ہے،ان کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کا ہر نیک اور مخلص بندہ اُن سے تنگ تھا،اور ان کے گرد اسلام آباد کا وہ مخصوص دین بیزار طبقہ اپنا گھیرا کس چکا تھا جو ہر حکمران کو آمر مطلق،لبرل اور دین دشمن بنا دیتا ہے،ہم نے بےنظیر صاحبہ کا دور دیکھا ہے انہوں نے ملک اور دین کو کس کھاتے میں رکھا؟

پاکستان کے بعض ادارے بالکل آزاد اور خودمختار ہیں۔پولیس آج بھی وہی بولی بولتی ہے جو وہ پچھلے حکمرانوں کے دور میں بولتی تھی اور جب کوئی نیا حکمران آئے گا تب بھی ایس ایچ او کی بادشاہی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ہر حکومت کی بغل میں کوئی نہ کوئی سردار آصف علی، جاوید جبار اور جاوید اشرف جیسے لوگ دین اور علماء کے خلاف لمبی زبانیں لئے موجود ہوتے ہیں۔ہر حکمران کو مسجد کے مینار چبھتے ہیں اور غیروں کی خوشنودی کے لئے

اپنوں کے گلے کاٹنا ہر حکمران اپنی روشن خیالی اور ترقی پسندی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس طرح کی مفلوج جمہوریت آنے سے کوئی کام بنے گا، ہاں اگر 1973ء کے آئین کو زیر عمل لایا جائے اور اس آئین کی روح کے مطابق ہر ادارہ اپنے کام کو سنبھالے تو ممکن ہے ہم کچھ عرصہ آزاد نہ سہی، ایک نیم آزاد قوم کی طرح جی سکیں۔

(۳) احتجاجی تحریک...... بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کے دینی و جہادی طبقے اور عوامی جماعتیں مل کر ایک زوردار تحریک چلائیں تاکہ حکومت اپنا قبلہ درست کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس وقت ہمارے مصائب کی سب سے بڑی ظاہری وجہ یہ ہے کہ ہماری حکومت امریکہ کے سامنے اور ہم اپنی حکومت کے سامنے بری طرح جھکے ہوئے ہیں۔ امریکہ ہماری حکومت کو دباتا ہے اور حکومت جی سر ”جی سر“ کہتے نہیں تھکتی، پھر حکومت اپنا بدلہ عوام پر اتارتی ہے اور عوام بھی جھکنے میں عار محسوس نہیں کرتی، آپ ایک نظر امریکہ کے اس رویے پر ڈالیں جو اس نے ہماری حکومت کے ساتھ اختیار کیا ہوا ہے پھر ایک نظر حکومت کے اس رویے پر ڈالیں جو اس نے اپنے عوام سے اختیار کیا ہوا ہے تو آپ کو بے ساختہ ہنسی آجائے گی۔ منظر بالکل اس طرح ہے کہ بش کا تھپڑ جتنے زور سے ہماری حکومت کے چہرے پر پڑتا ہے حکومت فوراً اچھل کر وہی تھپڑ اپنے عوام کے چہرے پر دے مارتی ہے۔

آپ تھوڑا سا غور فرمائیں کہ اس وقت پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس کے حکمران اپنی عوام سے بگاڑ رہے ہیں اور غیروں کے قدموں میں گرتے جا رہے ہیں جبکہ باقی ممالک کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ غیروں کو آنکھیں دکھا رہے ہیں جبکہ اپنی عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ہر پستی گوارا کرتے ہیں۔ اس بارے میں تین مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) بھارت ان دنوں سخت سیاسی بحران کا شکار ہے، غالباً آزادی کے پچپن سالوں میں اتنا سخت سیاسی بحران وہاں کبھی نہیں آیا، رام جنم بھومی اور بابری مسجد کا مسئلہ،

گجرات کے خونی فسادات، پارلیمنٹ پر حملہ، بی جے پی کی تیزی سے گرتی ساکھ، پاکستان کے ساتھ خوفناک کشیدگی، بی جے پی کے شدید داخلی اختلافات، کانگریس پر ایک غیر ملکی خاتون کا قبضہ جسے ایجنسیاں کبھی بھی حکمران بنتا نہیں دیکھنا چاہتیں، مگر بھارت نے اس خوفناک بحران پر قابو پانے کے لئے پاکستان کو خوب آنکھیں دکھائیں جبکہ شدت پسند ہندوؤں سے ایک ایک دن میں دس دس بار مذاکرات کئے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم نے دنیا بھر کی تنقید کو پس پشت ڈال کر اپنے دروازے متعصب سادھوؤں کے لئے کھلے رکھے اور ان کے اکثر مطالبات کو تسلیم کیا۔ یہاں تک کہ وزیر اعظم کے دفتر کے اعلیٰ اہلکار نے رام جنم بھومی کا پتھر خود جا کر پرم راج ہنس سے وصول کیا، پھر گجرات کے خونی واقعات میں جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے، ساری دنیا چیخی مگر انہوں نے اپنے وزیر اعلیٰ کو تبدیل نہیں کیا بلکہ باہمی مذاکرات وغیرہ کے ذریعے ہزاروں مسلمانوں کے خون پر مٹی ڈالنے کی کوشش کی۔

(۲) ابھی حال ہی میں امریکی طالبان عبدالحمید (جان واکر) کی سزا میں امریکی حکومت نے کافی حد تک تخفیف کر دی ہے، حکومتِ امریکہ کے اس غیر متوقع اقدام کی وجہ تجزیہ نگار یہ بتا رہے ہیں کہ امریکا اپنے ملک کی فضا درست رکھنا چاہتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ عبدالحمید کو سزائے موت دے کر اسے امریکی مسلمانوں کا ہیرو بنا دے اور پھر اس کی دیکھا دیکھی دوسرے نوجوان بھی اس کا راستہ اختیار کریں۔ دراصل امریکہ کو اپنے خفیہ سروے سے اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے کہ امریکی مسلمانوں کو چھیڑنا اس کے لئے ایک ایسا دردِ سر بن سکتا ہے جو یقیناً لا علاج ہوگا۔ چنانچہ اپنی عوام کو مطمئن رکھنے کے لئے امریکہ نے اتنے زیادہ جھکاؤ کا مظاہرہ کیا۔ ذرا غور فرمایئے وہ امریکہ جو ہر کسی پر بم اور راکٹ برسا رہا ہے اور رعونت سے اس کی گردن تنی ہوئی ہے وہ اپنی عوام کے بارے میں کس قدر نرم اور

کمزور نا بت ہوا ہے۔

(۳) اب ان دو مثالوں کے برعکس اپنی حکومت کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کیجئے، اسے ہر معاملے میں صرف اور صرف غیروں کی فکر ہے۔ چنانچہ غیروں کو خوش کرنے کے لئے اپنوں کو ذبح کرنا، مارنا، ستانا اور گرفتار و رسوا کرنا اس کے نزدیک کامیابی اور حصولیابی قرار پاتا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ایک اعلیٰ حکومتی اہل کار نے بعض بڑے مجاہد رہنماؤں کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں بھی کچھ افسوس تو ضرور ہے مگر اس کی بدولت ہمارا چہرہ بیرونی دنیا میں بہت صاف ہوا ہے اور ہماری بہت دھوم مچی ہے۔ چنانچہ جب ایک جہادی رہنما کو کچھ دن کے لئے رہا کیا گیا تو فوراً گورے ملکوں سے دباؤ اور مذمت کے کالے ٹیلی فون آنا شروع ہو گئے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری حکومت دوٹوک الفاظ میں کہہ دیتی کہ یہ ہمارا ملکی اور داخلی مسئلہ ہے اور ہم اس غیر ملکی مداخلت کو اپنے ملکی، قومی اور ملی وقار کے خلاف سمجھتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ معذرت خواہانہ لہجے میں کہا گیا کہ کورٹ نے انہیں چھوڑ دیا ہے مگر ہم نے سخت نگرانی رکھی ہوئی ہے وہ آپ کے خلاف کچھ نہیں بول سکیں گے اور اگر بولے تو ہمارے قید خانوں میں ابھی کافی گنجائش موجود ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں ملک کے خلاف لڑنے والے باغیوں کو ہمیشہ ہتھیار ڈالنے، مذاکرات کرنے اور حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے، مگر ہمارے ہاں جب ان تنظیموں پر پابندی لگی جن میں سے کئی اس ملک کی حفاظت میں مشغول تھیں تو اتنا سا تکلف بھی نہیں کیا گیا کہ ان تنظیموں کے کارکنوں کو سوچنے سمجھنے یا نیا راستہ اختیار کرنے کا موقع دیا جاتا اور یہ اعلان کر دیا جاتا کہ کل تک قانونی اور آج سے غیر قانونی بن جانے والی جماعتوں کے کارکنوں کو دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، وہ اپنی تنظیمیں چھوڑ دیں ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا، اس کے برعکس جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے، ابھی غیر قانونی قرار پانے کا سرکاری نوٹیفکیشن جاری بھی نہیں ہوا تھا کہ امریکہ

اور یورپی یونین کی خدمت میں دو ہزار گرفتاریوں کا کارنامہ ارسال کر دیا گیا، ان ظالموں نے شاباش تو دی مگر ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ یہ اقدامات اب مسلسل ہونے چاہئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کا ڈنڈا ہمارے حکمرانوں کے سروں پر تابڑ توڑ اس لئے برس رہا ہے کہ انہوں نے ڈنڈا کھانے سے انکار کی کبھی گستاخی نہیں کی۔ چنانچہ بے حیا قومیں انہیں مزید دباتی جا رہی ہیں، دوسری طرف ہماری حکومت کی ہمت اس بات سے بڑھ گئی ہے کہ اس نے قوم کے سر پر جب بھی ڈنڈا چلایا قوم نے اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا۔ حالانکہ اگر عوام اکڑ جاتے تو حکومت کو اتنی زیادہ ہمت نہ ہوتی کیونکہ اس حکومت کی جڑیں تو در کنار ایک نازک سی جڑ بھی عوام میں نہیں ہے۔ عوام کے اکڑ جانے کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا کہ حکومت اپنے ظالمانہ اور غیر دانشمندانہ اقدامات سے باز آ جاتی جبکہ دوسرا فائدہ یہ ہوتا کہ حکومت کو بھی امریکا اور یورپ کے سامنے ''نہیں'' کہنے کی ہمت مل جاتی اور وہ انہیں بتا سکتی کہ ہم اس ملک کے خدا نہیں محض حکمران ہیں اور ہمیں ہر فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے عوام کی ترجیحات کو دیکھنا پڑتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان میں موجود سیکولر، بے حیا، بدمعاش اور ملک دشمن طبقے نے گزشتہ آٹھ ماہ سے خوب محنت شروع کر رکھی ہے، ان لوگوں کو چونکہ انگریزی آتی ہے اور ہمارے حکمران انگریزی اخبارات ہی پڑھتے ہیں، چنانچہ انہوں نے حکومت کے ہر غلط اقدام پر اس کی خوب کمر ٹھونکی اور حکومت کو باور کرایا کہ خاموش اکثریت نام کا جانور آپ کے ساتھ ہے۔ میں نے اردو اخبارات تک میں ایسے انگریزی اشتہارات دیکھے ہیں جن میں کوئی مغرب زدہ خاتون اپنے بیس سالہ پرانے فوٹو کے ساتھ ''تھینک یو مسٹر شرف'' کی سرخی سے اپنی بات شروع کر رہی ہے۔ یہ طبقہ جو پہلے چھپ کر اس ملک میں بے حیائی اور بد دینی کے فروغ کے لئے کوشاں تھا، طاعون کے چوہوں کی طرح یکا یک

اپنے بلوں سے نکل آیا ہے انہوں نے مخلوط پارٹیوں، اخباری مضامین اور انٹرنیٹ جائزوں کے ذریعے حکومت کو مقبولیت کے زعم کا نشہ چڑھادیا ہے۔ الحمدللہ اب یہ نشہ کچھ کچھ اترا ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری قوم مل کر اس لمحے اسلام اور ملک کا دفاع کرے، میرے خیال میں ہر سطح پر بھر پور احتجاج اور زبردست دباؤ حکومت کے قبلے کو درست کرسکتا ہے، ہماری ترجیح یہ نہیں ہونی چاہئے کہ فلاں حکمران رہے اور فلاں نہ رہے، یا فلاں طرز کی حکومت آئے اور فلاں طرز کی نہ آئے ہمیں ان باتوں سے قطع نظر اس وقت پاکستان کے اسلامی تشخص اور اس کے وجود کو بچانا ہے اور پاکستان تب بچے گا جب ہماری حکومت ان اقدامات کو ترک کردے گی جو اس ملک کو تباہی اور خانہ جنگی کی طرف لے جارہے ہیں، پوری قوم کو چاہئے کہ وہ کھڑی ہوجائے اور درج ذیل اقدامات پر حکومت کو مجبور کرے۔

❁ پاکستان کا اسلامی تشخص بحال کیا جائے۔

❁ غیر ملکیوں سے اپنے اڈے اور اپنی زمین آزاد کروائی جائے۔

❁ افغانستان میں امریکہ کے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔

❁ دینی مدارس کے خلاف آرڈیننس واپس لیا جائے اور مدارس کے بارے میں بدزبانی بند کی جائے۔

❁ اسیر دینی، جہادی اور سیاسی رہنماؤں کو رہا کیا جائے اور افغانستان سے واپس آنے والے مجاہدین کو آزاد کیا جائے۔

❁ مسئلہ کشمیر پر اپنے سابقہ موقف کو پوری قوت سے بحال کیا جائے۔

❁ جن تنظیموں پر پابندی لگائی گئی ہے انہیں دینی اور اصلاحی کاموں کی اجازت دی جائے تاکہ ان کے کارکن غم و غصے اور بے چینی کا شکار نہ ہوں۔

❁ مہنگائی پر فوری قابو پایا جائے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لئے اقدامات کئے

جائیں۔۔

❁ تمام دینی، جہادی اور سیاسی جماعتوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک "بحالی کونسل" بنائی جائے جو چھ ماہ کے عرصے میں ملک کو پہنچنے والے ظاہری، باطنی اور نفسیاتی نقصانات کے ازالے کی کوشش کرسکے۔

❁ اہل پاکستان کے ٹوٹے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے مذکورہ بالا سربراہی کونسل حکومت کے ساتھ مل کر اقدامات کرے۔

❁ پولیس کی خاص طور سے اصلاح کی جائے تاکہ عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔

حالات کافی خراب ہیں مگر ان کی اصلاح ممکن ہے۔ قوم کے مختلف طبقے اگر ایک دوسرے کی تباہی دیکھتے رہے تو پھر کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، جہادی جماعتوں پر پابندی کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم کیا گیا، اس لئے بات مدارس تک پہنچی اور اگر اب مدارس کے پاؤں میں بھی بیڑی پڑ گئی تو وہ دینی و سیاسی جماعتیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی جو آج اپنے محفوظ اور صاحب فراست ہونے پر ناز کررہی ہیں۔ آج پھر ملک کو قومی اتحاد کی اور حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ جیسے قائد کی ضرورت ہے، اب ایک دوسرے کی غلطیاں چننے اور ایک دوسرے کی تباہی پر خوش ہونے کا وقت بیت گیا، اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک بندہ قوم کو ساتھ لے کر کھڑا ہو، انشاءاللہ فتح و کامرانی قدم چومے گی، ہمارا دشمن جنگ میں پھنس چکا ہے، اب وہ ہمیں اس میں پھنسا کر خود بحفاظت کھسکنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اصلاح کریں، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، باہم متحد ہو جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنے دین، ایمان اور ملک کی حفاظت کے لئے کھڑے ہو جائیں ورنہ لڑائی ناگزیر ہے جو کالی آندھی کی طرح آئے گی اور کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ اب کیا ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لباس بدلیں

آج کل خوف اور بھوک کا لباس دھڑا دھڑ بک رہا ہے۔تقریباً ہر شخص خوفزدہ ہے اور ہر شخص مالی پریشانیوں کا شکار ہے، آخر کیا ہوا؟ دیکھتے ہی دیکھتے سارا منظر بدل گیا جس کسی کو دیکھیں، جانے اور انجانے خوف میں مبتلا ہے۔امریکہ کا خوف جو ہمارے ملک میں پوری طرح گھس آیا ہے۔انڈین فوج کا خوف جو کنٹرول لائن اور بارڈر پر جمی بیٹھی ہیں، خفیہ ایجنسیوں کا خوف جو قوم کو ستانے میں ایک دوسرے سے یوں سبقت لے رہی ہیں جس طرح عید کے موقع پر کپڑے کے تاجر، پولیس کا خوف جو بے لگام ہو چکی ہے اور اس کے لئے آخرت کے انگارے جمع کرنے کا سیزن آچکا ہے۔خوف......خوف اور خوف۔بجلی کے بل کا خوف، ڈاکٹروں کی آپا دھاپی کا خوف، وردی والوں کا خوف، بغیر وردی والوں کا خوف، حوادث، مصائب اور گرفتاریوں کا خوف۔ایمان چھننے اور جان جانے کا خوف، ڈاکوؤں، چوروں اور لٹیروں کا خوف، با اثر لوگوں کا خوف، وڈیروں، جاگیرداروں کا خوف، سڑک پر ہوں تو ٹریفک پولیس اور راہ چلتے بدمعاشوں کا خوف، گھر میں ہوں تو مال اور عزت کے لٹیروں کا خوف۔مسجد میں جائیں تو فائرنگ کا خوف، مدرسہ میں جائیں تو چھاپے کا خوف، کسی مارکیٹ میں جائیں تو بم دھماکہ کا خوف......ہر شخص بے چین ہے، بے قرار ہے، سکون غارت ہو گیا ہے۔اطمینان ماضی کا قصہ بن گیا ہے، آپس کا

اعتبار فنا ہو گیا ہے، ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے، کوئی القاعدہ، کوئی طالبان، کوئی حکومت کا مخبر، کوئی پولیس کا ٹاؤٹ، کوئی دہشت گرد، کوئی کیا......اور کوئی کیا؟

ہر شخص دوسرے کو ان الزامات کی عینک سے دیکھتا ہے، اوپر سے جہاز کی آواز آئے تو نہ معلوم کتنے دل بیٹھ جاتے ہیں، حالانکہ پہلے بچے بوڑھے سب خوشی خوشی اوپر دیکھتے تھے، مگر اب پسینے چھوٹ جاتے ہیں، اسکڈ، کروز، اگنی، ترشول، پرتھوی، ایٹم، ناگاساکی، ہیروشیما، تورا بورا اور شاہی کوٹ پتہ نہیں کیا کیا یاد آ جاتا ہے، جب تک آواز آتی رہتی ہے دل حلق میں رہتا ہے، ایف سولہ، بی باون، سی تھرٹی، میراج اور کوبرا...... جہاز چلا جاتا ہے تو دل بھی آہستہ آہستہ واپس اپنی جگہ پکڑتا ہے، مگر خدشات اور خوف کے سائے بے چینی پیدا کرتے رہتے ہیں، راہ چلتے اگر سامنے سے پولیس کی گاڑی یا فوج کا ٹرک آ جائے تو دل بے چارہ یوں سہم جاتا ہے جس طرح چھوٹا بچہ کسی موذی درندے کے سامنے آ جائے یا کسی شہری آدمی کے سامنے کالا سانپ پھن اٹھا کر کھڑا ہو جائے، حالانکہ یہ پولیس پہلے بھی سامنے آتی تھی، فوجی پہلے بھی نظر آتے تھے بلکہ یاد کیجئے! ہاں یاد کیجئے اگر دماغ ساتھ دے کہ کچھ عرصہ پہلے تک فوجیوں کو دیکھ کر دل میں ایک سرور، خوشی اور جوش کی لہر دوڑ جاتی تھی، ہاتھ بے اختیار سلام کے لئے اٹھ جاتے تھے اور اکثر مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا، مگر اب ایسا نہیں ہوتا بلکہ اگر آپ کی ڈاڑھی ہے تو دونوں طرف ورنہ ایک طرف تو خوف کی سرسراہٹ سے جسم ماؤف ہو جاتا ہے پولیس اور فوج کی گاڑی اپنے اوپر تہمتوں، بدنامیوں اور اذیتوں کا بوجھ اٹھا کر گزر جاتی ہے، مگر راہ چلنے والے کافی دیر تک خوف کے دھکے کھاتے رہتے ہیں، آپ ہوٹل پر چائے کا کپ اٹھائیں گے ساتھ والی میز کرسی پر کوئی ڈھیلے کپڑوں، کالی گھنی مونچھوں اور پشاوری چپل والا آ کر بیٹھ جائے گا وہ آپ کو اور آپ اسے کن انکھیوں سے دیکھیں گے، اب دونوں چائے کی چسکیاں اور خوف کے گھونٹ ایک

ساتھ چپک گئے، آخر یہ مرحلہ پچھ نیا تو نہیں مگر اب اس سے بھی خوف ٹپکتا ہے، اللہ اکبر عجیب دور آ گیا ہے، تاجر خوفزدہ، ملازم خوفزدہ، علماء خائف، طلبہ پریشان، اولیاء بے قرار، مزدور غم زدہ، کسان بے حال، حکومت والے اپنی حصول یابیاں بتاتے نہیں تھکتے، غیر ملکی بینک خوش ہیں کہ زرمبادلہ کے ذخائر قوم کی رگوں سے نچوڑ کر ان کی تجوریوں میں بھرے جا رہے ہیں، جبکہ یہاں ہر شخص خوفزدہ اور یوں لرز رہا ہے جس طرح زلزلے کے دوران درختوں پر بیٹھے پرندے خوف سے لرزتے ہیں یا جس طرح چھپکلی یا گرگٹ حملہ آور کو دیکھ کر کانپتے ہیں۔

یا اللہ! یہ سب کچھ کیا ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ قوم نے کپڑے نہیں خوف پہن رکھا ہے اور اس کے جسم پر کھال نہیں بلکہ بھوک اور فقر وفاقے کا تکلیف دہ چمڑا چڑھا ہوا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب خوف اور پریشانی کے سمندر کے درمیان ہم امن وسکون کے جزیرے پر بیٹھے تھے، افغانستان میں جنگ، کشمیر میں جنگ، ہندوستان کی سات ریاستوں میں جنگ، وسطی ایشیا میں جنگ، ایران وعراق میں جنگ، چین کے کئی صوبوں میں جنگ، مگر ہم بے فکری کے مزے لوٹ رہے تھے۔ خوف نام کا جانور کسی چڑیا گھر میں نہیں تھا، بھوک اور افلاس کے صرف چرچے اور ضرشے تھے، مگر اب ہر طرف سے خوف کا کالا پانی ہمارے جزیرے میں گھستا چلا آ رہا ہے اور بھوک کا آتش فشاں ہر روز نیا لاوا پھینکتا ہے۔ ایسے موقع پر ہمیں قرآن پاک کی یہ آیت عجیب آئینہ دکھائی دیتی ہے۔

”وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً

یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ

بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ

بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ“ (النحل ۱۱۲)

(اور اللہ تعالیٰ ایک بستی (یعنی وہاں کے لوگوں) کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہ

لوگ بڑے امن واطمینان کے ساتھ رہتے تھے ان کو ہر طرف سے بافراغت روزی پہنچتی تھی، پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے (برے) اعمال کی پاداش میں ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھادیا۔)

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں ”اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر غافل اور بدمست ہو گئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا بلکہ اس کے مقابلے میں بغاوت کی ٹھانی، آخر خدا تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا، یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا جیسے کپڑا، پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے، ایک دم کو، بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بے شک ناشکری، بغاوت اور گناہ یہی رنگ دکھاتے ہیں، انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، حکمران ہوں یا عذاب یہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عارفین کہتے ہیں کہ قبر کے بچھو اور سانپ انسان کے برے اعمال کی مثالی شکل ہوتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر جلالین میں لکھا ہے ”بان تاتیھم عند البعث فی اقبح شئی صورۃ وانتہ ریحا فتر کبھم“

(مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس کے گناہ انتہائی بدصورت اور بے حد بدبودار چیز کی شکل میں ظاہر ہو کر اس پر سوار ہو جائیں گے۔ (تفسیر جلالین، سورۃ انعام)

یہ تو قبر اور آخرت کا معاملہ ہوا جسے ہم نے بطور دلیل اور ثبوت کے عرض کیا ہے جبکہ دنیا میں مسلمانوں کے لئے برے اعمال کی سزا کا ذکر آیت مذکورہ بالا میں خوف اور بھوک کے لباس کی صورت میں کیا گیا ہے۔ آج ہم اس مصیبت میں بری طرح سے مبتلا

ہیں اور ہمارے برے اعمال، ہمارے حکمران بن گئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، کیونکہ مصیبت کے وقت انسان کی زبان ویسے ہی لمبی ہو جاتی ہے، یعنی خوب چلتی ہے اور انسان خود کو بے قصور قرار دے کر دوسروں کو مصیبت کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے حالانکہ اصل انفرادی علاج یہ ہے کہ ہم میں سے ہر انسان پوری توجہ اور فکر آخرت کے ساتھ اپنا احتساب کرے اور اس سوال کا جواب ڈھونڈے کہ ”موجودہ صورتحال میں مجھ سے کون کون سی غلطی اور کوتاہی سرزد ہوئی ہے یا ہو رہی ہے۔“ ایسے موقع پر شیطان کی بھرپور کوشش یہی رہے گی کہ وہ ہمیں دوسروں کی غلطیوں کو ڈھونڈنے میں لگا دے، مگر ہمیں چاہئے کہ ہم شیطان مردود و لعین کی باتوں میں نہ آئیں اور اپنی اصلاح کو مقدم جانیں اور مندرجہ ذیل امور میں غور کریں۔

کیا میرا عقیدہ درست ہے؟ کیا میں واقعی مسلمان ہوں اور ایمان بالغیب رکھتا ہوں؟ کیا میں سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہوں یا کسی اور سے؟ کیا میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں یا کسی اور سے؟ کیا میں موت کو مانتا ہوں؟ کیا میں اس کے لئے ابھی تیار ہوں؟ کیا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا، پہچانتا اور مانتا ہوں؟ میں ان سے کتنی محبت رکھتا ہوں؟ مجھے ان کی سنتوں سے کتنا پیار ہے؟ کیا میں تمام فرائض کو ادا کرتا ہوں؟ کیا میں تمام حرام کاموں سے بچتا ہوں؟ کیا میں اسلام کی خاطر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں؟ یہ اور ایسے بے شمار سوالات ہم نے اپنے آپ سے پوچھنے ہیں، ہم نے اپنے جسم کے ایک ایک عضو سے پوچھنا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل جب اسے زبان ملے تو ہمارے خلاف گواہی دینے لگ جائے، ہمیں اپنے آپ کو قرآن مجید کی عدالت میں پیش کرنا ہے، بسم اللہ سے لے کر والناس تک ایک ایک آیت کے سامنے پیش دینی ہے کہ کونسی سورۃ پر کتنا ایمان ہے؟ اور کون سی آیت پر کتنا یقین ہے؟ ہمیں سنت رسول کے آئینے میں اپنے ایک ایک عمل

کو دیکھنا ہے ”قد افلح المومنون“ مومن کامیاب ہو گئے قرآن اس اعلان کے بعد جو صفات پیش کرتا ہے، ہمیں ان صفات کی کسوٹی پر اپنی نماز اور دیگر اعمال کو پرکھنا ہے ہمیں اپنی طہارت اور وضو سے لے کر دل کے عزائم تک پر نظر رکھنی ہے، ہم دنیا میں کھیلنے کودنے اور کھانے پینے کے لئے نہیں آئے، اگر ہم واقعی مسلمان ہیں تو پھر ہمیں یہاں پابندیوں ہی میں رہنا ہوگا اور اسلام کے ہر حکم کو خوشی خوشی آنکھوں پر رکھنا ہوگا، تب ہمارا اصل گھر یعنی آخرت ٹھیک ہو جائے گی، ہم نے تو رہنا ہی وہیں جا کر ہے، یہ دنیا تو محض گزرگاہ ہے، لیکن آخرت کی کامیابی کے آثار یہاں دنیا میں محسوس ہونے لگتے ہیں اس لئے جن کی آخرت بن جاتی ہے وہ یہاں آزمائے تو ضرور جاتے ہیں مگر عمومی عذاب کا شکار نہیں ہوتے۔

میرے بھائیو اور بہنو! آج عمومی عذاب کے آثار صاف دکھائی دے رہے ہیں اور اس زمانے کا وبائی مرض اپنی اصلاح سے غفلت ہے، آیئے ہم اپنی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کریں اور سچے دل سے اپنے تمام گناہوں اور کوتاہیوں سے استغفار کریں، اگر ہم رب کو راضی کرنے اور گناہ بخشوانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ چیز ہمارے لئے سات زمینوں کی بادشاہت سے بہتر ہوگی اور تب خوف اور بھوک کا لباس بھی بدل جائے گا، اللہ رب العالمین فرماتے ہیں۔

”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ
وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا“

(سورۃ نوح)

(اور میں نے ان سے کہا تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تم کو مال اور بیٹے دے کر تمہاری مدد کرے گا

اور تمہارے لئے بہت سے باغ لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گا۔)

استغفار پر ان تمام اور ان کے علاوہ اور بہت ساری نعمتوں کا ملنا اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔اس لئے بعض اہل علم بزرگوں کا ساری زندگی یہ طریقہ رہا ہے کہ ان کے پاس جو شخص بھی اپنی کسی مصیبت یا حاجت کا شکوہ لے کر آیا تو انہوں نے ایک ہی علاج بتایا کہ ''استغفار'' کرو۔ چنانچہ جس نے بھی اس نسخے پر عمل کیا اس کی مصیبت اللہ تعالیٰ کے فضل سے دور ہو گئی۔

جی ہاں! استغفار ایک اکسیری نسخہ ہے، مگر استغفار کا معنیٰ بھی معلوم ہونا چاہئے، خالی استغفر اللہ، استغفر اللہ کی تسبیح گھمانے سے بات نہیں بنتی، اپنے گناہوں کو ڈھونڈنا، ان پر شرم اور ندامت کا اظہار کرنا، نفرت اور حقارت کے ساتھ انہیں چھوڑ دینے کا عزم کرنا اور اس عزم کو نبھانے کی حتی المقدور کوشش کرنا ''استغفار'' کہلاتا ہے۔اس میں سب سے مشکل پہلا مرحلہ ہے یعنی اپنے گناہوں کو ڈھونڈنا اور انہیں برائی اور گناہ تسلیم کرنا، آیئے! اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے استغفار کو وسیلہ بناتے ہیں، ممکن ہے کہ ہم زمین پر سے ایک گناہ کے بوجھ کو ہلکا کر دیں۔کوئی دوسرا ہماری سنے یا نہ سنے ہم خود کو سنا بھی سکتے ہیں اور سنوار بھی۔حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے سر پر عذاب آ چکا تھا تب ہر شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا اور توبہ و استغفار کے ایسے نالے بلند ہونے لگے کہ عذاب ٹل گیا، اب بھی عذاب سروں پر آیا کھڑا ہے، ہم اگر ایک دوسرے کے عیب دیکھتے اور ڈھونڈتے رہے تو پھر کوئی بھی نہیں بچے گا، امر بالمعروف ضرور کیجئے مگر نہی عن المنکر بھی لازمی ہے، اور اپنی اصلاح سب سے مقدم ہے۔آیئے! اپنے اپنے گریبان میں جھانکیں، اپنے عیب ڈھونڈیں، اپنی کوتاہیوں پر اشک بہائیں اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف کریں۔واقعی اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا لباس درست ہو جائے گا، ہمیں خوف، بھوک، امن اور فراغت کا لباس نصیب ہو جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے دل میں مسلمانوں کے لئے حسن ظن پیدا ہو جائے گا جو امت کو جوڑنے کے لئے ایک لازمی عنصر ہے۔

ے

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا
ترے رخ کے خیال میں کون سے دن
اٹھے مجھ پہ نہ فتنہ روز جزا
تری زلف کے دھیان میں کون سی شب
میرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا
ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا
وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزآنہ کالم

بعض دوستوں کا مطالبہ ہے کہ درویش روزآنہ کالم لکھا کرے۔اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔خصوصاً آج کل تو اتنے مسائل ہر طرف بکھرے پڑے ہیں کہ ہر گھنٹے نیا کالم لکھا جا سکتا ہے۔حروف تہجی یعنی الف،ب،ت،ث وغیرہ میں سے صرف الف سے افغانستان،امریکہ،اسرائیل،انڈیا......اور اسامہ۔پھر ان میں سے صرف افغانستان کو لے لیجئے تو مضامین کا انبار تیار ہو سکتا ہے۔حامد کرزئی کی زبردست بادشاہت سے لے کر امریکی فتوحات تک بے شمار ''سچی کہانیاں'' ہیں۔ظلم اور جبر کی الگ داستان ہے،مظلومیت اور عزیمت کا عجیب امتزاج ہے،شبرغان کے قیدخانے کی الگ دنیا ہے،قندھار کے شہزادے کی کہانی الف لیلہ کی داستانوں سے کم نہیں ہے۔غرض ہر آن کہانی او رہر پتھر افسانہ ہے۔لکھنے والے تھک جائیں گے مگر مضامین کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ہمارے کئی دوست ہر دوسرے دن امریکہ کی کوئی نئی سازش،کوئی نئی بدمعاشی،کوئی نئی بے حیائی......اور کوئی تازہ بے وفائی دریافت کر بیٹھتے ہیں۔یقیناً یہ ایک دلچسپ موضوع ہے جس پر تا قیامت لکھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزیں جنہیں ہم ''انکشافات'' سمجھتے ہیں امریکی فطرت اور خمیر کا حصہ ہیں۔جو شخص طوائف کی بدکرداری کو نیا انکشاف سمجھے گا اسے یقیناً ہر دن چونکنا پڑے گا۔ادھر فلسطین کی حسین و مبارک سرزمین بھی ان دنوں فدائی شہداء کے معطر خون سے مہک رہی

ہے۔لکھنے والے وہاں کی خوشبو سے اپنے مضامین کے گیسو سنوار سکتے ہیں اور اپنے علاوہ اپنے قارئین کے جذبات میں بھی حرارت پیدا کر سکتے ہیں۔الغرض ان دنوں ہر طرف عنوان ہی عنوان اور موضوعات ہی موضوعات برس رہے ہیں،سیاست پر لکھنے والوں کے لئے ہر لحہ چونکا دینے والی خبر ہے،جہاد پر لکھنے والوں کے لئے افغانستان،فلسطین،کشمیر،چیچنیا......اور فلپائن ہر ایک **مستقل** ''باب الجہاد'' ہے۔اصلاحی قلم اٹھانے والوں کے لئے معاشرتی برائیوں کا نہ تھمنے والا سیلاب موجود ہے۔فکاہیہ لکھنے والوں کے لئے اتنے لطائف ہیں کہ وہ چاہیں تو روزآنہ نئی کتاب لکھ ڈالیں خصوصاً دیسی حکمرانوں کا ہر عمل خود ایک **مستقل** ظالمانہ لطیفہ ہے۔

ان حالات میں روزآنہ ایک چھوٹا سا کالم لکھنا کون سا مشکل کام ہے مگر کچھ سوچ کر قلم روکنا پڑتا ہے۔مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ اشعار!

ے ایھا الکاتب ماتکتب مکتوب علیک

فاجعل المکتوب خیرا فھو مردود علیک

مفہوم!اے لکھنے والے تو جو کچھ لکھتا ہے،وہ تجھ پر لکھا جاتا ہے(یعنی انسان جو کچھ لکھتا ہے فرشتے وہ سب کچھ اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔چنانچہ اس کا لکھا ہوا خود اس کے خلاف حجت بن سکتا ہے) پس اچھی بات لکھو کیونکہ لکھا ہوا تمہاری طرف ہی لوٹے گا(دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔)

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ کالم نویسی محض کوئی مشغلہ یا ''معمول'' نہیں ہے بلکہ یہ ایک بھاری ذمہ داری اور بوجھ ہے اور لکھی ہوئی چیز کا معاملہ بہت دیر اور دور تک جاری رہتا ہے اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے۔

ے یلوح الخط فی القرطاس دھرا

وکاتبہ رمیم فی التراب

یعنی لکھے ہوئے الفاظ ایک زمانے تک کاغذ پر چمکتے رہتے ہیں ۔جبکہ ان الفاظ کا لکھنے والا مٹی میں رل مل چکا ہوتا ہے۔

ہماری تحریر...... قارئین پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ ہم کس نیت سے لکھتے ہیں؟ ہمارا اپنے لکھے ہوئے پر خود کتنا یقین اور عمل ہوتا ہے؟ یہ تحریر ہمارے بعد کیا اثر دکھائے گی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ہر لکھنے والے کو دینا ہوتا ہے، اس کی تحریر صدقہ جاریہ بنتی ہے، یا سیۂ جاریہ؟ نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہے یا قارئین سے واہ واہ اور داد پانے کی؟ کہیں قلم کا استعمال نفس کی خواہشات اور تر جیحات کے لئے تو نہیں ہو رہا ہے؟ بات وہی ہے کہ ہر لکھا ہوا خود لکھنے والے پر لوٹتا ہے، اس بات کو باریکی سے سوچا جائے تو بعض اوقات قلم توڑ ڈالنے پر دل آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے خود وقت کے کئی بڑے مصنفین کو اس بات پر غمگین دیکھا کہ معلوم نہیں ان کا لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا یا نہیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جو کچھ بھی لکھا خوب ناپ تول کر اور سوچ سمجھ کر لکھا۔ یہ حضرات شریعت وطریقت کے علوم میں کامل تھے اور قلم کی طرح نفس بھی ان کے قابو میں تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا خوف، آخرت کا ڈر اور اپنا احتساب ان حضرات کا طرۂ امتیاز تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے لکھا، بہت چھان پھٹک کر لکھا اور پھر ساری زندگی اس لکھے ہوئے کی نگرانی کی۔ جہاں کہیں کوئی خطا یا کمی نظر آئی اسے درست کیا اور کبھی بھی کسی کے سامنے اپنے لکھے ہوئے پر نہیں اترائے۔ ان کی خالص دینی نیت، ان کی احتیاط، ان کی محنت اور ان کی بے نفسی اللہ کو پسند آگئی۔ چنانچہ آج کون سا کتب خانہ ہے جو ان کی کتابوں کے بغیر مکمل ہو سکے اور کون سا طالب علم ہے جو خود کو ان کی کتابوں سے مستغنی قرار دے سکے۔

روزآنہ کالم نہ لکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہوئی۔

جبکہ دوسری وجہ وہ ہے جو بخاری شریف کی اس روایت میں بیان فرمائی گئی ہے۔

ابووائل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے، ایک آدمی نے ان سے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ سنایا کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دیکھو! مجھے اس امر سے اگر کوئی چیز مانع ہے تو یہ کہ میں تمہیں اکتاہٹ (اور تنگی) میں ڈالنا پسند نہیں کرتا، اور میں وعظ میں تمہاری فرصت و فرحت کا وقت تلاش کیا کرتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ ہم تنگ نہ ہو جائیں ہمارے اوقات فرصت کے متلاشی رہتے تھے۔

(صحیح البخاری کتاب العلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُولی کیسی تھی......؟

’’ماڈل دینی مدارس‘‘ بہت تیز رفتار تھے، اچانک اٹھے، بلند ہوئے اور پھر ختم بھی ہو گئے، بالکل اس گھوڑے کی طرح جو بادشاہ سلامت نے ایک غریب شاعر کو دے دیا تھا۔ظاہر ہے کہ گھوڑے کی صحیح خدمت نہ ہو سکی اور وہ راتوں رات چل بسا، اگلے دن بادشاہ نے شاعر سے پوچھا کہ گھوڑے کا کیا حال ہے؟ شاعر نے جواب دیا، حضور اس کی تیز رفتاری کے کیا کہنے، ایک ہی رات میں دنیا سے آخرت کا سفر طے کر گیا۔’’ماڈل دینی مدارس‘‘ کا شور اسلام آباد سے اٹھا تھا، اب سنا ہے کہ ’’غازی آباد‘‘ میں دفن ہو گیا ہے۔

بنیاد پرستوں کے پرانے اور غیر ترقی یافتہ مدارس میں بے حد خامیاں تھیں، ہماری حکومت کے دل میں دین کا درد پیدا ہوا اور اس پر غور و خوض ہونے لگا کہ مسجد اور مدرسے کی کس طرح اصلاح کی جائے۔غلط لوگ حکمرانوں کے اخلاص پر شبہ کرتے ہیں حالانکہ صرف یہی ایک کارنامہ حکومت کے اخلاص کو پوری طرح ثابت کرتا ہے کہ وہ مسجد جس میں حکمرانوں کو جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور وہ مدرسہ جسے انہوں نے یا ان کے بچوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس کی اصلاح کے لئے حکمرانوں نے کتنی سرگرمی دکھائی اس صغریٰ اور کبریٰ کو ملانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکمران صرف اور صرف دین اور ملک کے مفاد میں مسجد اور مدرسہ کی اصلاح فرما رہے ہیں، ورنہ ان کی ذات کا ان دو جگہوں

سے کیا لینا دینا۔(اب تو جنازہ بھی الحمدللہ ہاکی اسٹیڈیم میں ادا ہو جاتا ہے)مسجد اور مدرسے کی اصلاح کے لئے حکومت نے بہت سارے پاپڑ بیلے اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو جا کر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سے پوچھ لیجئے ان دنوں وہ فراغت اور وسعت ظرفی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔اللہ کرے وہ اپنی سوانح عمری لکھیں تا کہ ہمیں ماڈل دینی مدارس کی شاندار کامیابی کا اصل راز معلوم ہو سکے۔

ڈاکٹر صاحب تو گھر کے بھیدی ہیں نہ جانے وہ لنکا ڈھاتے ہیں یا صبر کرتے ہیں، مگر ہماری ناقص معلومات کے مطابق ماڈل دینی مدارس کے لئے کئی سطح پر کئی وزارتوں نے خوب محنت کی۔ایک وزارت نے تو مصر وغیرہ ملکوں کے بھی چکر لگائے تا کہ جامعہ ازہر کے فیض کو پاکستان منتقل کرنے کی تدبیریں سوچی جائیں، باخبر ذرائع کے مطابق حکومت پاکستان کے کئی اعلیٰ اہل کاروں نے مصری حکومت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا کہ ہمیں بھی گُر سکھا دیجئے۔جس کے ذریعے آپ نے مصری مولویوں کو قابو کر رکھا ہے۔مصر کے علاوہ سعودی عرب اور بعض دیگر ممالک کی اسلامی یونیورسٹیوں کے بھی تفصیلی سروے کئے گئے، ادھر ہماری وزارت تعلیم نے مغربی ممالک کو بتایا کہ ہم مولویوں کو نکیل ڈالنے کا پکا فیصلہ کر چکے ہیں، مگر ہمارے پاس نکیل کے لئے پیسے نہیں ہیں، راہ شیطان میں کچھ امداد کیجئے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ طالبان کہاں سے نکلے ہیں؟ وزارت تعلیم کی دھمکی کام آ گئی اور کئی ممالک نے وہائٹ ہاؤس کے توسط سے اس کار خیر میں چندا دینے کا فیصلہ کیا، مگر انہوں نے ایک سوال بھی کر ڈالا کہ ’’مدارس کی اصلاح ہو گی کیسے؟‘‘ تب محترمہ زبیدہ صاحب نے جلال میں آ کر بتایا کہ ہم ان مدرسوں پر چار مضامین سائنس، انگریزی، جغرافیہ اور مطالعہ پاکستان لازم کر دیں گے۔قارئین حیران ہوں گے کہ حکومت کی اس تجویز پر گورے کافروں نے اتنی خوشی منائی جتنی وہ کرسمس پر بھی نہیں مناتے۔درویش نے

خودواکس آف امریکہ پر امریکی حکومت کا ترجمان اداریہ تھا جس میں انہوں نے نہایت فخر کے ساتھ اعلان کیا کہ عنقریب پاکستانی مدارس قابو میں آجائیں گے کیونکہ ان میں ان چار مضامین کو لازم قرار دے کر ان کے جمود کو توڑ دیا جائے گا۔ اس مفصل اداریے میں اس بات کا اعلان بھی تھا کہ مغربی ممالک اس کام میں پاکستان کی بھرپور مدد کریں گے۔ مصری اور سعودی یونیورسٹیوں کا سروے بھی ہو گیا، غیر ملکی امداد کا وعدہ بھی مل گیا، نصاب میں چار زبردست مضامین کے اضافے کا عالمی فیصلہ بھی طے پا گیا، مگر گھنٹی باندھے گا کون؟ یہ سوال ابھی تک تشنۂ جواب تھا۔ بہت غور و فکر کے بعد ارباب اقتدار کو دو باتیں سوجھیں۔

(۱) بعض ماڈل دینی مدارس فوری طور پر کھول دیئے جائیں گے، ان مدارس کی ترقی، چمک، نظم و ضبط اور کامیابی دیکھ کر طلبا اور علماء پرانے مدارس سے ان جدید مدارس میں پھسلنا شروع ہو جائیں گے اور جب یہ نئے مدارس پرانے مدارس کے ستر فیصد طلبا کو کھینچ لیں گے تو پرانے مدارس اپنی موت آپ مر جائیں گے، بھلا قورمہ پلاؤ کی موجودگی میں دال کون کھائے گا؟ جب نئے مدارس سے لشتم پشتم، سوٹڈ بوٹڈ، جدید و سدید اور متمول و مجتہد مولوی نکلیں گے تو پرانے مولوی احساس کمتری سے زمین میں گڑ جائیں گے، پھر جب نئے مدارس کا چٹپٹا نصاب متعارف کرایا جائے گا تو پرانے مدارس میں الو بولنے لگیں گے کیونکہ نئے مدرسے کا مولوی کمپیوٹر چلائے گا اور اسلام آباد میں نوکری پائے گا۔

(۲) پرانے مدارس کو کمزور کرنے اور جکڑنے کے لئے ایک آرڈیننس جاری کر دیا جائے گا تاکہ ان مدارس کی کمر ٹوٹ جائے، پھر چونکہ ان کی جگہ ماڈل دینی مدارس پہلے ہی دھوم مچا چکے ہوں گے، اس لئے ان مدارس کی بربادی کو عوام ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیں گے۔

یہ دو آتشہ منصوبہ بڑا زبردست تھا، اس کے لئے کئی جدید مولویوں کو بار بار بلایا

گیا، خوب مشورے ہوئے اور کافی مال خرچ ہوا اور یہ طے پایا کہ پہلے قدم کے طور پر پرانے مدارس کے عیوب سے عوام کو آگاہ کیا جائے تاکہ مدارس کی مقبولیت کا گراف کچھ گر جائے اور پھر ماڈل دینی مدارس کا شاندار سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اس کے بعد آرڈیننس کے ذریعے پرانے مدارس کو نکیل ڈالی جائے۔ پہلا کام تو بخیر و خوبی طے پا گیا اور کئی مولوی نما لوگوں کے بیانات پرانے مدارس کے خلاف اخبارات میں شائع کرائے گئے۔ مثلاً پرانے مولویوں میں لچک نہیں ہوتی، یہ لوگ حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھتے، یہ جدید دنیا کے ساتھ نہیں چل سکتے، یہ اپنی رائے پر اٹل ہوتے ہیں اور سمجھوتہ نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ ان بیانات کو جب عوام نے پڑھا تو خوب خوشی منائی کہ الحمدللہ ہم اپنا چندہ صحیح جگہ بھیج رہے ہیں اور اپنے بچوں کو محفوظ ہاتھوں میں دے رہے ہیں۔

کردار کشی کا یہ ڈرامہ مولویوں کے حق میں نعمت غیر مترقبہ نکلا اور لوگوں میں مولویوں کی خوب واہ واہ ہوئی، اب دوسرا نمبر تھا ماڈل دینی مدارس کا۔ اس سلسلے میں حکومت نے اتنا پروپیگنڈہ کر لیا تھا کہ عوام ان نئے مدارس کا الف لیلہ کی شہزادی کی طرح انتظار کر رہے تھے اور لوگوں کو یہ خطرہ ہونے لگا تھا کہ اب ہر شہر میں البیرونی اور ابن سینا کی درس گاہیں اور بغداد کے تعلیمی ادارے کھل جائیں گے، مگر معلوم نہیں کس ظالم کی نظر لگ گئی کہ حکومت کو اعلان کرنا پڑا کہ ملک پر قبضہ کرنا آسان ہے مگر مدرسہ چلانا مشکل ہے اس لئے فی الحال صرف تین ماڈل مدرسے بنیں گے۔ اب عوام کو دھچکا تو لگا، مگر پھر بھی خوابوں کے شہزادے اپنے ”تین ماڈل دینی مدارس“ کا انتظار کرنے لگے مگر مرزا قادیانی کی کتابوں کی طرح یہ مدارس بھی تاخیر کا شکار ہوتے گئے، کبھی معلوم ہوا کہ اساتذہ مل گئے ہیں شاگردوں کی تلاش ہے، کبھی پتہ چلا کہ ڈیسک اور کرسیاں بن گئی ہیں مگر عمارت نہیں مل رہی، کبھی خبر آئی کہ صدر مدرس کا انتظام ہو گیا ہے مگر اس کی زیر صدارت رعایا (مدرسین) ناپید ہے، کبھی بتایا

گیا کہ نصاب کی تیاری میں وقت لگ رہا ہے، کبھی معلوم ہوا کہ ابھی معاملہ کاغذوں اور فائلوں میں بھی مکمل نہیں ہوا۔

الغرض قوم انتظار کرتی رہی، مگر وہ ترقی یافتہ اور شاندار مدارس نہ آنے تھے نہ آئے، معلوم نہیں کس ظالم نے مُولی کھلادی، ہم تو خوش تھے کہ ہم بھی ان مدارس میں جا کر دورِ حاضر کے مولوی بننے کی کوشش کریں گے، مگر اب ہم کہاں جائیں؟ کیونکہ یہ مدارس نہ آسمان پر ہیں اور نہ زمین پر......اور سنا ہے کہ اب تو فائلوں میں سے بھی مٹتے جا رہے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں ایک مثل مشہور ہے کہ جب کوئی شخص نہایت جوش کے ساتھ کوئی کام شروع کرے اور پھر اسے مکمل کئے بغیر چھوڑ دے تو کہا جاتا ہے کہ "اس نے مُولی کھالی ہے۔" یعنی ٹھنڈا ہو گیا ہے، اسی طرح وہاں کے عقلمند لوگ جب کسی کو جوش میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ابھی جا کر اسے مُولی کھلاتا ہوں (یعنی ٹھنڈا کرتا ہوں) اس کشمیری کہاوت کو مدِ نظر رکھ کر دل چاہتا ہے کہ ماڈل دینی مدارس کے محرکین سے پوچھوں ...... مُولی کیسی تھی......؟؟؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل لگی

(دوسرا حصہ)

میانوالی جیل سے

نمبر شمار　عنوان　صفحہ

مجرم یا پتھر

ایک دن

نہ لکھنا بہتر ہے

دوستوں کا خدشہ

اک فرصت تو ملی لیکن!

نیا جہادی دور

آگ اور نورِ توحید

’’تحفہ سعادت‘‘ کام آ رہی ہے

عظیم ساتھی

شہداءِ کرام کے اہل خانہ پر ظلم

وقت کی کروٹ

اوپر والے کے حضور

اعلان جنگ کیوں؟

اک مہربان

خبریں سننے کی آسانی

نمبر شمار　عنوان　صفحہ

دو نئی اصطلاحیں

پہلا خط

گرنے کا سلسلہ

ملاقات

انگیٹھی

میدان

ایک حوصلہ بخش کتاب

تحریک اخوان

دلچسپ حکایات مثنوی

تحریری ارادے

ٹیلیفون کی یادداشت

خودی پسندی اور مایوسی

آرام دہ مختصر قید

پروٹوکول

جبری اکرام

نمبر شمار — عنوان — صفحہ

ایک افسوسناک زیادتی

ثنا

بے چین رات

اسلامی بیداری اور انتہا پسندی کتاب پر تبصرہ

استقبالی نظم

روزنامہ ''خبریں'' کے نام

صدر پاکستان کا خطاب

حکایت

علماء اور اولیاء

بھارتی سواگت

دل شکن حالات

تین طبقے اور شہداء کی کامیابی

مصروفیات کا راگ

ملاقات

خدشات اور توقعات

نمبر شمار — عنوان — صفحہ

فدائی بسکٹ

ام بش کی نصیحت

غازی صاحب مژدہ نو

میری حقیقت

ضمیمہ

حقوق العباد

عالم مثال

عرفان صدیقی صاحب کے نام

مسلمانوں کی حالت زار

انگریزی کا حشر

پرانا کھیل

دارالھجرۃ اور تبلیغی جماعت

زہریلا نشہ

وحشی درندہ

دعوت جاری ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجرم یا پتھر

آج سے دو سال پہلے آج کے دن اس وقت بندہ جہاز پر سوار قندھار کی طرف بڑھ رہا تھا ...... جبکہ آج، میانوالی (پنجاب پاکستان) کی سینٹرل جیل کے ایک ہائی سیکورٹی وارڈ میں بیٹھا یہ یادداشت لکھ رہا ہے۔

واہ مالک سبحانہ ...... انسان کی زندگی کس قدر محدود اور مختصر ہے۔ پلک جھپکتے ہی دو سال گزر گئے اور اعمال کی شامت دوبارہ جیل لے آئی۔ البتہ دو سال پہلے والی جیل اور اس جیل میں بہت سارے فرق ہیں ...... دشمنوں کی جیل میں مجھے یہ معلوم تھا کہ میں کس جرم کی سزا کاٹ رہا ہوں ویسے قانونی طور پر انہوں نے مجھے مجرم نہیں ملزم لکھا ہوا تھا کیونکہ مجھے کسی عدالت نے سزا سنا کر باقاعدہ مجرم کی سند جاری نہیں کی تھی ...... مگر مجھے معلوم تھا کہ میں مجرم ہوں اور اللہ تعالیٰ کے باغی دشمنوں کا مجرم ہونے پر میرا دل مطمئن اور ضمیر ہلکا تھا ...... مگر اپنوں کی جیل میں مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں کس جرم کی سزا بھگت رہا ہوں جبکہ دلچسپ یا دلسوز بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کاغذوں پر مجھے ''مجرم'' لکھا ہوا ہے۔ جی ہاں پہلے دن جب رسمی طبی معائنے کے لئے جیل کے ڈاکٹر آئے تو ان کے معاون کے پاس ایک بڑا رجسٹر تھا میں نے اپنے صفحے پر نظر ڈالی تو دل دھڑک کر رہ گیا وہاں درج ذیل تفصیلات تھیں:

نام محمد مسعود ازھر۔ ولد اللہ بخش۔ ساکن ماڈل ٹاؤن بہاولپور

نوعیت مجرم۔ مدت نوے دن۔ از طرف محکمہ داخلہ حکومت پنجاب

اس گرفتاری کے بعد میں نے کئی لوگوں سے اپنا جرم پوچھا۔ سب نے اپنی اپنی تقریر جھاڑی، خلاصہ سب کا ایک تھا کہ آپ کو ملک کے لئے بطور قربانی جیل میں رکھا گیا ہے۔ اگر آپ کو جیل میں نہ رکھا جاتا تو انڈیا حملہ کر دیتا، امریکا روٹھ جاتا اور یورپ خفا ہو جاتا۔ پاکستان کے تحفظ کے لئے ...... آپ کو گرفتار کرنا بے حد ضروری تھا۔ آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی قبول فرمائے۔ یہ تقریر میں مختلف لوگوں سے کئی بار سن چکا ہوں مگر یہ ابھی تک میرے گلے سے نہیں اتر رہی ...... کیونکہ کرگل کے موقع پر بھارت، امریکا اور یورپ کے تمام الزامات کا رخ جنرل پرویز مشرف کی طرف تھا ...... مگر ملک کی خاطر کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا ...... پھر جمہوریت کے قتل کا الزام بھی جنرل پرویز مشرف پر تھا اور اس کی وجہ سے پاکستان پر سخت پابندی بھی لگی تھی مگر اس وقت بھی ملک کے مفاد میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا۔

ماضی میں انڈیا نے کئی کشمیری مجاہدین اور سکھ آزادی پسندوں کو پاکستان سے مانگا ...... مگر اس وقت گرفتاری تو درکنار انڈیا کی بات تک نہیں سنی گئی ...... پھر یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پاکستان کے بے شمار مجرم بھارت میں سرعام گھوم رہے ہیں ...... مگر آج تک ان کی حوالگی کی بات تک نہیں ہوئی ...... ۱۹۷۱ء کی لڑائی سے پہلے مکتی باہنی کی مکمل تشکیل انڈیا میں تھی اور انہیں وہاں سے ہر طرح کی امداد مل رہی تھی، ان کی سرپرستی کرنے والے کئی لوگ آج بھی زندہ ہیں ...... خونی قاتلوں کے ان سرغنوں کو آج تک نہ پاکستان نے مانگا ہے اور نہ انڈیا نے انہیں پاکستان کے حوالے کیا ہے ...... افغانستان کے شمالی اتحاد نے انڈیا میں بیٹھ کر پاکستان میں بم دھماکے کرائے ...... مگر آج وہ حکمران بن چکے ہیں ...... ''را'' نے پاکستان میں کئی پر تشدد وارداتیں کیں مگر آج تک کسی کو کسی کے حوالے نہیں کیا گیا ...... پاکستان کی کئی لسانی تنظیموں کے عسکری ٹریننگ کیمپ انڈیا

میں قائم ہیں.....مگر اس بارے میں نہ انڈیا سے کوئی شکوہ ہوا اور نہ عالمی برادری کے کان کھڑے ہوئے۔ان تمام حقائق کے باوجود اگر آج سوئی اٹکی ہوئی ہے تو وہ جیش محمد ﷺ اور لشکر طیبہ پر اٹکی ہوئی ہے اور پھر ان دونوں میں سے بھی صرف جیش کو تختہ مشق بنایا جارہا ہے۔

یقیناً اس میں کوئی اور راز پوشیدہ ہے.....اگر ہمارا جرم کشمیری مجاہدین کا تعاون کرنا ہے تو پھر اس جرم کے مرتکب ہم سے بڑے مجرم کھلے عام گھوم پھر رہے ہیں.....اور تو اور بھارتی علاقے میں حریت کانفرنس کے لیڈر بھی یہ جرم اتنا کرتے ہیں جتنا ہم کر رہے ہیں۔ بات بالکل واضح ہے۔اور وہ یہ کہ کشمیر سے ذلت ناک دستبرداری.....اور پاکستان میں دینی طبقے کے خلاف آپریشن کا اصولی فیصلہ ہو چکا ہے..... مجھے غالباً اس فیصلے کے راستے کا ایک چھوٹا سا رکاوٹی پتھر سمجھا گیا ہے۔

اب اس پتھر کو ہٹانے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔مگر یہ عمل اس قدر ظالمانہ ہے کہ اس پر ظالموں کو.....اللہ تعالیٰ کے حضور انشاء اللہ بہت پچھتانا پڑے گا۔

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک دن

۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کا دھوپ سے چمکتا دن میری طویل گرفتاری سے آزادی کا پیغام لایا تھا.....۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ جمعہ کا دن سہ پہر کا وقت قندھار کی سرزمین.....اور تشکر بھرے آنسو.....مگر آج ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء کا سردی اور کہرے سے ٹھٹھرتا دن کس حال میں آیا ہے؟ آج نہ مسلمانوں کا مرکز قندھار رہا ..... اور نہ امارت اسلامیہ افغانستان.....آج پھر اہل حق کے لئے گرفتاریاں ہیں.....خوف، پریشانی، گھیراؤ، قید.....اور دھمکیاں..... مجھے یقین ہے کہ.....اللہ تعالیٰ آج بھی ایمان والوں کے ساتھ ہے.....اس کے حضور درخواست ہے کہ.....آزمائش کی گھڑیاں ختم فرما کر.....امت مسلمہ کے ایمان اور حوصلے کی حفاظت فرمائے.....آمین ثم آمین

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ لکھنا بہتر ہے

لکھنے کے لئے میرے دامن میں اب بھی بہت کچھ ہے مگر اس لکھنے کا کیا فائدہ ہو گا؟ پھر حالات کا تیزی سے بدلنا بہت ساری تحریروں کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ ادھر زمانے کے دجال کا خوف ہر شخص پر اس کے نفاق کی بقدر حاوی ہے...... کافروں کے خوف سے ڈرنے والے لوگ مسلمانوں کو ستا رہے ہیں، ڈرا رہے ہیں، دھمکا رہے ہیں...... کاش ہمارے اور کافروں کے بیچ یہ خوفزدہ طبقہ نہ ہوتا تو میدان کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا...... ہم نہیں کہتے کہ ہمیں فوری فتح مل جاتی لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں یا تو فتح ملتی یا عزت والی شہادت۔ مگر ان لوگوں کی وجہ سے ہمیں ذلت ناک پسپائیوں اور گرفتاریوں کا سامنا ہے۔ یا اللہ اس طبقے کو ہدایت عطاء فرما...... اگر ہدایت ان کا مقدر نہیں تو ان سے طاقت، قوت اور قدرت چھین لے ...... کیونکہ یہ اپنی طاقت کافروں کے خلاف استعمال کرنا خلاف مصلحت اور ہمارے خلاف استعمال کرنا عین عقلمندی سمجھتے ہیں۔

یا اللہ ہماری مدد فرما اور ہمیں کافروں اور منافقوں کا تختۂ مشق نہ بنا۔

آمین یارب العالمین

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوستوں کا خدشہ

مجھے چھپنے، بھاگنے اور روپوش ہونے کا مشورہ بہت دنوں سے مل رہا تھا مگر میں نے اس پر عمل نہیں کیا کیونکہ حالات کی سنگینی کا احساس ہونے کے باوجود میرا ضمیر اسے گوارہ نہیں کرتا تھا...... پھر میں کیوں چھپتا؟ اور کہاں چھپتا؟...... میرا جرم مسلمان ہونا ہے اس جرم سے دستبرداری ناممکن ہے...... اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے......

میرا جرم جہاد کے ساتھ وابستگی ہے اس جرم کو چھوڑنا بھی مشکل ہے...... اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے...... ان دو جرائم کے علاوہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے جو دنیا کی کوئی حکومت پیش کر سکے...... پاکستان اسلام کیلئے بنا تھا اور مسلمانوں نے بے شمار قربانیاں دے کر اسے حاصل کیا تھا...... اگر اس ملک میں بھی مسلمان ہونا اور انڈیا کے غاصبوں سے کشمیر میں جہاد کی بات کرنا جرم ہے تو پھر...... دنیا میں اور کہاں جایا جا سکتا ہے۔

میں آخری لمحات تک حالات کا سامنا کرتا رہا...... اور حالات آئے دن بگڑتے رہے بالآخر دوستوں اور بہی خواہوں کا خدشہ درست نکلا...... اور مجھے دھوکے سے گرفتار کرلیا گیا......

میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک وہی بندوں کے احوال سے باخبر ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء دوشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اک فرصت تو ملی لیکن!

میرے دوستوں اور ساتھیوں کی خواہش تھی کہ میں اپنی کتاب ''یہود کی چالیس بیماریاں'' کسی نہ کسی طرح مکمل کرلوں۔اس بارے میں کئی بار نجی اور اجتماعی مجالس میں مجھے پر زور ترغیب دی گئی مگر میری غیر منظم مصروفیات اس حکم کی تعمیل میں بڑی رکاوٹ تھیں۔بندہ نے ہر ترغیب کے بعد اپنی مشغولیات کا عذر کیا اور ساتھیوں کو بتایا کہ ان حالات میں اس تحقیقی کتاب کو مکمل کرنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ویسے خود بندہ کی خواہش بھی یہی تھی کہ اس صدقہ جاریہ کی تکمیل کی کوئی صورت ہو جائے۔ایک بار ایک مجلس میں بندہ کے محترم بڑے بھائی صاحب نے جب کتاب کو مکمل کرنے کی فرمائش کی تو بندہ نے عرض کیا یہ کتاب جیل کے فرصت والے ماحول میں لکھی گئی تھی اب وہ ماحول کہاں؟ اس پر انہوں نے ازراہ مزاح فرمایا کہ پھر تو آپ کو کچھ عرصہ کے لئے جیل بھجوانا پڑے گا؟ ساتھ ہی انہوں نے بندہ کو گرفتار نہ ہونے کی دعا بھی دی...... آج جب کہ بندہ ایک بار پھر جیل کی یکسوئی میں گرفتار ہے پرانی باتیں یاد آرہی ہیں مگر اس جیل میں محبت، اکرام اور اعزاز کے پردوں میں بندہ پر اس قدر سخت سیکورٹی مقرر کر دی گئی ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کتاب تو درکنار کوئی مضمون لکھ کر بھجوانا بھی تا حال ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف بندہ کو دوران سفر دھوکے سے گرفتار کیا گیا جس کی وجہ سے بندہ اپنے ساتھ ضروری کتابیں بھی نہیں لا سکا اور جیل کے حالیہ ماحول میں کتابیں منگوانا بھی ممکن نہیں ہے۔آج سہ پہر جیل حکام نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے حکم پر جیل لائبریری کی فہرست لا کر دی ہے اور مجھے بتایا ہے کہ آپ اس فہرست میں سے باری باری ایک کتاب منگوا کر

پڑھ سکتے ہیں۔لائبریری کی یہ فہرست دیکھ کر مجھے کافی مایوسی ہوئی کیونکہ میرے کام کی کتابیں اس لائبریری میں نہ ہونے کے برابر ہیں، ذائقہ بدلنے کے لئے بندہ نے چند کتابوں کے نام اپنے پاس لکھ لئے ہیں اگر موقع ملا تو انشاءاللہ یہ کتابیں منگوا کر پڑھنے کا ارادہ ہے لیکن ''یہود کی چالیس بیماریاں'' مکمل کرنے کے لئے بیسیوں کتابوں کی ضرورت ہے۔دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرمائے۔اب اگر رہائی مل گئی تو انشاءاللہ روزانہ کچھ وقت نکال کر کتاب مکمل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے یا اگر تمام مطلوبہ کتابیں جیل میں لانے کی اجازت مل گئی تو پھر بھی انشاءاللہ کچھ کچاپکا کام ہو جائے گا۔فی الحال تو اپنے گھر والوں تک سے رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اہل خانہ اور رفقاء کس حالت میں ہیں؟

صدر بش کے صدر مشرف کے نام آنے والے ٹیلیفونوں نے حالات کو مزید نازک بنا دیا ہے اور اس بات کا خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا ہے کہ کہیں خدانخواستہ اسی ہزار شہداء کے خون سے پروان چڑھنے والی تحریک کشمیر کا سودا نہ کر دیا جائے۔اللہ تعالیٰ ایسے دردناک حالات آنے سے پہلے شہادت دے دے تو یہ اس کا بڑا کرم ہوگا۔کشمیر کی تحریک پاکستان کی شہہ رگ ہے۔اگر خدانخواستہ پاکستان کو بچانے کا بہانہ کر کے اس شہہ رگ کو کاٹا گیا تو پاکستان کا محفوظ رہنا بہت مشکل ہو جائے گا اور مجاہدین کی حوالگی کے چند دن بعد پاکستان پر اپنے خفیہ فوجی آفیسروں کو کافروں کے حوالے کرنے اور ایٹمی تنصیبات پر غیر ملکی مبصرین تعینات کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے گا اور یہ صورتحال پاکستان کی بربادی پر منتج ہوگی۔اللہ تعالیٰ پاکستان کی اور تحریک کشمیر کی حفاظت فرمائے۔ اور پاکستان کے حکمرانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے یا پھر اس مظلوم ملک کو اسلامی درد اور سوچ رکھنے والے غیرت مند حکمران عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیا جہادی دور

مجاہدین اوران کے دشمن ایک عرصے سے آمنے سامنے صف بند تھے۔افغانستان، فلسطین، کشمیر، چیچنیا، فلپائن اورشرقی یورپ کے بعض علاقوں میں لڑائیاں جاری تھیں، ہر جگہ عملی طور پر ایک کا ایک سے مقابلہ تھا۔نہ دنیا بھر کے مجاہدین کا کوئی اتحاد تھا اور نہ ان کی مخالف طاقتوں کا۔مجاہدین ممکنہ حد تک ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے اسی طرح کفریہ طاقتیں بھی ایک دوسرے کی مدد کررہی تھیں۔مگر کوئی با قاعدہ وسیع تر اتحاد موجود نہیں تھا۔فلسطین کے مجاہدین اسرائیل کے خلاف برسرپیکار تھے۔اسرائیل کی پشت پر بہت سارے ممالک تھے مگر عملی لڑائی میں فلسطینی مجاہدین اور اسرائیلی فوج آمنے سامنے تھی۔ بھارت کے خلاف کشمیری مجاہدین صف آراء تھے۔بھارت کی مدد کئی ممالک کررہے تھے مگر عملی لڑائی میں مقابلہ کشمیری مجاہدین اور بھارت کے درمیان تھا۔الغرض انفرادی لڑائیوں کا یہ دور ایک عرصے تک چلتا رہا۔اسلام دشمن عناصر اس بکھری ہوئی جہادی تحریک کے خلاف متحد ہونا چاہتے تھے مگر انہیں اتحاد کا کوئی بہانہ نہیں ملتا تھا۔اس پورے عرصے میں جہاد کو بہت عروج، اعزاز اور مقام ملا۔مجاہدین نے خوب ترقی کی، دعوت جہاد خوب پھیلی اور جہادی حلقہ طاقتور اور وسیع ہوتا چلا گیا۔پھر جہادی ثمرات کا عروج امارت اسلامیہ افغانستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔اقوام متحدہ اور نیو ورلڈ آرڈر کے زمانے میں ایک خالص اسلامی حکومت کا قیام پتھر میں سے پانی نکلنے کے مترادف تھا۔تب سوچیں جلدی

جلدی بدلنے لگیں اور قدم تیز تیز اٹھنے لگے، دشمن طاقتوں نے اسے خطرے کا آخری الارم سمجھا اور مجاہد قوتوں نے اس امارت کو غنیمت جانا اب دونوں طرف سے اتحاد بننے لگا۔ کفریہ طاقتیں بھی متحد ہونے لگیں اور مجاہدین نے بھی امارت اسلامیہ کے پروں تلے جمع ہونا شروع کردیا۔ہاں اس بات کا اعتراف ہے کہ کفریہ طاقتوں کا اتحاد تیزی سے بن رہا تھا جب کہ امارت اسلامیہ کے تحت مجاہدین کا جمع ہونا بہت سست رو تھا۔دوسری طرف امارت اسلامیہ کو شمالی باغیوں کا سامنا تھا جن کی پیٹھ پر کفریہ اتحاد کا مکمل ہاتھ تھا۔یہ سلسلہ اگر کچھ عرصہ مزید چلتا رہتا تو مجاہدین کی قوت بہت منظم ہو جاتی اور وہ کفریہ اتحاد کو مقابلے کی ٹکر دینے کے قابل ہو جاتے۔مگر اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کی حکمت خود ہی جانتا ہے اس کا کوئی کام اپنے مخلص بندوں کی مصلحت کے خلاف نہیں ہوتا۔

گیارہ ستمبر کا دن تاریخ کے سینے پر آگ کی طرح نازل ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں بارود کی بو اور بموں کے دھماکے پھیل گئے۔گیارہ ستمبر نے کفریہ اتحاد کو ایک دم منظم کردیا اور کمزور دل مسلمانوں کو بھی جبراً اس اتحاد کا حصہ بنا لیا گیا۔اب لڑائی شروع ہو چکی ہے اور کافروں کے اتحاد کا ہدف صرف امارت اسلامیہ افغانستان یا القاعدہ نہیں ہے بلکہ جہاد کا وہ عمل ہے جس کی بدولت امارت اسلامیہ افغانستان قائم ہوئی تھی اور جس کے ولولوں نے القاعدہ اور دوسری جہادی تنظیموں کو کھڑا کیا تھا۔اب کفر اور جہاد کا مقابلہ ہے اور کافروں نے چن چن کر جہادی مراکز، جہادی شخصیات اور جہادی تنظیموں پر ہاتھ ڈالنا شروع کردیا ہے۔پہلے انہوں نے افغانستان پر کارروائی کی اب ان کی نظریں جہاد کشمیر پر ہیں پھر اس کے بعد وہ شرق وسطیٰ کا عزم رکھتے ہیں جہاں فلسطین کی تحریک آزادی ان کی آنکھوں کا کانٹا ہے اس کے بعد یمن، الجزائر، چیچنیا اور وسطی ایشیا کا نمبر ہے۔

ظاہری طور پر کفریہ اتحاد کامیاب جا رہا ہے اور اسے نام کی مسلمان حکومتوں کی

طرف سے پورا تعاون مل رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہو گا؟ یقیناً یہ سوال آج ہر ذہن میں اٹھ رہا ہے۔ اگر آسمانی صحیفے اور ماضی کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو جواب نہایت آسان ہے اور وہ یہ کہ آخری فتح انشاء اللہ اسلام اور جہاد کی ہو گی۔ کیونکہ جہاد کی بنیاد کوئی فرد، علاقہ یا تنظیم نہیں خود قرآن مجید ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ ویسے اب تک کی لڑائی میں بیشک مجاہدین کو کافی نقصان پہنچا ہے مگر جہاد اب بھی فائدے میں جا رہا ہے وہ بے شمار دلوں میں مہک رہا ہے وہ ہر ایمانی جذبے میں دمک رہا ہے اور وہ اپنے لئے مضبوط راہیں تلاش کر رہا ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جہاد اب فدائی دور میں داخل ہو چکا ہے۔

یکم جنوری ۲۰۰۱ء

نوٹ: عراق اور افغانستان کے حالات نے اس تحریر کی صداقت اور حقانیت پر مہر لگا دی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آگ اور نورِ توحید

آج کل یہاں میانوالی میں سخت سردی پڑ رہی ہے اور سورج بادلوں اور کہر کے پیچھے اسی طرح چھپا ہوا ہے جس طرح حضرت ملا محمد عمر مجاہد پہاڑوں اور کافروں کے شور کے پیچھے چھپ گئے ہیں...... حالانکہ زمین کا رواں رواں اسی طرح سورج نکلنے کا انتظار کر رہا ہے جس طرح ایمان والوں کا بچہ بچہ ملا محمد عمر کا منتظر ہے...... دیکھیں بادل، کہرا، اور کافر کب تک رکاوٹ بنتے ہیں...... بندہ نے یہاں جیل کی ابتدائی راتیں الحمدللہ سردی کی مشقت میں گزاری ہیں جب کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک انگیٹھی ہاتھ لگ گئی ہے جس پر ہاتھ سینکتے وقت پورا جسم سکون محسوس کرتا ہے۔ آج عصر اور مغرب کے درمیان جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے لطف اندوز ہو رہا تھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ آگ کتنی نفع بخش، سکون آور اور مفید چیز ہے۔ غالباً اس کے انہی کاموں فوائد کو دیکھتے ہوئے کئی لوگوں نے اسے اپنا خدا اور معبود قرار دے کر اس کی عبادت شروع کر دی...... اسی طرح اور لوگوں نے بعض دوسری چیزوں کے منافع اور فوائد دیکھ کر ان چیزوں کو خدا بنا لیا...... بات دراصل یہ ہے کہ انسان اپنی دنیاوی زندگی میں بہت کمزور اور محتاج ہے پس اسے ضرورت کے وقت جو چیز بھی نفع دے دے یہ اس کا ممنون ہو جاتا ہے۔ خود سوچئے شدید سردی میں ٹھٹھرتے اور کانپتے انسان کو جس کی ہڈیوں کا گودا جما جا رہا ہو جب اچانک آگ مل جائے اور اس کی حرارت کا لطف اس کے جسم کا ہر مسام

محسوس کرنے لگے تو اس مجبور انسان کے دل میں آگ کی کتنی قدر آئے گی۔ بس یہی قدر اس کو آگ کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے...... اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی کمزوری کے علاج کے لئے قرآن مجید کی پہلی آیت کو شفاء بنا کر نازل کیا...... یہ نکتہ آج ہی آگ سینکتے وقت میرے ذہن میں آیا ہے...... دیکھئے قرآن مجید کی پہلی آیت الحمدللہ رب العالمین۔ انسان کے اس مرض کا کس قدر کافی وشافی علاج ہے اور وہ اس طرح کہ جب انسان کو مجبوری، بے بسی اور سخت ضرورت کے وقت کوئی نعمت ملتی ہے تو اس کا دل اس نعمت کی قدر سے جھک جاتا ہے اس موقع پر انسان کو سمجھایا گیا کہ یہ نعمت تعریف کی مستحق نہیں ہے بلکہ تمام تعریفوں کا مستحق تو وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ نعمت اور دوسری تمام نعمتوں کو بنایا ہے بس اتنا سوچتے ہی شرک کی غلاظت دل سے نکل جاتی ہے اور دل نورِ توحید سے معمور ہو جاتا ہے اس آیت میں انسان کو سمجھایا گیا کہ فطرت کی ہر خوبی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ چنانچہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے رب بن کر تمام جہانوں کو پیدا کیا اور نفع مند بنایا۔ چنانچہ انسان کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا چاہئے اور اسی کو اپنا معبود ماننا چاہئے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ آگئی کہ اسلام نے ہر نعمت کے استعمال کے بعد الحمدللہ پڑھنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ یقیناً اسی لئے کہ کہیں کوئی غافل انسان اس نعمت کو اپنا معبود اور محسن نہ سمجھ بیٹھے چنانچہ وہ جب بھی کسی نعمت کو استعمال کرے تو فوراً اس بات کا اعلان کرے کہ اس نعمت سے مجھے جو نفع ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس نعمت میں یہ سارے منافع اور فوائد رکھے ہیں۔ بے شک آگ سردی میں گرمائش پہنچاتی ہے مگر اس میں یہ گرمی اللہ تعالیٰ ہی نے رکھی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہ آگ کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اب مزید تفصیل کے لئے اس آیت کے ایک ایک لفظ کو دیکھئے تب معلوم ہوگا کہ

اس آیت کریمہ میں مسئلہ توحید کا مکمل بیان موجود ہے اور اس میں انسان کے لئے ہر طرح کے شرک سے بچنے کی دوا بھی میسر ہے۔ ''ال'' کے معنی تمام، ''حمد'' کے معنی تعریف، ''رب'' کے معنی بنانے اور پالنے والا، ''عالمین'' جمع ہے عالم کی جس کے معنی ہیں تمام مخلوقات۔ اب ایک ایک لفظ پر غور کرتے جایئے اور اپنے رب کی وحدانیت اور عظمت پر جھومتے جایئے۔ ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے ورنہ اس آیت میں بے شمار فوائد، مضامین اور ایمانی نکتے موجود ہیں۔ شکر اس رب العالمین کا جس نے ''نار'' کے ذریعے نور سمجھایا۔ جی ہاں نورِ توحید۔

۱۲ شوال ۱۴۲۲ھ

کیم جنوری ۲۰۰۲ء بعد نماز مغرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"تحفہ سعادت" کام آرہی ہے

اس بار گرفتاری دوران سفر ہوئی اس لئے کتابیں ساتھ نہیں تھیں ۔البتہ حال ہی میں ترتیب پانے والی کتاب ''تحفہ سعادت'' کا ایک نسخہ ''مناجات مقبول'' اور ''بنات عائشہ'' کے چند تازہ شمارے بندہ کے پاس تھے۔ بنات عائشہ کے شمارے تو کئی حکومتی اہلکاروں کو دے دیئے۔ اس شمارے کا اداریہ قرآنی آیات کی مدد سے کئے گئے ایک تجزیئے پر مشتمل ہے۔ ممکن ہے یہ کسی کے لئے سرمہ بصیرت بن جائے۔ البتہ تحفہ سعادت بندہ نے کسی کو نہیں دی اور الحمد للہ جیل کی تنہائیوں میں یہ کتاب بہت کام آرہی ہے اس کا جو صفحہ بھی کھولا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی بہت ساری ترغیبات ملتی ہیں اور سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننا، اسے پہچاننا اور اسے پکارنا ہی انسانی مسائل کا حل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی معرفت، اپنی ذات پر کامل یقین اور اپنے مسلسل ذکر کی توفیق عطاء فرمائے۔ امید ہے کہ اور بھی بہت سارے مسلمان بھائی اور بہنیں انشاء اللہ اس کتاب سے نفع حاصل کر رہے ہوں گے اور میری پیاری امی جان بھی اس کتاب میں مذکور اوراد کے ذریعے انشاء اللہ اپنے غمزدہ دل کو سکون پہنچا رہی ہوں گی۔

۶ شوال ۱۴۲۲ھ

کیم جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عظیم ساتھی

(۱) النصر اقبال عرف عمار شہید ......

جی ہاں خانیوال کا رہنے والا وہ شیر جوان مرد اب شہید ہو چکا ہے...... مگر کہاں؟

(۲) فیضان احمد پالا ......

ہاں وہ بھی شہداء کی صف میں شامل ہو چکا ہے مگر کیوں؟

(۳) سیف اللہ مروت ......

وہ بھی حورعین کو گلے لگا کر رحمت الٰہی کے پرنور سمندر میں غوطہ زن ہو چکا ہے مگر کیسے؟

(۴) استاد سعید ......

اس کو ہم سے بچھڑے کافی دن بیت چکے ہیں وہ بھی شہداء کے قافلے کا راہی بن گیا...... یہ داستان بھی سب جانتے ہیں ۔

(۵) محمد یوسف ......

وہ بھی شجاعت کی ایک انمول داستان رقم کر کے شہادت کا میٹھا شربت پی گیا ...... مگر کس طرح؟

یہ پانچوں عرف عام میں (استغفر اللہ) کسی زمانے میں میرے حارسین (باڈی گارڈ) کہلاتے تھے ...... مگر ان میں سے ہر ایک مجھ سے آگے نکل گیا اور ان میں سے

ہر ایک اسلام کی اصل گمنام تاریخ کا ہیرو بن گیا ...... میں ان کے اخلاص اور ان کی وفاؤں کو تو جانتا تھا مگر ان کے عالی مقام کا اندازہ اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ کام لئے جن کی تمنا آسان مگر عمل مشکل ہے۔

یہ سارے سفر و حضر میں میری راحت کا خیال رکھتے تھے اور میری حفاظت کے لئے اپنی جان پر کھیلتے تھے ......ایک بار ایکسیڈنٹ میں پسلیاں ٹوٹ جانے کے باوجود عمار شہید چیخ چیخ کر ساتھیوں کو میرا خیال رکھنے کی تلقین کر رہا تھا کاش قیامت کے مشکل دن یہ پیارے شہداء مجھے پہچان لیں ...... یہ امید اب بار بار دل میں اٹھتی ہے...... یا اللہ تیرے مقرب شہداء قیامت کے دن اپنے زخم، اپنا خون اور اپنے قدموں کی دھول کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

اے مالک! میرے ان ساتھیوں کی شہادت قبول فرما ...... میں ان کی ایمانی زندگیوں کا گواہ ہوں اور مجھے بھی ان کے قدموں کی دھول کے ساتھ اپنی رحمت اور بخشش سے نواز دے۔ کاش میں ان شہداء کے احوال، واقعات اور کارناموں کو لکھ کر دوسرے مسلمانوں تک پہنچا سکتا......

یا اللہ ان شہداء کے بچوں اور دیگر عزیز و اقارب کی اعانت و کفالت فرما اور ہمیں ان کے پسماندگان کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا رب الشہداء والمجاہدین

یکم جنوری ۲۰۰۲ء

(نوٹ) یہ ساتھی مختلف اوقات اور مقامات پر شہید ہوئے،

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہداء کرام کے اہل خانہ پر ظلم

شہداء کرام کے اہل خانہ کی خدمت ...... پیچھے رہ جانے والوں پر کس قدر ضروری ہے اور مجاہدین کی ماؤں اور بہنوں کی حرمت کا لحاظ مسلمانوں پر کس قدر لازم ہے، اس کا علم قرآن و سنت پڑھنے والا ہر شخص رکھتا ہے۔ ہم نے اپنی ناقص بساط کے مطابق سینکڑوں شہداء کرام کے گھر ماہانہ خرچہ بھجوانے کا انتظام کیا تھا۔ الحمد للہ اس انتظام کی برکت سے بہت سارے گھرانوں کے چولہوں میں آگ جلتی تھی اور بہت سارے پرنور بڑھاپے سکون پاتے تھے ......اب جب کہ حکومت نے اچانک شب خون مار کر سارے نظام کو درہم برہم کر دیا ہے مجھے ان گھرانوں کی فکر لاحق ہے۔ آج یکم جنوری ہے اور اسی دن ان ایمان والوں کی طرف منی آرڈر روانہ کئے جاتے تھے......اب معلوم نہیں کیا ہو رہا ہوگا ......سنا ہے کہ دفاتر کو تہس نہس کر دیا گیا ہے۔ اکثر کام والے ذمہ دار ساتھی گرفتار ہیں اور مجھ سمیت تمام گرفتار شدگان کو ملک دشمن قیدیوں کی طرح ہر طرح کے بیرونی روابط سے کاٹ دیا گیا ہے ...... یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہ نوجوان جنہوں نے اسلام اور ملک کے تحفظ کے لئے اپنے قیمتی لہو کا نذرانہ پیش کیا۔ آج ان کے اہل خانہ کو بھوکا مارنے کا ظلم کیا جا رہا ہے۔ کاش بڑی تنخواہیں لے کر سرکاری گاڑیوں پر اپنے بچوں کو مہنگی تعلیم گاہوں میں بھجوانے والے لوگ صرف اتنا ہی سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور اس کا انتقام کس قدر سخت ہے......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کی کروٹ

وقت کس تیزی سے کروٹ بدلتا ہے……اس پر جس قدر غور کیا جائے اسی قدر اس دنیا کے فانی ہونے کا یقین پختہ ہو جاتا ہے……آج سے چھ دن پہلے میرے حالات کیا تھے اور آج کیا ہیں …… میں اپنے کام کاج کی وجہ سے ملاقات کرنے والوں سے چھپتا پھرتا تھا اور ہر ملاقاتی سے مختصر ملاقات کی کوشش کرتا تھا۔ مگر اب میں روزانہ جیل والوں سے پوچھتا ہوں کہ میری ملاقات تو نہیں آئی؟ جمعرات اور جمعہ کے دن مجھ پر رسالوں والے احباب، بار بار ٹیلیفون کر کے مضمون لکھنے کا دباؤ ڈالتے تھے اور میں حسرت کے ساتھ تھوڑی سی یکسوئی کا طلب گار رہتا تھا۔ یہ یکسوئی کبھی ملتی تھی اور کبھی نہیں اور کئی بار دوران سفر گاڑی میں مضامین لکھنے پڑتے تھے۔

اب میرے پاس لکھنے کا کھلا وقت ہے مگر میں کیا لکھوں؟ لکھ کر کیسے بھجواؤں؟ اور کہاں بھجواؤں؟ وہی قلم وہی ہاتھ اور وہی کاغذ ہے مگر حالات کس قدر بدل چکے ہیں؟

یہ صرف دو مثالیں ہیں اگر اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ لیا جائے تو کئی صفحات سیاہ ہو سکتے ہیں……اب اس کے بعد بھی اگر دل کو دنیا کے فانی ہونے کا یقین نہ ہو تو پھر کب ہوگا؟ انسان بہت جاہل ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اس سے کام لیتا ہے تو بعض اوقات وہ اسے اپنا کمال سمجھنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو انسان کیا کر سکتا ہے؟ بالآخر ایک دن یہی ہاتھ ہوں گے اور ان میں لکھنے کے لئے جان نہیں ہوگی۔ یہی بدن ہو

گا مگر روح اسے تنہا چھوڑ چکی ہوگی۔ اس دن ہر شخص کو بس اسی کی جلدی ہوگی کہ جلد از جلد اسے دفنایا جائے اور منوں مٹی کے نیچے چھپایا جائے۔ گھر والوں سے لے کر خدمت گاروں تک اور دوستوں سے لے کر جان چھڑکنے والے وفاداروں تک ہر شخص تیز قدموں کے ساتھ قبر کی طرف دوڑ رہا ہوگا……یا اللہ اس دن سے پہلے اس دن کی فکر عطا فرما اور اس کی تیاری کی توفیق مرحمت فرما……ہم تیرے ہیں اور ہم سب نے تیرے حضور پیش ہونا ہے آج دنیا کی پریشانیوں نے اس حاضری سے دل کو غافل کر رکھا ہے۔ تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں دنیا کی فکروں سے بے پرواہ فرما کر آخرت کی فکر عطا فرما۔

آمین یا رب العالمین۔

۱۲ شوال ۱۴۲۲ھ

کیم جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوپر والے کے حضور

گرفتاری کے پہلے دن نہ ریڈیو ملا اور نہ اخبارات، دوسرے دن ریڈیو مل گیا مگر اخبارات دینے سے چشم پوشی کر لی گئی۔تیسرا دن سفر میں گزرا اور گاڑیوں کے ریڈیو سے خبریں سن لیں، چوتھے دن اخبار مل گیا مگر ریڈیو پر پابندی لگ گئی۔آج چھٹا دن ہے اخبارات مل رہے ہیں جب کہ ریڈیو کے بارے میں ''اوپر والوں کا حکم'' سنا کر مسلسل انکار کیا جا رہا ہے۔جب کہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مجھے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ آپ کی گرفتاری کسی سنگین جرم میں نہیں ہے۔اب میں ان حالات میں کیا کروں۔دل سے آواز آ رہی ہے کہ قلم روکو، رجسٹر بند کرو اور ''اصل اوپر والے'' کے حضور عشاء کی نماز کے لئے حاضر ہو جاؤ......دل کی یہ پکار سچی ہے اور ہر غم اور محرومی کا علاج ہے۔بے شک اگر ''اوپر والا'' مل گیا تو تمام کے اوپر والوں سے جان چھوٹ جائے گی اور دل میں کوئی حسرت اور محرومی بھی باقی نہیں رہے گی۔

اچھا اب اللہ حافظ اور اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلان جنگ کیوں؟

کہتے ہیں کہ ایک بار مجنوں بیمار پڑ گیا۔ایک بڑے طبیب نے معائنے کے بعد یہ علاج تجویز کیا کہ نشتر لگا کر جسم کا کچھ خون نکال لیا جائے، مرض شدید تھا نشتر لگانے والے کو فوراً بلایا گیا اس نے نشتر چبھونا چاہا تو مجنوں چیخ مار کر ایک طرف ہو گیا اور کہنے لگا خدارا اب میرے جسم کو نشتر نہ لگاؤ تم اپنا حق الخدمت (فیس) لو اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔مجنوں کی یہ فریاد سن کر سب حیران رہ گئے اور کہنے لگے تم تو پہاڑوں جیسا صبر رکھتے ہو اور ہر وقت لیلیٰ کی خاطر زخم کھاتے ہو، آج یہ بزدلی کیسی؟ مجنوں نے کہا بے شک مجھے زخم کھانے کی عادت اور تکلیف سہنے کا جنون ہے بلکہ مجھے تو مشقت میں مزہ آتا ہے مگر اب میں اکیلا نہیں رہا لیلیٰ کی محبت اور یاد نے لیلیٰ کو مجھ میں آبسایا ہے اب ہم دو روحیں ایک جسم میں رہتی ہیں اور میرا جسم لیلیٰ کا جسم بن چکا ہے اس لئے اگر تم نے نشتر چبھویا تو اس کی تکلیف لیلیٰ کو ہو گی اور میں اسے تکلیف نہیں دے سکتا......اس حکایت کو پڑھ کر بلا تشبیہ وہ حدیث شریف سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی کو تکلیف دی تو میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہوں ...... بے شک اولیاء کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت بستی ہے پس انہیں تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

یا اللہ ہمیں اپنے اولیاء کی قدر دانی کی توفیق عطا فرما اور ہمیں بھی اپنے اولیاء میں شامل فرما۔آمین

۲ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اک مہربان

جیل میں ان اسیروں کو جنہیں عدالت نے سزا سنا دی ہو ''قیدی'' کہا جاتا ہے جب کہ باقی اسیر حوالاتی، نظر بند اور انڈر ٹرائل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ڈیڑھ سو سالہ پرانے انگریزی جیل قانون کے مطابق قیدیوں سے مشقت لی جاتی ہے تب ان کا نام ''مشقتی'' پڑ جاتا ہے۔ اس مشقت کی داستان بہت مفصل اور روح فرسا ہے...... چنانچہ اسے بیان کرنے کی بجائے اس کے خاتمے کی دعا پر اکتفا کیا جاتا ہے...... بندہ کو جیل حکام نے چونکہ ایک چھوٹے سے وارڈ تک محدود کر دیا ہے اس لئے بطور عنایت مختلف کاموں کے لئے ایک ''مشقتی'' دیا ہوا ہے۔ پہلے دن جس مشقتی کو لایا گیا وہ ایک بڑی مونچھوں والا کمزور و نحیف شخص تھا اس نے سامان منگوانے میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ اپنے قتل کی داستان بھی سنائی اور جیل کے حالات بھی بتائے۔ وہ اچھا آدمی تھا مگر مجھے ایک نمازی کی ضرورت تھی جو کم از کم ظہر و عصر میرے ساتھ پڑھ سکے۔ جیل حکام کو میری اس خواہش کا علم ہوا تو وہ ایک باریش بابا پکڑ کر لے آئے یہ بھی تین سو دو کا قیدی تھا مگر میرے وارڈ پر آفیسروں کی یلغار کی وجہ سے چھوٹے عملے نے اسے اتنا صفائی میں لگایا کہ وہ ایک ہی دن میں گھبرا گیا نیز اسے اپنے دوسرے مقدمہ دار ساتھیوں کی یاد نے بھی ایک ہی دن میں ستانا شروع کر دیا...... دوسرے دن صبح کے وقت وہ میرے سیل میں آیا اور رازداری کے ساتھ کہنے لگا مجھے واپس اپنے وارڈ بھجوا دو میں تمہیں دعا دوں گا۔ میں نے دس بجے تک اس کی فرمائش پوری کر دی تب جیل حکام بے پرواہی سے کندھے ہلا کر

چلنے والے ''مہربان'' کو لے آئے یہ پینتیس سالہ شخص دفعہ تین سو چوبیس کے تحت قید ہے۔ بھکر کا رہنے والا ہے۔ نماز اہتمام کے ساتھ پڑھتا ہے اور بندہ سے غائبانہ تعارف رکھتا ہے...... اس کے بقول یہ اس کی بڑی تمنا تھی جو پوری ہو گئی ہے اور اب وہ اس وقت تک رہائی بھی نہیں چاہتا جب تک بندہ اس جیل میں ہے۔ دو چار کلاس پڑھا ہوا یہ شخص جہاد کا شیدائی اور خدمت کا شوقین ہے۔ وہ مجھے تو اور تم کہہ کر بلاتا ہے تو مجھے اس کا یہ بلانا اچھا لگتا ہے۔ زندگی کی گاڑی میں کیسے کیسے مسافروں سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے اور بالآخر سب آخرت میں جمع ہونے کے لئے دنیا میں بچھڑ جاتے ہیں۔

اس نوجوان کے والدین نے اس کا نام ''مہربان'' رکھا ہے اور وہ اپنی سادہ گفتگو میں ہر متحرک لفظ کے درمیان پیش لگا دیتا ہے مثلاً بھکُر، ہمُت، چکُر، کمبُل وغیرہ۔ غالباً میانوالی کے لوگ اسی طرح بولتے ہیں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے طرح طرح کی بولیاں اور لہجے پیدا فرمائے۔

۲ جنوری ۲۰۰۲ء

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خبریں سننے کی آسانی

نوٹ: مذکورہ بالا یادداشت لکھنے کے دوران جیل کے ملازم نے ایک ریڈیو لا کر دیا ہے میرا اپنا ریڈیو چونکہ کافی جدید تھا اس لئے اسے مشکوک سمجھ کر رکھ لیا گیا ہے اور اس کی جگہ یہ پرانا ریڈیو بھیجا گیا ہے بندہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہے۔

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو نئی اصطلاحیں

دہلی کی تہاڑ جیل میں دو سال گزارنے کی وجہ سے بندہ کو جیل کی اکثر اصطلاحات معلوم ہیں۔ اور اب میانوالی جیل آ کر پتہ چلا کہ یہاں بھی وہی اصطلاحات رائج ہیں۔ مثلاً سپرنٹنڈنٹ کو صاحب بہادر، ان کے نائب کو ڈپٹی، وارڈ کے انچارج کو ہیڈ واڈر، جیل کے داخلی مرکزی کنٹرول کے مقام کو چکر۔ اور چکر کے انچارج کو ''چیف'' کہا جاتا ہے۔ صبح شام جب بیرکوں اور سیلوں کے دروازے کھولے اور بند کئے جاتے ہیں تو اس عمل کو گنتی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں قیدیوں کو نمبردار جب کہ یہاں ''میٹ'' کا عہدہ ملتا ہے۔ باقی ''منشی'' کا عہدہ وہاں اور یہاں یکساں ہے۔ اصطلاحات میں یہ یکسانیت اس لئے ہے کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ انگریز کا بنایا ہوا جیل مینوئل ابھی تک نافذ ہے اسی قانون کی برکت ہے کہ دونوں ملکوں میں جیلیں جرائم کی تربیت گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس قانون کو کون بدلے؟ کیوں بدلے؟ اور کس کے لئے بدلے؟ کل کلاں اگر کوئی سرپھرا مسلمان اس قانون کو بدلنے کی بات کرے گا تو اسے دہشت گرد اور گستاخ قرار دیا جائے گا۔

البتہ میانوالی جیل میں آ کر دو نئی اصطلاحیں معلوم ہوئیں۔

(۱) اڑدی، سزائے موت وغیرہ کے بڑے قیدیوں کو بعض اوقات ہر دن ایک سیل سے دوسرے سیل میں منتقل کیا جاتا ہے اس عمل کو اڑدی کہتے ہیں۔

(۲) سوال، جیل کا کوئی قیدی جب سپرنٹنڈنٹ یا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے سامنے اپنی کوئی گزارش یا التماس رکھتا ہے تو اس عمل کو ''سوال'' کہا جاتا ہے۔ بعض قیدی چھوٹے ملازمین کو ان کی کسی زیادتی کے جواب میں یہ دھمکی دیتے ہوئے سنے گئے کہ ہم صاحب کو سوال کر کے تمہاری پیٹی اتروا دیں گے۔

ان دو نئی معلوم ہونے والی اصطلاحات کے علاوہ اس جیل میں یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ جب سپرنٹنڈنٹ صاحب آتے جاتے ہیں تو ایک اردلی بلند آواز سے ''ہوشیار'' کی صدا لگاتا ہے جس کے بعد سپاہی اپنے صاحب کو سلامی پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح صاحب کے جیل میں داخل ہونے اور نکلنے پر مخصوص تعداد میں گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں تاکہ کسی غفلت کی وجہ سے ''لازمی پروٹوکول'' میں کوئی سستی نہ ہو جائے۔ جو کہ جرائم میں سب سے بڑا جرم ہے۔

۳ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا خط

آج مورخہ ۱۸ شوال ۱۴۲۲ھ بمطابق ۳ جنوری ۲۰۰۲ء حالیہ قید کے دوران گھر والوں کو پہلا خط لکھا ہے۔ یہ خط حضرت والد صاحب کے نام لکھا ہے اور جیل والوں کو پوسٹ کرنے کے لئے دیا ہے۔ گذشتہ دو سال کی مصروفیات میں خط لکھنے کا نظام کافی تبدیل ہو گیا تھا چونکہ بندہ کے پاس ڈاک کا ہجوم رہتا تھا اس لئے کچھ عرصہ تک خود جواب لکھنے کے بعد اب یہ ترتیب بنائی تھی کہ بندہ ہر خط کے لفافے کی پشت پر مختصر جواب لکھ دیا کرتا تھا بعد میں ایک ساتھی اسے لیٹر پیڈ پر نقل کر کے بھجوا دیتے تھے اس ترتیب کے تحت ایک دن میں پچاس خط تک نمٹانے کی نوبت کئی بار آئی۔

اب وہ گلشن مرجھا چکا ہے اور اس بزم میں دھواں اٹھ رہا ہے پچھلی قید کے چھ سالہ عرصہ میں میں نے چھ سو سے زائد خطوط لکھے تھے ان دنوں جذبے جوان تھے اور خط لکھنے میں مزہ آتا تھا۔ مگر اب طبیعت خط لکھنے سے اچاٹ ہو چکی ہے اور دل اس عمل سے گھبراتا ہے۔ کل جیل والوں نے بتایا کہ آپ گھر خط لکھ سکتے ہیں تو حضرات والدین کی تسلی، دلجوئی اور غائبانہ خدمت کی نیت سے ڈیڑھ صفحہ لکھ ڈالا...... معلوم نہیں جیل والے اس خط کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں، اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زمین تنگ ہے اور ہر کوئی انہیں مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ انڈیا ہمیں عبرتناک سزائیں دینے کیلئے مانگ رہا ہے برطانیہ اور امریکا پاکستان پر دباؤ ڈال رہے ہیں جب کہ پاکستان کے غیر ملکی شہریت رکھنے والے محب وطن وزراء کو شک ہے کہ میرا تعلق انڈیا کی خفیہ ایجنسی سے ہے۔ اور اسی کے ایماء پر میں نے انڈین پارلیمنٹ پر حملہ کروایا ہے۔ یا اللہ بس آپ ہی رحم فرمائیے۔

۳ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرنے کا سلسلہ

کئی دن کے ناغے کے بعد کل رات پھر ''بی بی سی'' سننے کی سہولت مل گئی۔ بی بی سی والے وہ بیماری ہیں جو کبھی کبھار انسان کی مجبوری بن جاتی ہے۔ یہ ادارہ اسلام اور مسلمانوں کا خطرناک دشمن ہے لیکن فی زمانہ تازہ خبروں تک رسائی کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اگر انسان کے دینی نظریات مضبوط ہوں تو پھر وہ بی بی سی کے زہر سے بچ کر تازہ خبریں آسانی سے کشید کر سکتا ہے لیکن اگر ذہن کچا ہو تو بی بی سی انسان کے اچھے نظریات کو اس کے دل سے کشید کر لیتا ہے...... آج کل شام سات بجے بی بی سی ہندی اور آٹھ بجے بی بی سی اردو کی نشریات سنائی جاتی ہیں۔ انڈیا سے متعلق زیادہ خبریں ہندی نشریات میں ہوتی ہیں اس لئے جب بھی انڈیا کے ساتھ موسم گرم یا سرد ہوتا ہے تو پھر ہم جیسے لوگ ہندی نشریات سننے کا بھی اہتمام کرتے ہیں...... آج رات کی خبروں میں اہم ترین خبر اٹل بہاری واجپائی (وزیر اعظم ہند) کی وہ تازہ دھمکی تھی جو انہوں نے لکھنؤ میں آریہ سماج کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے دی ہے۔ انہوں نے افغانستان کے شمالی اتحاد سے تعلق رکھنے والے وزراء کی بھارت دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان کو افغانستان جیسے انجام کی دھمکی دے ڈالی ہے۔ یہ دھمکی کھٹمنڈو (نیپال) میں سارک سربراہی کانفرنس شروع ہونے سے محض دو دن پہلے دی گئی ہے۔

افغانستان کے نئے وزراء کا تذکرہ اور پاکستان کو دھمکی ان دونوں کے درمیان

تعلق بالکل واضح ہے۔ بھارتی وزیراعظم پاکستان کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اب پاکستان ہر طرف سے پھنس چکا ہے اور اسے اب طالبان جیسے وفادار پڑوسی بھی میسر نہیں ہیں۔

کاش اس صورت حال کو بہت پہلے سمجھ لیا جاتا تو آج بزدل بھارت کو دھمکیاں دینے کی جرأت نہ ہوتی مگر اب تو ہمارا پاؤں بلندی سے پھسل چکا ہے دیکھئے گرنے کا سلسلہ ہمیں کہاں تک لے جاتا ہے۔

۲ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملاقات

آج پھر جمعۃ المبارک کا دن آ پہنچا ہے پچھلے جمعے کی طرح آج بھی ظہر کی نماز ادا کی ہے۔ مالک کا شکر ہے جس حال میں رکھے ...... دعا ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھنے کی مرتے دم تک اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا رہے...... اس دعا میں آزادی کی تمنا بھی چھپی ہوئی ہے...... اللہ تعالیٰ پوری فرمائے ...... بات یہ چل رہی تھی کہ جمعہ کا دن پھر آ پہنچا ہے اور بندہ ابھی تک ہر طرح کی ملاقات اور رابطوں سے محروم ہے۔ عام طور سے جب بھی کوئی شخص اپنے ملک میں گرفتار ہوتا ہے تو اسی دن یا اگلے دن تک اس کے اہل خانہ دوست احباب اور جاننے والے اس کی خبر گیری شروع کر دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے دشمن ملک میں گرفتار ہو جائے تو پھر اپنوں کی ملاقات کے لئے ترستا رہتا ہے۔ بندہ نے دشمن کے ملک میں طویل قید کاٹی ہے وہاں ہماری ملاقات زیادہ سے زیادہ بعض وکیلوں کے ساتھ ہو جاتی تھی اور بس...... اب جب کہ اپنے ملک میں گرفتاری ہوئی ہے تو خیال تھا کہ ایک دو روز میں کوئی نہ کوئی ضرور خبر لے گا مگر آج دس دن گزرنے کے باوجود نہ کوئی ملاقات آئی ہے اور نہ باہر کی کوئی خبر۔ ایسا لگتا ہے کہ اہل خانہ تو ریاستی مظالم کا شکار ہیں کیونکہ ایک خبر کے مطابق بندہ کے چار بھائیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جہاں تک تنظیمی کارکنوں کا تعلق ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے چارے افراتفری کا شکار ہیں جب کہ دوست احباب بھی ان حالات کی وجہ سے سہمے ہوئے ہوں گے۔

یہ تمام صورت حال دراصل اس دھوکے کی وجہ سے ہوئی ہے جو مجاہدین کو حکومت وقت نے دیا۔

دوسری طرف مجاہدین پاکستان میں اپنے پرامن کردار کی وجہ سے پولیس، تھانے، جیل اور گرفتاریوں کے معاملات کا قطعی طور پر کوئی تجربہ نہیں رکھتے۔ ماضی میں اگر وہ حکومت سے وقتاً فوقتاً ٹکراتے رہتے تو ان کے ہاں گرفتاریوں کے بعد کے معاملات سے نمٹنے کا انتظام موجود ہوتا مگر اسلام کے یہ سپاہی جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہے اور ان کی ذاتی اور شہری زندگی نہایت پرامن رہی اب ان پر اچانک یہ افتاد پڑی ہے تو غالب امکان یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کو جیل میں بند قیدی سے ملاقات کا طریقہ کار بھی معلوم نہیں ہوگا۔ تعجب ہے کہ ہماری حکومت ان پرامن افراد کو ستا کر غضب الٰہی کو دعوت دے رہی ہے۔ حالانکہ اس وقت دشمن سرحدوں پر جمع ہے۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ اس وقت دشمن کے خلاف مل جل کر موثر حکمت عملی اپنائی جاتی اور جب اس کا خطرہ ٹل جاتا تو پھر آپس کے معاملات بات چیت سے حل کر لئے جاتے۔ معلوم نہیں غیروں کو ہر موقع پر بات چیت کے ذریعے مسائل حل کرنے کی دعوت دینے والے حکمران اپنی قوم کے خلاف ڈنڈا بیڑی کیوں استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہاں بات چیت کے ذریعے مسائل حل نہیں ہو سکتے یا اسلام اور جہاد کو مٹانا ہی زندگی کا مشن بن چکا ہے؟ یا اللہ آپ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

۴ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انگیٹھی

زندگی میں انگیٹھی کا نام بار ہا سنا تھا مگر اس کے اصل فوائد کا احساس میانوالی سینٹرل جیل میں آ کر ہوا۔ جہاں دھند، کہرے اور سردی میں یہ انگیٹھی ایک عظیم الشان نعمت محسوس ہوتی ہے۔ ویسے اب اکثر شہری علاقوں میں کوئلوں والی انگیٹھی کا رواج ختم ہو چکا ہے اور میرے خیال میں کراچی اور دوسرے بڑے شہروں میں نوجوانوں نے اس نام کی کوئی چیز اپنی زندگی میں دیکھی ہی نہیں ہوگی۔

بندہ نے پہلے پہل تہاڑ جیل میں اس کا چلن دیکھا مگر اب میانوالی جیل میں تو گویا کہ اس کی حکومت ہے۔ یہاں کے بعض قیدی مٹی اور ٹین کے چھوٹے ڈبوں کے ذریعے دستی انگیٹھی بنانے کے ماہر ہیں...... تہاڑ جیل کے قیدی انگیٹھیوں میں خشک روٹیاں جلایا کرتے تھے جب کہ یہاں کوئلے بسہولت میسر ہیں۔

انگیٹھی پر آگ سینکنے کے علاوہ نہایت آسانی کے ساتھ کھانا بھی پکایا جا سکتا ہے۔ میرے اور مہربان کے پاس پہلے ایک انگیٹھی تھی جس پر مہربان کھانا اور چائے بناتا تھا اور رات کو انگیٹھی اس کے سیل میں رکھی رہتی تھی مگر اب الحمد للہ ایک اور انگیٹھی کا بھی انتظام ہو گیا ہے جو میرے سیل میں رکھی رہتی ہے اور میں اس پر اپنے ٹھنڈے ہاتھ پاؤں سینکتا رہتا ہوں......

ویسے ان دنوں میرے سیل میں دو انگیٹھیاں جلتی ہیں...... ایک انگاروں والی

انگیٹھی اور دوسرا میرا دل...... ان دونوں میں سے جب دھواں نکلتا ہے تو زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت بوجھل اور بھاری ہو جاتا ہے۔

اللھم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

اللھم رحمتک ارجو فلا تکلنی إلی نفسی طرفۃ عین

واصلح لی شانی کلہ

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی

آلہ واصحابہ اجمعین.

۴ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میدان

مجاہد کی حفاظت صرف میدان جہاد کر سکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت اس کے شامل حال ہوتی ہے پھر اسے شہادت، فتح یا غنیمت میں سے کوئی نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مجاہد میدان جہاد سے دور ہو تو اس کے لئے بڑے خطرے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی سخت خطرات میں رہتے ہیں جو عام علاقوں میں رہ کر جہاد کی حمایت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کافروں کے لئے تختۂ مشق بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

۴ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک حوصلہ بخش کتاب

کل مورخہ ۵ جنوری ۲۰۰۲ء کو بندہ نے جیل لائبریری سے مشہور مصری داعیہ محترمہ زینب الغزالی کی کتاب ''ایام من حیاتی'' کا اردو ترجمہ ''زنداں کے شب و روز'' منگوایا۔ اس کتاب کا چرچہ بہت پہلے سن رکھا تھا مگر مطالعے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہ کتاب محترمہ زینب الغزالی کی روئیداد قفس ہے۔ انہوں نے مصر کی اسلامی تحریک میں سرگرم کردار ادا کیا جس کی پاداش میں جمال عبدالناصر نے انہیں گرفتار کیا اور پھر فوجی عقوبت خانے میں ان پر شدید اور انسانیت سوز مظالم کی چکی چلائی گئی۔ زینب الغزالی پر جو مظالم ڈھائے گئے انہیں پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کافروں اور منافقوں کی نفرت سے بھر جاتا ہے۔ مگر ان تمام ظالمانہ ہتھکنڈوں کے باوجود زینب الغزالی کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف مبشرات کے ذریعے ثابت قدم رکھا۔ زینب جیل ہی میں تھیں کہ جمال عبدالناصر کا انتقال ہو گیا اور دنیا پر یہ بات پھر ثابت ہو گئی کہ زندگی موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جابر جو اپنی حکومت بچانے کے لئے اللہ کے نیک بندوں کو ستاتے ہیں وہ خود بھی ایک دن موت کے گھاٹ اتر کر اپنی کرسی چھوڑ جاتے ہیں مگر ان کے مظالم کا لاشہ اژدھے کی طرح ان کے ساتھ قیامت تک کے لئے قبر میں اتر جاتے ہیں۔ کتاب پڑھ کر زینب الغزالی اور مصر کی تحریک اخوان کو بے ساختہ خراج تحسین پیش کرنے پر انسان خود کو مجبور

پاتا ہے۔ یقیناً اس زمانے کے اخوان پتھر کی چٹان تھے۔ ہاں اب حالات نے بہت کچھ بدل دیا ہے اور اخوان نے اُلجھانے کی بجائے بچانے کے گُر سیکھ لئے ہیں مگر اس تبدیلی کے باوجود عرب ممالک میں اخوان کا کردار آج بھی قابل تحسین ہے۔

پاکستان میں ایک طبقہ جمال عبدالناصر کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔ اس کی وجہ فوجی آمروں کے وہ دینی لبادے ہیں جنہیں وہ اوڑھ کر اپنی عوام کو مظالم کے تندور میں جلاتے ہیں۔ یہ کتاب جمال عبدالناصر کی حقیقی شکل قارئین کو دکھاتی ہے۔ جبکہ ہم جیسے لوگوں کے لئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسے اعتدال پسند عالم کا جمال عبدالناصر پر تنقید کرنا اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسلامی تحریکوں میں سرگرم افراد کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ہمت افزائی کا ذریعہ بنے گا اور یہ تحریری یادیں محترمہ مصنفہ مرحومہ کے لئے انشاء اللہ صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی۔ کتاب ۲۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمے کی سعادت امین عثمانی صاحب نے حاصل کی ہے۔ بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں اور قرآنی آیات کو عام عبارت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر آیات کو الگ علامات کے ساتھ باحوالہ لکھا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

۶ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریک اخوان

حسن البناؒ شہیدؒ نے اس کی بنیاد رکھی وہ مصر میں راہ چلتے شہید کردیئے گئے۔ اس تحریک کو فکری اساس سید قطب شہید اور عبدالقادر عودہ شہید نے فراہم کی جو اپنے وقت کے بلند پایہ مفکر تھے۔ یہ دونوں حضرات مصری حکمرانوں کے مظالم کا شکار رہے اور بالآخر پھانسی پر لٹکا کر سرفراز کئے گئے۔

حسن الھضیبیؒ اور عمر تلمسانیؒ بھی اس تحریک کی اپنے اپنے وقت میں قیادت کرتے رہے۔ زینب الغزالی اس تحریک کے شعبہ خواتین کی روح رواں تھیں انہیں جیلوں میں دردناک مظالم کا نشانہ بنایا گیا اور ۲۵ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ مگر بعد میں انہیں اس مدت سے پہلے رہا کردیا گیا۔ دور حاضر میں شیخ یوسف القرضاوی اخوان کے معروف مصنفین میں سے ہیں اور یہ تحریک مصر، متحدہ عرب امارات اور (سعودیہ کے علاوہ) تمام عرب ممالک میں اپنی گہری جڑیں رکھتی ہیں۔ اس تنظیم میں امیر کو مرشد اور امیر مرکزی کو مرشد العام کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کے اراکین اعلیٰ دنیاوی تعلیم یافتہ طبقے کے افراد ہوتے ہیں اور دینی تعلیم کے لئے مطالعے، فکری نشستوں اور سوال جواب کی محفل کو کافی سمجھتے ہیں۔ جمال عبدالناصر نے اس تحریک کو اپنی حکومت کے لئے شدید خطرہ سمجھتے ہوئے اسے سختی کے ساتھ کچلا اور ہزاروں اخوان کو شہید کردیا۔ اخوان کے سابقہ نظام میں عبادت اور سیاست کے درمیان توازن کی کوششیں کی جاتی تھیں مگر اب

ان کے نظام تربیت میں سیاست کو عبادت پر واضح فوقیت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اخوان کے اراکین روحانی اصلاح سے دور اور ظاہری نمائش اور تبصرہ بازی میں آگے نکلتے جارہے ہیں۔ اخوان کے ہاں نظم پرستی ایک کمال سمجھی جاتی ہے اور وہ اپنی تنظیم سے باہر کے کسی فرد کو خواہ وہ دینی خدمت کے کسی بھی مقام پر فائز ہو قابل توجہ یا قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ سید قطب مرحوم اور مولانا مودودی مرحوم کی تمام تحریروں کو بغیر دلیل کے قبول کرنے کی وجہ سے اخوان میں بعض نظریاتی کمزوریاں بھی پیدا ہوگئی ہیں ان کمزوریوں کو اسی صورت میں بآسانی دور کیا جا سکتا ہے جب اخوان ہی میں سے کوئی فرد اس کے ازالے کے لئے کام کرے۔ کیونکہ غیر اخوانی کی رائے اخوان کے ہاں معتبر نہیں ہوتی۔ عرب ممالک میں اس وقت تین تحریکیں پرامن دینی جدوجہد کے حوالے سے کافی کام کررہی ہیں۔ اخوانی، سلفی، تبلیغی۔ ان تینوں میں سے اخوان سب سے زیادہ منظم اور مضبوط ہیں جبکہ سلفی تحریک کو بعض حکومتوں کی امداد حاصل ہے اور عرب حکومتیں سلفی تحریک کو اخوانی تحریک کے توڑ کے لئے منظم کررہی ہیں۔ جبکہ ان دونوں کے مقابلے میں تبلیغی تحریک خالصتاً عوامی تحریک ہے جو باوجود مخالفتوں اور پابندیوں کے تیزی سے اپنے حلقہ اثر کو بڑھا رہی ہے۔

میرے ناقص خیال کے مطابق عرب ممالک میں اخوانی تحریک کا وجود ایک بڑی غنیمت ہے اور اس تحریک کی برکت سے مسلمانوں میں دینی شعور اور بیداری پیدا ہورہی ہے۔

برصغیر کے علماء کرام اور دینی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ اخوان کے ساتھ اپنے مراسم بڑھائیں اور آپس میں اچھائیوں کا تبادلہ کریں۔ ہماری دینی جماعتیں اخوان سے نظم و ضبط اور خود انحصاری کے مجرب طریقے سیکھیں جب کہ اخوان ہمارے علماء کرام سے روحانی قدروں، سلف پر اعتماد اور احکامِ دین پر اوّلی اور ثانوی کی تقسیم کے بغیر مضبوط عمل کے گر سیکھیں۔

یاد رکھیں دین نام ہے نصیحت اور خیر خواہی کا اور ہر علاقے اور ملک کے مخصوص حالات کا اثر وہاں کی تحریکوں پر موجود ہوتا ہے اس لئے حالات کو سمجھنے، دل کو کھلا رکھنے اور مجبوریوں کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔تب خیر کے چشمے زیادہ قوت کے ساتھ پھوٹیں گے۔اللہ تعالیٰ ہماری درست سمت رہنمائی فرمائے۔آمین۔

۲ جنوری ۲۰۰۲ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دلچسپ حکایات مثنوی

میانوالی جیل میں پہلی کتاب جس کا میں نے مکمل مطالعہ کیا ابن علی صاحب کی دلچسپ ''حکایات مثنوی'' ہے۔ڈیڑھ سو صفحے کی یہ کتاب تھوڑی دیر رفیق وقت رہی مگر جلد ختم ہو گئی۔کتاب کا ترجمہ، کتابت اور انداز بھی ناقص ہیں اور حکایات میں بہت کچھ خلط ملط کر دیا گیا ہے۔مولانا روم کی مثنوی کو اللہ تعالیٰ نے جن بوقلموں صفات سے نوازا ہے اُن کی برکت سے مثنوی کی طرف منسوب ہر چیز کو بازار میں کچھ نہ کچھ دام مل جاتے ہیں۔بہر حال مترجم صاحب نے اپنی بساط کے مطابق ایک اچھا کام کیا ہے اور اس کتاب کی اکثر چیزیں ایسی ہیں جن سے عامۃ الناس کو نفع پہنچ سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ مصنف و مترجم دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔

۲ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریری ارادے

کئی بار بعض اہم اور مفید موضوعات پر لکھنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے مگر اس وقت حالات سازگار نہیں ہوتے ......پھر جب فرصت اور موقع میسر آتا ہے تو وہ موضوع ذہن سے اتر چکا ہوتا ہے۔یہ صورت حال بندہ کے ساتھ کئی بار پیش آچکی ہے اور بعض اوقات تو کوئی مضمون طوفان کی طرح دل و دماغ میں اٹھتا ہے مگر وہ لکھا نہیں جا سکتا جس پر کافی افسوس ہوتا ہے کہ صدقہ جاریہ کا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ان دنوں بندہ پھر جیل میں ہے اور اسے بہت ساری پرانی باتیں یاد آ رہی ہیں۔اور چند ایسے موضوعات بھی جن پر لکھنا مفید معلوم ہوتا ہے۔اپنی یادداشت کے لئے آج اس صفحے پر بعض عنوانات کی نشاندہی کر رہا ہوں تاکہ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ان پر لکھ سکوں اور اگر میں نہ لکھ سکا تو یہ عنوانات ان حضرات کے لئے ایک دعوت تحریر ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تفہیم و تحریر کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔

(۱) نفاق اور منافقین

اس عنوان کے تحت قرآن مجید کی ان آیات کو جمع کرنے کا ارادہ ہے جن میں نفاق اور منافقین کا تذکرہ ہے۔نیز اس موضوع کی احادیث بھی جمع ہو جائیں اور آیات و احادیث کی مناسب و معتبر تشریح کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے حالات کو مدنظر رکھ کر دعوت فکر بھی دی جائے اس سلسلے میں بندہ نے آیات کی ایک فہرست بنائی ہوئی ہے جو میرے کتب خانے کی الماری کی ایک دراز میں موجود ہے۔

(۲) عباد الرحمٰن

قرآن مجید کی سورہ فرقان کے آخر میں رحمان کے بندوں کی صفات مذکور ہیں اس موضوع پر لکھنے کی دل میں تمنا ہے تاکہ خود کو اور دوسرے مسلمانوں کو عباد الرحمٰن میں شمولیت کی دعوت دی جاسکے۔

(۳) تفسیر سورہ انفال و براءۃ

یہ بہت پرانی تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری فرمائے۔ اس میں اصل مقصد یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کو مرکز بنا کر ان کے تحت تمام آیات جہاد کو جمع کر کے ان کی تفسیر کی جائے۔

(۴) یہود کی چالیس بیماریاں

اس کتاب کا حصہ اول آچکا ہے باقی حصوں کی تکمیل کا ارادہ ہے۔ انشاءاللہ۔

(۵) تذکرۃ الاولیاء

بعض شہداء ساتھیوں پر مفصل مضامین لکھنے کی تمنا ہے۔ انشاءاللہ۔

(۶) تحریض النبی ﷺ علی القتال

صحاح ستہ اور مؤطین میں مذکور احادیث جہاد کا با ترتیب ترجمہ اور مختصر تشریح۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حرض المومنین کا حکم دیا آپ ﷺ نے اس کی تعمیل فرمائی۔ اس تعمیل کی تفصیل احادیث میں موجود ہے بس ان کو جمع کر دیا جائے۔

(۷) اس صدی کا مجدد اعظم

ہر صدی کے شروع میں اللہ تعالیٰ ایسے مجددین کو کھڑا کرتا ہے جو دین کو ہر طرح کی تاویل و تحریف، زیادتی و کمی اور کتر و بیونت سے پاک کر کے امت کے سامنے پیش کرتے

ہیں۔ پندرہویں صدی کی پہلی چوتھائی چل رہی ہے آخر کون ہے اس صدی کا مجدد؟ نیز مجدد ایک ہوتا ہے یا کئی؟ فرد ہوتا ہے یا جماعت؟

اور بھی بعض موضوعات ایسے ہیں جن پر لکھنے کا انشاءاللہ ارادہ ہے اس لئے صفحہ خالی چھوڑ رہا ہوں کہ جیسے جیسے کوئی مضمون یاد آتا جائے گا اسے انشاءاللہ لکھ دیا جائے گا۔

۷ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹیلیفون کی یادداشت

جب تک پاکستان میں موبائل فون نہیں آئے تھے اس وقت تک اکثر ٹیلیفون نمبر یاد رکھنے کی عادت تھی اس لئے کہ ڈائری میں نمبر لکھنا اور پھر اس ڈائری کو ساتھ ساتھ اٹھائے پھرنا کارے دارد۔ پھر موبائل فون آ گئے ابھی انہیں زیادہ استعمال نہیں کیا تھا کہ گرفتاری نے دنیا سے کاٹ دیا۔ انڈیا سے رہائی کے بعد وطن پہنچے تو یہاں ہر طرف چھوٹے چھوٹے موبائل فون نظر آئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان ٹیلیفونوں کی تعداد آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ بندہ کو بھی چند فون مل گئے تب معلوم ہوا کہ ان ٹیلیفونوں کی یادداشت (میموری) بہت طاقتور ہے اور ان میں کئی کئی سو نمبروں کو محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ صورتحال کافی مفید، آسان اور موثر معلوم ہوئی کہ ایک دو بٹن دبائے اور ٹیلیفون نمبر حاضر۔ مگر اب جبکہ یہ ٹیلیفون پاس نہیں ہیں اور کسی ٹیلیفون نمبر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو بہت شرم آتی ہے کہ اپنے دفاتر اور قریبی احباب تک کے نمبر یاد نہیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دور حاضر کی ہر ترقی انسان کی فطری صلاحیتوں کو کمزور کرنے اور انسان کو مفلوج و اپاہج بنانے کے لئے میدان میں لائی جاتی ہے۔ اور اس میں دنیا کے خاتمے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کمزور سے کمزور تر ہوتا جائے گا اور مشین ہر طرف پھیلتی جائے گی۔ جب انسان مکمل طور پر مشین کا محتاج ہو جائے گا تو مشین بند ہو جائے گی اور دنیا کا نظام الٹا چلنا شروع ہو جائے گا جس کا آخری انجام مکمل تباہی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

اس پوری تفصیل میں عبرت کی بات یہ ہے کہ دورِ جدید کی چیزوں کو استعمال کرتے وقت ان پر مکمل انحصار نہ کیا جائے بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کو بھی کام میں لایا جائے تاکہ یہ صلاحیتیں محفوظ رہیں۔

۷ جنوری ۲۰۰۲ء

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خود پسندی اور مایوسی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا۔ خود پسندی اور مایوسی ان دونوں چیزوں میں ہلاکت اور بربادی ہے اس لئے کہ سعادت کا حصول سعی اور طلب پر موقوف ہے لیکن خود پسند یہ خیال کر کے کوشش سے باز رہتا ہے کہ سعادت سے تو وہ ہمکنار ہے ہی اور مایوس انسان اس لئے تگ و دو سے الگ تھلگ رہتا ہے کہ اس کی نگاہ میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

(الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحو د والتطرف ص ۵۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آرام دہ مختصر قید

جیل لائبریری کی فہرست میں ایک کتاب ''محسوسات زندان'' کے نام سے مرقوم تھی۔ آج بندہ نے اسے منگوا لیا تا کہ قیدکی حالت میں دوسرے قیدی کے احساسات پڑھ سکے۔ کتاب دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے مصنف جناب ظفر اقبال بلوچ صاحب سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمیعۃ طلبہ ہیں۔ کتاب چھوٹی تقطیع کے ایک سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا دیباچہ مصنف کے استاد گوہر صدیقی صاحب نے لکھا ہے۔ مصنف کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں چند ماہ کے لئے کئی بار مختلف جیلوں میں رہنا پڑا۔ کتاب بھٹو کے دور حکومت کو للکارتی ہے اور جیل کے بعض اندرونی حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کے ساتھ میری صحبت دو گھنٹے سے بھی کم رہی اور اس کا آخری صفحہ اتنی تیزی سے آگیا جتنی تیزی سے کتاب کے مصنف ہر گرفتاری کے بعد رہا ہوئے۔ یہ کتاب چونکہ مختصر مدت کی آرام دہ گرفتاریوں کے حالات پر مشتمل ہے اس لئے میں اسے اچھا شگون سمجھ کر دعا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس گرفتاری کو آرام دہ اور مختصر بنا دے۔ آمین۔

۷ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروٹوکول

انگریز جو بد بودار تحفے اپنی وراثت میں چھوڑ کر گیا ہے ان میں سے ایک پروٹوکول بھی ہے۔ اس بیماری نے انسانوں کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا ذلیل غلام بنا رکھا ہے۔ اور اس کا اہتمام سرکاری اداروں میں فرض عبادت سے بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ آج منگل کے دن جیل کے سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل کے وارڈوں اور بارکوں کا دورہ کرتے ہیں ان کا یہ دورہ جیل ملازمین پر دل کے دورے کی طرح شدید اور شاق ہوتا ہے۔ صبح فجر کے وقت سے ہی قیدیوں کو مشقت کی بیگار پر لگا دیا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پوری جیل پر صفائی کا بخار سوار ہے۔ کمزور قیدی سردی کے موسم میں صبح صبح پانی سے فرش کو دھوتے اور رگڑتے وقت زیر لب جو گالیاں دیتے ہیں وہ اگر نشر ہو جائیں تو پروٹوکول کا حشر نکل جائے۔ صبح نو بجتے ہی پوری جیل الرٹ ہو جاتی ہے۔ ملازمین دھڑکتے دل کے ساتھ بار بار اپنے وارڈ کا جائزہ لیتے ہیں کہ کوئی کمی یا کوتاہی صاحب کو نظر نہ آ جائے۔ دس یا گیارہ بجے اگر صاحب آ جائے تو پھر زوردار سیلوٹ کے ساتھ اس کا استقبال ہوتا ہے۔ یہ سارا وقت جیل ملازمین پر بہت بھاری گزرتا ہے وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہیں بغیر سنے یس سر کہتے ہیں اور بدحواسی میں اپنا سب کچھ بھلائے پھرتے ہیں۔ اگر جھڑکی نہ پڑی اور صاحب خیر خیریت سے واپس دفتر چلا گیا تو ہر کوئی لمبا سانس لے کر اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ ہائے کاش اس خوف، احترام، اکرام اور احتیاط کا کچھ حصہ کسی بندے کو اپنے رب کے بارے میں نصیب ہو جائے۔

۸ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جبری اکرام

قید کے دوران قید خانے یا جیل کے آفیسروں اور ملازموں کا ظاہری اکرام کرنا بھی سزا کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ قید خانوں کے آفیسر اس اکرام اور احترام کو اپنا جائز بلکہ لازم پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں ہونے والی کسی کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے۔

۱۹۹۴ء فروری کے مہینے میں جب ہمیں سری نگر کے آرمی حراستی کیمپ میں منتقل کیا گیا تو وہاں مارپیٹ اور تشدد کے بعد ابتدائی ہدایات میں یہ بات بھی سمجھائی گئی کہ جب بھی کوئی آفیسر یا ملازم تمہارے سیل کے سامنے آئے تو اسے کھڑے ہو کر جے ہند یا کوئی اور احترامی جملہ کہنا ہوگا۔ مجاہدین کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت شاق تھی وہ ابتداء میں مختلف تاویلوں سے یہ حکم بھی پورا کرتے رہے اور ساتھ میں الفاظ کے ہیر پھیر سے اپنے دلوں کو بھی مطمئن کرتے رہے۔ مگر جب ان مجاہدین کی تعداد کچھ بڑھ گئی اور عدد بارہ تک پہنچ گیا تو انہوں نے اس حکم کو قدموں کے نیچے روند ڈالا۔ چنانچہ وہ کسی بھی افسر کے آنے پر نہ تو کھڑے ہوتے تھے اور نہ ہی اسے کوئی احترامی جملہ کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تو عقوبت خانے کے اہلکار برداشت کرتے رہے مگر ایک دن ان کی اوپر والوں نے کھنچائی کی تو وہ غصے سے ہانپتے کانپتے آئے اور اعلان کر گئے کہ کل ہمارے بڑے افسر آئیں گے اگر آپ لوگ کھڑے نہ ہوئے اور آپ نے ''جے ہند سر'' نہ کہا تو پھر تمہارے ساتھ بہت برا

سلوک کیا جائے گا۔ اس دھمکی کو سن کر مجاہدین کا اجلاس ہوا اور طے پایا کہ کسی افسر کا کوئی اکرام نہیں کیا جائے گا۔

اگلے دن بھارتی فوج کے ایک بریگیڈیئر اپنے عملے کے ساتھ بہت طمطراق سے بوٹ بجاتے آئے مگر کوئی بھی ان کے لئے کھڑا نہ ہوا وہ ایک ایک سیل پر آتے اور گرجدار آواز میں نام اور علاقہ پوچھتے، ہر ساتھی بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے بے اعتنائی سے جواب دیتا اور وہ خفت زدہ ہو کر آگے بڑھ جاتے بعض باہمت مجاہدین نے اس دن ان کے آنے پر جان بوجھ کر اپنے پاؤں بھی ان کی طرف پھیلائے۔ آخر میں وہ آگ بگولہ ہو کر کہنے لگے ان لوگوں کے دماغوں پر خون سوار ہے۔ پھر وہ پاؤں جھاڑتے ہوئے چلے گئے اور ایک سیل میں سے ایک اسلامی کتاب ضبط کر کے لے گئے کہ ان کتابوں نے ان کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ تہاڑ جیل دہلی میں بھی پروٹوکول کا یہ مسئلہ پیش آیا مگر جیل حکام کو الحمدللہ منہ کی کھانی پڑی۔ چنانچہ وہاں آئی جی کو بھی ہمارے سیل میں جوتے اتار کر آنا پڑتا تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم تھا ورنہ مجاہدین جیل میں بے بس اور کمزور تھے۔

اب جب کہ اپنے ملک کی جیل ہے اور اکثر آفیسر اور ملازم مسلمان ہیں یہاں ہمارے لئے کسی بھی مسلمان بھائی کے لئے کھڑا ہونا اور اس کو سلام کا جواب دینا مشکل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی بد دماغی پر اترے یا اپنے اکرام کو فرض قرار دے تو پھر یقیناً مسئلہ پیدا ہوگا۔ اللہ کرے ایسا وقت نہ آئے۔

۸ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک افسوسناک زیادتی

آج حضرت والد صاحب بڑھاپے میں طویل سفر کی مشقت کاٹ کر میانوالی جیل تشریف لائے۔ معلوم نہیں ان کے ساتھ اور کون کون تھا۔ جیل حکام نے مجھے والد صاحب کا خط اور ان کا لایا ہوا سامان (کپڑے کمبل وغیرہ) تو پہنچا دیا مگر ان کی زیارت اور ملاقات کا موقع نہیں دیا۔ حکومت آہستہ آہستہ اپنے اصلی روپ پر آ رہی ہے اور اس کے مظالم علماء اور مجاہدین پر بڑھتے جا رہے ہیں۔ اپنے اہل خانہ سے ملاقات ہر قیدی کا قانونی اور اخلاقی حق ہے اور میری معلومات کے مطابق اس حق سے کسی قاتل یا ڈکیٹ تک کو محروم نہیں کیا جاتا۔ لیکن جہاد کشمیر میں شرکت اور مسلمان ہونا موجودہ حکومت کے ہاں قتل اور ڈکیتی سے بھی بڑے جرائم بن چکے ہیں۔ باہر مجاہدین کے گھروں پر پولیس کے اندھے اور وحشیانہ چھاپے جاری ہیں جب کہ گرفتار شدگان کے ساتھ ان کے اہل خانہ کی ملاقات بند ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس وقت کفار اور ان کے حواریوں کی رسی بہت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ ہر مومن دل اداس اور ہر مسلمان آنکھ اشکبار ہے۔ یقیناً ان اندھیروں کے اندر اجالا چھپا ہوا ہے اور مشکلات کی اس آندھی میں نصرت الٰہی کی لطیف باد صبا موجود ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کے لئے ایک اجل مسمّی ہے۔ بس سب مسلمانوں کو اسی کا انتظار ہے۔ کاش الیس الصبح بقریب ☆ الا ان نصر اللہ قریب

۸ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹینا

گھی کا بڑا ٹین جب صندوق یا بکسے کا کام دینے لگے تو اسے جیل کی اصطلاح میں ''ٹینا'' کہتے ہیں۔ گھی کے ٹین پر ڈھکن اور کنڈی لگا دی جاتی ہے اور بوقت ضرورت اس کنڈی کو چھوٹا تالا بھی لگایا جا سکتا ہے۔ جیل کے قیدیوں کے لئے ٹینا ایک قیمتی اور کارآمد چیز ہوتی ہے۔ بندہ نے پہلے پہل اس کا مشاہدہ تہاڑ جیل میں کیا جہاں بعض پرانے اور باثر قیدیوں کے پاس کئی کئی ٹینے ہوتے تھے یہاں میانوالی جیل آئے تو یہاں بھی اس کا رواج دیکھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر یہ سبق ملا کہ انسان کو اپنا طرز زندگی ہمیشہ سادہ رکھنا چاہئے۔ جب گھی کا ایک ٹین بہترین بکسے یا بریف کیس کا کام دے سکتا ہے تو پھر خواہ مخواہ زیادہ اخراجات اور نمائش کی کیا ضرورت ہے۔ مگر انسان بہت غافل ہے اسے کھلا ہاتھ ملے تو سونے کے نوالے بھی ضائع کرتا ہے اور جب تنگی آئے تو گھاس کو بھی بچا بچا کر رکھتا اور کھاتا ہے۔ مگر عقلمند انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو میانہ روی اور سادگی سے بسر کرتے ہیں۔

۹ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے چین رات

کل شام کے وقت معلوم ہوا کہ بدھ کی صبح ایک قیدی کو یہاں (میانوالی جیل میں) پھانسی کے تختے پر لٹکایا جائے گا۔ یہ خبر جیسے جیسے عام ہوتی گئی ویسے ویسے ہر طرف اداسی پھیلتی گئی۔ موت برحق ہے مگر جب بتا کر آتی ہے تو خوب ڈراتی ہے اور بے حد پریشان کرتی ہے۔ وجہ بالکل واضح ہے۔ موت اس موجودہ زندگی کی ضد ہے۔ جب موت کے پنجے اس زندگی کے چراغ کو گل کرنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں تو زندگی پر اداسی، بے چینی اور پریشانی کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ حالانکہ موت کے بعد ایک اور زندگی ہے اور ایک دوسرا جہان ہے مگر انسان نے چونکہ اسے دیکھا نہیں اس لئے وہ اپنے جسم کو چھوڑنے اور نئے جہان کی طرف سفر کرنے سے طبعی طور پر گھبراتا ہے۔ میانوالی جیل کی سختی اور سیکورٹی پر حکام کو ناز ہے۔ اس لئے اب اس جیل کو مرگھٹ اور اندھا کنواں بنایا جا رہا ہے۔ انگریز کے زمانے میں عاشق رسول ﷺ غازی علم دین شہید کو اسی جیل میں لیلائے شہادت کے ساتھ ہم آغوش کرنے کا آخری عمل پھانسی کی صورت میں ادا کیا گیا۔ اور آج صبح فجر کی اذانوں کے درمیان سرگودھا جیل سے لائے گئے ملزم ذوالفقار کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی کی رسم جیل والوں کے ہاں معمول کی کارروائی ہے۔ چنانچہ اب وہ لاش ورثاء کے سپرد کر کے اپنے ہاتھ جھاڑ کر آرام سے اپنے معمولات میں مگن ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔

موت نے ہر کسی کی گردن بالآخر دبوچنی ہے لیکن جب وہ اپنی جھلک پہلے سے دکھا دے تو اس کا انتظار خود اسی کی طرح بہت سخت ہو جاتا ہے۔

گزشتہ رات جب جیل پر سناٹا چھایا ہوا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ یہ رات صرف ذوالفقار (پھانسی پانے والے ملزم) ہی کے لئے آخری رات نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سارے لوگ (جن میں میں بھی شامل ہو سکتا ہوں) ممکن ہے بے خبری میں اپنی زندگی کی آخری شب بسر کر رہے ہوں۔ اگر کسی کے لئے یہ آخری رات نہ بھی ہو تب بھی ایک رات تو ہر جاندار کی زندگی سے کم ہو جائے گی۔

بے شک ہر انسان تیزی سے اپنی موت اور قبر کی طرف بڑھ رہا ہے اور جوں جوں وہ قبر کے قریب ہوتا جا رہا ہے اس کی قبر اور آخرت سے غفلت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ حالانکہ موت کا قرب انسان کو غفلت سے جگا دیتا ہے چنانچہ وہ ملزم جسے صبح اپنی پھانسی کا یقین ہو رات کس طرح گزارتا ہے اسے نہ تو شہوت بھرے خیالات آتے ہیں اور نہ وہ زمین، پلاٹ اور جاگیر کی طرف غور کرتا ہے۔ اس رات اگر اسے دنیا کی حسین ترین عورت کا قرب بھی مل جائے تو وہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

وہ اگر اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ ہے تو اپنی آخری رات عبادت اور استغفار میں گزارتا ہے اور اپنی صبح سے شروع ہو جانے والی نئی زندگی کی بھلائیاں اپنے رب سے مانگتا ہے اور اگر وہ غافلین میں سے ہے تو اپنی غفلتوں پر آنسو بہاتا ہے اور اس کا دل اس قدر گھبرا جاتا ہے کہ اسے دنیا کی لذتیں بھول جاتی ہیں اور وہ اس امید پر کہ کوئی کرشمہ ہو جائے اور وہ بچ جائے ساری رات رب کے حضور آہ و زاری میں گزارتا ہے۔ اس شخص پر یہ کیفیت اس لئے طاری رہتی ہے کہ دنیا کی عدالت نے اور جیل حکام نے اسے بتا دیا ہوتا ہے کہ کل صبح تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔ حالانکہ عدالت بھی فانی ہے اور جیل حکام بھی۔ یہ شخص صبح پھانسی پا بھی سکتا ہے اور بچ بھی سکتا ہے۔ جبکہ موت کے اٹل

ہونے کی خبر تو ہمارے سچے رب نے دی ہے اور قرآن جیسی سچی اور مبارک کتاب میں دی ہے مگر پھر بھی ہم میں سے اکثر کو اس کا یقین نہیں آتا۔ چنانچہ ہمارے دن مستیوں میں گزرتے ہیں اور راتیں غفلت میں۔ کاش ہمیں اپنے رب کے فرمان کا یقین ہو جائے اور اپنی موت یاد رہے تب ہم بہت اچھی ایمان والی زندگی گزار سکتے ہیں اور ان ناجائز لذتوں سے بچ سکتے ہیں جن کے حصول کے لئے انسان اپنی آخرت کو ویران کرتا ہے۔ یا اللہ ہمیں اپنے فرامین پر یقین عطا فرما اور ہمیں موت کے یقین کے ساتھ آخرت کی فکر عطا فرما۔ اور ہمیں موت کے غرغرہ سے پہلے پہلے توبہ اور رجوع کی توفیق عطا فرما۔ ہم تیری رحمت کے طلب گار ہیں ہم پر رحم فرما۔

آمین یارب العالمین

۹ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی بیداری اور انتہا پسندی

کتاب پر تبصرہ

میرے سامنے اس وقت ایک کتاب ہے اس کا نام ہے ''اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں'' یہ مشہور مصری اخوانی عالم و قلم کار ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی عربی کتاب "الصحوة الاسلامیه بین الجحود والتطرف" کا اردو ترجمہ ہے جو جناب سلمان ندوی صاحب نے کیا ہے۔ کتاب ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پیش لفظ خود مترجم صاحب نے لکھا ہے جب کہ بقیہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں مذہبی انتہا پسندی کی تعریف، اس کے نتائج اور اس کی علامات سے بحث کی گئی ہے۔ دوسری فصل میں انتہا پسندی کے اسباب پر جب کہ تیسری فصل میں اس مرض کے علاج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جب کہ آخری اور چوتھی فصل میں مصنف نے دینی جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کو چند مخلصانہ نصیحتوں سے نوازا ہے۔

جہاں تک کتاب کے مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا تعلق ہے تو ان کی ذات والا صفات عرب وعجم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ صاحب استعداد عالم، صاحب طرز ادیب اور درد دل رکھنے والے ایک بلند پایہ اسلامی مفکر ہیں۔ آپ اخوانی مکتبہ فکر کے مایہ ناز مبلغ اور وکیل ہیں۔ آپ کے قلم سے مختلف اسلامی علوم پر کئی نادر اور قیمتی کتابیں نکلی ہیں ان میں سے بعض کتابوں کے مطالعے کا بندہ کو بھی شرف حاصل ہوا

ہے۔ایک بار متحدہ عرب امارات کے سفر کے دوران مجھے ڈاکر صاحب کی کتاب الصحوۃ الراشدہ...... کے مطالعے کا موقع ملا۔اپنی کم علمی کی وجہ سے بعض مقامات پر مجھے ڈاکٹر صاحب کی رائے سے اتفاق کرنے کی صورت نظر نہ آئی تو میں نے پینسل کے ذریعے کتاب کے حاشیے پر ان مقامات پر مخصوص نشانات لگا دیئے اور بعض جگہ مختصر جملے بھی لکھ دیئے۔

انڈیا کی قید کے زمانے میں مجھے آپ کی بعض دیگر تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایمان کے موضوع پر آپ کی تحریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ڈاکٹر صاحب اس وقت امت مسلمہ کے اکابرین میں سے ہیں اور زندگی کی ستر سے زائد منزلیں طے کرنے کے باوجود اپنے علمی و دینی کام میں مشغول ومصروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کے علم و عمل اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔ان کی یہ کتاب یقیناً ایک انمول علمی خزانہ ہے مجھ جیسے آدمی کے لئے اگرچہ اس کی تمام باتوں سے اتفاق ممکن نہیں ہے لیکن اگر چند مثالوں سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہ کتاب ہر مسلمان نوجوان کے لئے بہترین دعوت فکر اور گرانقدر علمی اثاثہ ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو جس درد، کڑھن اور فکر سے لکھا ہے اس کا تعلق مصنفؒ کے ماحول سے ہے آپ کو اپنے اردگرد یا یوں کہہ لیجئے کہ عرب مسلمانوں کی تحریکات میں جو خامیاں اور بے اعتدالیاں نظر آئیں آپ نے ان کی اصلاح کے لئے قلم اٹھایا ہے اور ماشاء اللہ موضوع کا حق ادا کرنے کی مکمل سعی فرمائی ہے۔آج عرب دنیا میں چونکہ خالص دینی ماحول میں خالص دینی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لئے وہاں دینی علوم میں گہرائی بھی بہت کم ہوتی جا رہی ہے اور جو لوگ دینی علوم میں تخصصات کرتے ہیں وہ بھی دنیا کے ماحول اور دنیاوی تعلیم سے خاطر خواہ اثر لینے کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اس لئے آج عرب دنیا میں ان علماء کی کمی ہے جو سلف کی طرز پر فانی

العلم اور فنافی الدین ہوں اور ان کی زندگیوں میں زہد و تقویٰ اور انابت الی اللہ کے واضح اور متعدی آثار نظر آئیں۔اس کی بجائے آپ کو دینی میدان میں ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر اور تاجر قسم کے علماء قیادت کرتے نظر آئیں گے۔عرب دنیا میں اس علمی انحطاط نے کئی فتنوں کو کھڑا کر دیا ہے جن میں سے اکثر اپنی رائے کے بارے میں شدید قسم کے انتہا پسند ہیں۔

آپ سلفی تحریک کو دیکھیں یا تکفیری تحریک کو، آپ اخوانی نوجوان سے ملیں یا حزب التحریر کے کسی رکن سے ان میں سے ہر شخص تواضع، انابت الی اللہ اور علم جوئی کی بجائے انتہا پسندی اور خود پسندی کے اعلیٰ مقام پر فائز نظر آئے گا۔انمیں سے ہر ایک کو کچھ الفاظ یاد ہوں گے اور ساتھ یہ بات بھی ان کے پلے بندھی ہوگی کہ حق بس اسی کے ساتھ ہے۔ نوجوانوں کا یہ طبقہ علماء کے ادب اور احترام سے بری طرح عاری اور امت مسلمہ کے لئے حسن ظن کے جذبے سے تہی دامن ہے۔اس نوجوان کے نزدیک شیخ البانی کا کسی حدیث کو ضعیف قرار دے دینا آسمانی فیصلہ ہے جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا جب کہ دوسری طرف یہی نوجوان البانی کی اتنی سخت تقلید کے باوجود ائمہ کی تقلید کا مخالف نظر آئے گا۔

عرب دنیا کے اس علمی انحطاط کا علاج صرف اور صرف خالص دینی ماحول میں خالص دینی تعلیم کے مراکز کا قیام ہے۔ جب تک اس حل کو نافذ نہیں کیا جاتا اس وقت تک طرح طرح کی خرابیاں، نئی نئی شکلوں میں آتی رہیں گی اور انتہا پسندی بھی مختلف صورتوں میں پروان چڑھتی چلی جائے گی۔

ڈاکٹر قرضاوی صاحب نے اسی دگرگوں صورتحال کی اصلاح کے لئے یہ کتاب لکھی ہے آپ کی یہ کتاب اہل علم کے لئے ایک مفید تحفہ اور عرب نوجوانوں کے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔لیکن اگر اس کتاب کی ہر بات کو معیار حق قرار دے دیا جائے تو وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے تحت مصنف نے یہ کتاب لکھی ہے۔ بے شک اعتدال

میں بے اعتدالی بھی ایک طرح کی انتہا پسندی ہے اور بہت سارے اعتدال کے دعوے دار اس انتہا پسندی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔حق اجتہاد، لباس وصورت میں شریعت کا التزام، تصاویر اور موسیقی وغیرہ جیسے مسائل میں ہمیں شیخ قرضاوی کی رائے سے نہایت ادب کے ساتھ اختلاف ہے ۔ہر شخص اجتہاد نہیں کر سکتا یہ خود ان کا بھی فرمان ہے جبکہ ہم اس کے ساتھ اس چیز کو بھی بڑھاتے ہیں کہ یہ دیکھا جائے کہ نئے اجتہاد کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ اور نیا اجتہاد پرانے اور متداول قوانین کے تحت رہ کر بھی کیا جا سکتا ہے اور اسے اگر اجتہاد قرار نہ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ بہر حال ڈاکٹر صاحب کے ہاں ایک ماحول ہے جب کہ ہمارے ہاں دوسرا ماحول۔ وہاں کچھ فتنے ہیں اور یہاں دوسرے۔ اس لئے کئی باتوں میں اختلاف ہونا ایک فطری معاملہ ہے اور ڈاکٹر صاحب خود اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔میرے ناقص خیال کے مطابق جو شخص اس کتاب کی اصل روح کو پانے اور سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ اس کتاب سے بہت سارے قیمتی موتی اور اصلاحی نسخے حاصل کرلے گا لیکن جو شخص محض بعض امور میں رخصتیں حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کو حجت بنائے گا تو اسے اپنی نفس پرستی پر ایک عالم کی بات کا پردہ ڈالنے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔ہر انسان کو اپنے دل کی نیت پر مطلع ہونا چاہئے اس لئے کہ ذہن کو بہلانے سے کام نہیں چلتا ۔

اللہ تعالیٰ مصنف صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائے ۔آمین ۔

۱۰ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استقبالی نظم

کسی دیسی شاعر نے بندہ کے لئے ایک استقبالیہ نظم لکھی تھی جو مختلف شہروں میں بندہ کی حاضری کے موقع پر جلسوں میں پڑھی گئی اور ہر جگہ نظم پڑھنے والوں نے اس کے پہلے مصرع میں ترمیم کر کے نظم کو اس شہر کے مطابق بنا دیا ۔مثلاً

لوگو مولانا مسعود ازھر ڈیرہ غازی خان میں آیا ہے۔

لوگو مولانا مسعود ازھر سرگودھا شہر میں آیا ہے۔

کل جیل میں اچانک یہ نظم یاد آگئی تو میں نے سوچا یہاں کوئی استقبالی جلسہ نہیں ہے ورنہ کوئی خوش آواز ضرور یہ نظم پڑھتا اور پہلے مصرعے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیتا:

لوگو مولانا مسعود ازھر میانوالی جیل میں آیا ہے۔

۱۰ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزنامہ "خبریں" کے نام

آج کل روزنامہ خبریں دھڑا دھڑ ایسے مضامین، کالم اور خبریں شائع کر رہا ہے جو جہاد کشمیر اور اسلامی جماعتوں کے خلاف تخریبی اور زہریلے مواد سے بھرپور ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اخبار کے اپنے کالم نویس اس موضوع پر نہیں لکھتے تو کسی اور اخبار میں شائع شدہ جہاد مخالف مضمون چھاپ دیا جاتا ہے۔ بندہ ان دنوں جیل میں دو اخبارات منگواتا ہے ایک نوائے وقت جس کے ذریعے عام حالات اور عوامی خیالات معلوم ہوتے ہیں دوسرا خبریں جس کے ذریعے حکومت کا قبلہ اور موقف سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

محترم ضیاء شاہد صاحب کو اپنی غیر جانبداری، حق گوئی، انصاف پسندی اور ظلم کے خلاف جدوجہد پر فخر ہے مگر وہ جس تیزی سے اسلام دشمنی کی طرف بڑھ رہے ہیں اس کا ان کے مخالفوں کے علاوہ کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ بھارتی فنکاروں کے ثقافتی شو ہوں یا فلمی کلچر کا دفاع، طالبان کی مخالفت ہو یا اسلام پسندی کے خلاف محاذ۔ آج کل ضیاء شاہد صاحب آگے آگے نظر آتے ہیں اور اب ان کے بیٹے بھی ان کے ہم مشن اور شریک سفر بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پورے خاندان کو اسی طرح ہنستا کھیلتا رکھے۔ مگر ظاہری آثار اس کے برعکس نظر آرہے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھ لیتے ہیں اور اپنے رب کی بغاوت کو اپنا مشن بنا لیتے ہیں ان کی خوشیاں عارضی اور منزل کھوٹی ہوتی ہے اور وہ ظلم کی تائید اور حمایت کرتے کرتے ایک

دن خود اس ظلم کا نوالہ بن جاتے ہیں۔ مجھے ضیاء شاہد صاحب سے اتنی ہی ہمدردی ہے جتنی انہیں مجھ سے دشمنی ہے۔ میں ان کے لئے نیک تمنائیں رکھتا ہوں مگر وہ جس انداز سے اپنے اخبار کی فاسقانہ سالگرہ مناتے ہیں، جس طرح سے فحاشی اور بے حیائی کو پھیلانے والے شو منعقد کراتے ہیں، جس طرح سے امریکی مظالم کی تائید و حمایت کرتے ہیں اور جس طرح سے آج کل کشمیر کے مظلوم مجاہدین کو چھرے گھونپ رہے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔ یا اللہ مسلمانوں کے باصلاحیت اور بااسباب افراد کو اپنی رحمت سے ہدایت عطا فرما تاکہ ان کی صلاحیت اور اسباب ان کے لئے تیرے دربار میں شرمندگی کا نہیں بلکہ کامیابی کا ذریعہ بنیں۔

۱۱ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدرپاکستان کا خطاب

کل مورخہ ۲۷ شوال ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۲۰۰۲ء بروز ہفتہ رات سات بجے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے قوم سے خطاب کیا۔ انہوں نے اس خطاب کے دوران جن تنظیموں پر پابندی لگائی ان میں جیش محمد ﷺ بھی شامل تھی۔ لشکر طیبہ، سپاہ صحابہ، تحریک جعفریہ اور تحریک نفاذ شریعت محمدی بھی پابندی کی زد میں آئیں جب کہ سنی تحریک پر گہری نظر رکھنے کا اعلان کیا گیا۔

صدر صاحب نے جہاد اصغر اور جہاد اکبر کے فرق کو بھی واضح کیا اور یہ بھی بتایا کہ ہم نے ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے جہاد کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ انہوں نے طالبان کی غلطیوں کو بھی اجاگر کیا اور دینی جماعتوں، مدرسوں اور اداروں کے اندر جو خامیاں آ گئی ہیں ان کی اصلاح پر بھی زور دیا۔ انہوں نے مساجد کے بارے میں بھی ایک نئے ضابطہ اخلاق کا اعلان کیا۔

صدر صاحب کے اس خطاب کو امریکا نے خوب سراہا ہے۔ یورپی یونین نے بھی جیش محمد ﷺ اور لشکر طیبہ پر پابندی کا خیر مقدم کیا ہے۔ اقوام متحدہ نے بھی ان دونوں تنظیموں کو پابند کرنے کے فیصلے کو بہترین اقدام قرار دیا ہے جب کہ بھارت نے غیر رسمی طور پر ان دونوں تنظیموں پر پابندی کا سواگت کیا ہے۔ بھارت کی طرف سے صدر

صاحب کے خطاب پر رسمی بیان آج دوپہر بارہ بجے جاری کیا جائے گا اسی طرح باقی حلقوں کی طرف سے بھی آج اس خطاب پر مفصل ردعمل کی توقع ہے۔

تبصرہ نگار کہہ رہے ہیں کہ اس خطاب نے تاریخ کو بدل دیا ہے اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے۔

بے شک ایسا ہی ہوگا۔ بظاہر یہی نظر آ رہا ہے مگر تاریخ میں کیا تبدیلی ہوگی اس کا علم اللہ وحدہ لاشریک لہ کو ہے۔ وہی مالک الملک ہے اور وہی احکم الحاکمین ہے۔

۱۳ جنوری ۲۰۰۲ء

صبح نو بج کر ستائیس منٹ

حکایت

ایک شخص کی ماں کا انتقال ہو گیا اسے اپنی ماں سے بے حد محبت تھی اور ماں کی گود اللہ تعالیٰ کے بعد اس کا سب سے بڑا سہارا تھی۔ وہ اس غم کے صدمے میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ابھی اس کے دل و دماغ پر اس غم کے زخم ہرے تھے کہ اسے بتایا گیا کہ تمہاری زمین کو سرکار نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ صحافیوں نے اس شخص سے زمین کے چھن جانے پر اس کا ردعمل مانگا تو اس نے کہا ماں کی جدائی کا زخم کھانے کے بعد اب میرے لئے کوئی غم غم نہیں اور کوئی خوشی خوشی نہیں۔ ہائے امارت اسلامیہ افغانستان۔

آنچہ از من گمشدہ گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے

(مکتوبات مجدد الف ثانیؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء اور اولیاء

علماء دین اور بزرگان طریقت کے درمیان صرف یہ فرق ہے کہ علماء اس چیز کو استدلال اور علم کے ذریعہ سے معلوم کرتے ہیں اور یہ حضرات کشف اور ذوق کے ذریعے سے۔ یہ مطابقت اور موافقت ہی بزرگان طریقت کے حالات کی صحت اور درستی کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔ (مکتوب ۱۲ جلد اول ص ۱۸ اشاندار ماضی ۱۲۴)

یعنی اگر بزرگان دین کے نظریات اور اعمال شریعت کے مطابق ہوں تو یہ ان کے حق ہونے کی دلیل ہوگی لیکن اگر ان کے نظریات، عقائد اور اعمال ظاہر شریعت کے خلاف ہوں تو ان کا دعوئے کشف نا قابل اعتبار ہوگا کیونکہ نتیجہ کے اعتبار سے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہے اور طریقت شریعت تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

۱۲ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بھارتی سواگت

صدر پاکستان کے خطاب پر بھارت کو اپنا سرکاری ردعمل دینے میں کافی دیر لگی۔ نئی دہلی میں اس خطاب کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کے لئے کئی اجلاس ہوئے اور بالآخر بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے اخبار نویسوں سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ بھارتی حکومت صدر پاکستان کے ان اقدامات کا خیر مقدم کرتی ہے جو انہوں نے انتہا پسندوں کے خلاف اٹھائے ہیں خصوصاً جیش اور لشکر طیبہ پر پابندی کو سراہتی ہے مگر ہمیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان اعلانات پر کس طرح سے عمل کیا جاتا ہے اگر پاکستان کی کتھنی اور کرنی میں انتر نہ ہوا تو پھر کشیدگی ختم ہو جائے گی اور ہم پاکستان کے ہر ایک دوستی کے قدم کے جواب میں دو قدم بڑھائیں گے۔ لیکن صدر پاکستان نے کشمیر پر جو کچھ کہا ہے ہم اس کو کلی طور پر مسترد کرتے ہیں۔ نیز ان سے مطلوبہ فہرست کے بارے میں نظر ثانی کی امید رکھتے ہیں۔ بھارت کے اس بیان کے بعد صدر جارج واکر بش نے وزیر اعظم واجپائی سے فون پر بات کی اور انہیں ہر میدان میں مدد کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ کئی نصیحتیں بھی کیں۔ پھر انہوں نے صدر پاکستان سے فون پر بات کی اور انہیں ان کے خطاب پر شاباش دی اور ان پر بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کے لئے دباؤ ڈالا۔ نیز یہ بات بھی یاد دلائی کہ انہوں نے جو کچھ تقریر میں کہا ہے اس پر سو فیصد عمل بھی ہونا چاہئے۔ پاکستان کے مختلف حلقے بھی صدر صاحب کی تقریر کا خیر مقدم کر رہے

ہیں اور اسے نئی سمت میں اٹھایا گیا ایک بہترین قدم قرار دے رہے ہیں ۔ ریڈیو پاکستان جو کافی عرصے سے سیاستدانوں کا نام صرف قومی احتساب بیورو کے حوالے سے لیتا تھا اب صدر صاحب کی تقریر کا خیر مقدم کرنے والے سیاستدانوں کا بڑی عقیدت کے ساتھ نام لے رہا ہے ۔ موسم کی یہ تبدیلی اور کیا کیا رنگ لائے گی ۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ۔

۱۴ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل شکن حالات

ہر طرف سے عجیب و غریب دل سوز، دل شکن اور دلخراش خبریں آ رہی ہیں ۔ ایسا لگتا ہے کہ ریڈیو ''یہودی'' ہو گیا ہے اور اخبارات ''مشرک'' ۔ پہلے کوئی نہ کوئی اچھی خبر ضرور ہوتی تھی ۔ مگر اب ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ۔ بمباری، گرفتاری اور بیماری امت مسلمہ پر بارش کی طرح برس رہی ہے ۔ کافر خوش ہیں ان کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھلتی ۔ منافقوں کی باچھیں کھلی ہوئی ہیں اور انہیں اپنے پیغمبر ہونے کا شبہ ہونے لگا ہے ۔ جب کہ اہل ایمان غمگین ہیں، نڈھال ہیں بلکہ سچ یہ کہ بالکل بے حال ہیں ۔ دلوں کا سکون اور جذبوں کی گرمی اجڑ چکی ہے ۔ دماغ ماؤف ہو چکے ہیں اور قوت فیصلہ جواب دے چکی ہے ۔ کیا کریں اور کیا نہ کریں کی ادھیڑ بن ہے ۔ وقت کا پانی مصائب کے پلوں تلے گزرتا جا رہا ہے ۔ بپھری موجیں خاموش اور متلاطم جذبے حیران ہیں ۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا ۔ یہ سب کچھ آزمائش ہے یا سزا کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○

وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ○

کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے ۔ روائے دل بیچنے والے اپنی دکان بڑھا گئے اور امیدوں کے چراغ گہری دھند میں چھپ گئے ۔ حالانکہ اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر کرنے والوں کی ہمتیں سرد پڑ چکی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان کے دل و دماغ کو باندھ دیا

گیا ہے۔وقت کے شیطانوں کومنٹوں میں غرور سے ذلت اور فخر سے خوف کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے مگر جوکر سکتے ہیں وہ قلبی طور پر ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں اوران کے حواس پوری طرح سے کام نہیں کرر ہے۔یہ سب کیا ہے؟ غالباً بہت عجیب امتحان ہے۔

امریکی بمباری چالیس دن تک امارت اسلامیہ افغانستان کا کچھ نہ بگاڑ سکی مگر پھر اچانک سب کچھ بدل گیا۔یقیناً یہ بڑا امتحان ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا کا وقت اور رورو کر اسے منانے کی گھڑی ہے۔اس موقع پر شک وشبہ بربادی ہے اوراپنے اعمال کی اصلاح اوررب کے حضور مناجات کامیابی ہے۔ممکن ہے حالات اورزیادہ بگڑ جائیں اور پوری دنیا ایک بار پھر کفر کی لپیٹ میں آجائے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ حالات درست ہوجائیں۔اورامتحان کے بعد یُسر وکشائش کی گھڑیاں آجائیں۔علم غیب کے خزانے رب کے پاس ہیں اوروہی ان کی کنجیوں کا مالک ہے۔ہم اسی سے مغفرت، رحمت اور مدد کے طلبگار ہیں۔وہی غفورورحیم اورناصر ہے۔اوروہی ارحم الرحمین ہے۔

اللھم ارحم امۃ محمد ﷺ

۱۴جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تین طبقے اور شہداء کی کامیابی

قرآن مجید میں شہادت کو’’بڑی کامیابی‘‘ قرار دیا گیا ہے اورایک صحابی کا واقعہ بھی ہے کہ انہوں نے شہادت کے وقت نعرہ لگایا”فزت ورب الکعبہ“ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ان دنوں مسلمانوں پر جو حالات آئے ہوئے ہیں انہوں نے اس حقیقت کی مزید تصدیق کردی ہے کہ بلاشبہ شہادت بڑی کامیابی ہے۔دیکھئے موجودہ لڑائی میں مسلمانوں کے تین فریق نظر آرہے ہیں ایک وہ جو شہید ہوگئے، دوسرے وہ جو اپنے دینی نظریات پر قائم ہیں اورانہیں شہادت نہیں ملی، اور تیسرے وہ جنہوں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہےاورکافروں کی طاقت کوناقابل تسخیر سمجھ کران کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے دیا ہے۔

اب ایک نظران تینوں طبقوں کے حالات پر ڈالئے۔وہ طبقہ جواپنے ایمان اور نظریات پر قائم ہےاورا سے شہادت نہیں ملی سخت آزمائش میں مبتلا ہے۔کئی افراد قید میں ہیں جہاں ان کے ساتھ وحشیانہ اورظالمانہ سلوک کیا جارہا ہے۔کئی مختلف جگہوں پر خوف کی حالت میں چھپتے پھررہے ہیں اورکئی دربدر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں ان لوگوں پر زمین تنگ ہوچکی ہے وہ شہادت چاہتے ہیں مگر شہادت کا میدان دور ہوچکا ہے وہ کافروں سے لڑنا چاہتے ہیں مگر جمہور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی ہے وہ اپنے نظریات پر قائم رہ کر اسلام کی حالت میں مرنا چاہتے ہیں مگر مظالم وشدائد کی شدت ان پر آگ کے

انگاروں کی طرح برس رہی ہے۔ان کے دن اور رات صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور آہ وزاریاں کرنے میں گزرتے ہیں اور ان کی زندگیاں تنگ ہو چکی ہیں۔

مسلمانوں کا وہ طبقہ جس نے کافروں سے ہاتھ ملا لیا ہے وہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہا اور اس نے اپنے دین کو مال کے بدلے اور آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ کر اپنا سخت گھاٹا کیا۔یہ لوگ نہ اپنوں کے رہے اور نہ غیروں کے۔اب اگر وہ پلٹنا بھی چاہیں تو انہیں پلٹنے نہیں دیا جاتا۔ان لوگوں کے ہاتھ اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگین ہوئے اور کافروں نے ان سے وہ گناہ کروائے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔مگر اس کے باوجود کافر بھی ان سے خوش نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے دباؤ ڈال کر ان کی وفاداری کو آزماتے رہتے ہیں۔پہلے طبقے کے مسلمانوں کو دنیاوی آزمائش کا سامنا ضرور ہے مگر ان کی آخرت تو بشرط استقامت انشاءاللہ محفوظ ہے مگر اس طبقے کے لوگوں نے تو اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت کو بھی ویران کر لیا ہے۔

ان دونوں پریشان حال طبقوں کے برعکس وہ مسلمان جو شہید ہو گئے ہیں، یقیناً پرسکون اور بافلاح راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب رہے۔اللہ تعالیٰ ان کی شہادت قبول فرمائے۔اب نہ انہیں کوئی پکڑ سکتا ہے اور نہ ڈرا دھمکا سکتا ہے۔**لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**۔وہ ہر کسی کے دباؤ سے آزاد ہو گئے اور ہر طرح کی آزمائش سے باعزت بری ہو گئے۔انہوں نے اپنی زندگیوں میں ایمان اور جہاد کی بہاریں دیکھ لیں اور پھر انہیں شہادت کا استقبال بھی نصیب ہو گیا۔دنیا میں ان کی جتنی زندگی مقدر تھی وہ انہوں نے گزار لی اور پھر انہیں وہ موت ملی جو زندگی سے افضل بلکہ حقیقی زندگی ہے اور اس موت کی تمنا انبیاء، صدیقین اور اولیاء نے فرمائی ہے۔

آج وہ انشاءاللہ پرسکون ہوں گے اور رب کی میزبانی کے مزے لوٹ کر خوشیاں

منا رہے ہوں گے۔انہوں نے جس راستے کو اختیار کیا اگر سارے مسلمان اسی پر چل پڑتے تو دنیا میں طاقت کا توازن بدل جاتا اور کفار کو عبرتناک شکست ہوتی۔وہ تھوڑے تھے مگر پھر بھی کامیاب رہے اور جو زیادہ تھے انہوں نے بزدلی دکھا کر ذلت اور نفاق کے طوق کو اپنے گلے میں ڈال لیا۔

وہ سچے تھے رب نے انہیں سچا کر دکھایا اور کفار کے مظالم انہیں حسرت سے دیکھتے رہ گئے۔ہاں اب ان پر کوئی کوڑے نہیں برسا سکتا اور نہ انہیں تھانے اور جیل کی رسوائی میں مبتلا کر سکتا ہے۔وہ اس بلند مقام تک پہنچ گئے جہاں دشمن کے آلات ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔وہ کفر کے دور میں اسلام کی نعمت بچا کر لے گئے۔یہ ان کا وہ کارنامہ ہے جس پر ہم انہیں رشک اور حسد کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول کیا تو انہیں شہادت سے سرفراز فرما دیا۔یا اللہ ہم پر بھی رحم فرما۔کیا ہم ان دردناک حالات میں اپنے اسلام و ایمان کو بچا کر لے جا سکیں گے۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْن۔ تمہیں اسلام ہی کی حالت پر مرنا ہوگا، یہ رب کا حکم ہے، کیا ہم اس حکم کو پورا کر سکیں گے۔کفر کی یلغار، منافقت کا طوفان بدتمیزی، قید، دباؤ، پریشانی، اذیت اور دھمکیاں ان سب کے باوجود اسلام اور ایمان موت تک محفوظ رہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔یا اللہ جن کو تو نے شہادت دی ان میں کئی ہمارے ساتھی، دوست اور یار تھے وہ تجھے پیارے ہو گئے تو ان کی برکت سے ہمارے اسلام و ایمان کی حفاظت فرما اور ہمیں وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْن والے حکم پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ بے شک ہم محتاج ہیں مگر تو غنی ہے اور تو ہی نیکیوں کا سہارا ہے۔آمین یارب المستضعفین۔

۱۴ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصروفیات کا راگ

بعض لوگوں کو اگر کہہ دیا جائے کہ آپ تو بہت مصروف ہیں تو خوشی کے مارے ان کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں اور وہ اپنی تمام مصروفیات بھول کر ایک نئی مصروفیت اختیار کر لیتے ہیں اور وہ ہے اپنی تعریف اور اپنی مصروفیات کی لمبی تفصیل کا بیان ۔تب احساس ہوتا ہے کہ اگر یہ شخص واقعی مصروف ہوتا تو وہ اپنا اتنا سارا قیمتی وقت اپنی تعریف جیسے فضول کام میں خرچ نہ کرتا ۔

۱۵ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملاقات

کل مورخہ ۲۹ شوال ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۴ جنوری ۲۰۰۲ء بروز دوشنبہ قید کا جمود قدرے ٹوٹا ۔حضرت والد صاحب اور عزیزم مفتی عبدالرؤف ملاقات کے لئے تشریف لائے ان کے ہمراہ کچھ ''اور لوگ'' بھی تھے ۔سپرنٹنڈنٹ صاحب کے کمرے میں ملاقات ہوئی ۔حضرت والد صاحب کے ہاتھوں کا بوسہ لے کر بہت سکون ملا ۔

یہ ملاقات ۴۵ منٹ تک جاری رہی ۔زیادہ گفتگو عزیزم عبدالرؤف کے ساتھ ہوئی ۔معلوم ہوا کہ عدالتی کارروائی کے لئے بعض وکلاء تیاری کر رہے ہیں اور پیرول کے لئے بھی کوششیں جاری ہیں ۔انڈین پارلیمنٹ پر حملے کی وجہ سے حکومت پاکستان مجاہدین پر سخت برہم ہے اور اس نے کشمیری عوام اور مجاہدین کے خون کو بھلا دیا ہے۔ حالانکہ پارلیمنٹ پر حملے کا معاملہ ابھی تک مشکوک اور مشتبہ ہے ۔تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ دشمن کی پارلیمنٹ کا درد اپنوں کے غم سے زیادہ ہے ۔وہی دشمن جس کے منہ سے مشرقی پاکستان اور مظلومانِ کشمیر کا خون ٹپک رہا ہے ۔مجاہدین بے چین ہیں اور ان کی تشویش بڑھتی جا رہی ہے ۔

دعاء: اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے کہ اس کے حکمران غیروں کے دباؤ میں اپنوں کے احساسات کو کچل رہے ہیں اور بارود پر بیٹھ کر انگاروں سے کھیل رہے ہیں ۔شوال کا مہینہ ختم ہونے کے بعد ممکن ہے نیا چاند نئے حالات کے ساتھ آئے وہ بھی ہماری طرح اللہ تعالیٰ کا غلام ہے ۔

۱۵ جنوری ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدشہ اور توقعات

آج جب کہ دینی اور جہادی جماعتوں کے خلاف ملک گیر آپریشن شروع ہو چکا ہے بندہ کو اپنی ۳۱ دسمبر کو لکھی ہوئی یادداشت ''مجرم یا پتھر'' یاد آ رہی ہے اس میں اس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ حکومت نے کشمیر سے پسپائی اور دینی جماعتوں کے خلاف آپریشن کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے اور اس آپریشن سے پہلے راستے کے پتھروں کو ہٹایا جا رہا ہے۔ اس تحریر کے پورے تیرہ دن بعد ۱۲ جنوری کو صدر پاکستان کی تقریر نے اس خدشے کو پورا کر دیا۔ یا اللہ جس طرح یہ خدشۂ بد پورا ہو گیا ہے جس میں خوشی کا کوئی پہلو نہیں ہے اسی طرح وہ اچھی توقعات بھی پوری فرما دے جن کا بارہا اظہار کیا جا چکا ہے اور تیرے قرآنی وعدوں کی بنیاد پر ان کی امیدیں مجھ سمیت تیرے ہر بندے کے دل میں بسی ہوئی ہیں۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

آمین یا ارحم الراحمین

۱۵ جنوری ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فدائی بسکٹ

بی بی سی نے خبر نشر کی ہے کہ ایک (گستاخ فدائی) بسکٹ صدر امریکہ جارج واکر بش کے گلے میں پھنس گیا۔ بسکٹ کا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دنیا کا (بزعم خویش) طاقتور ترین انسان دھڑام سے زمین پر آ گرا اور اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ گرنے کے نتیجے میں پیشانی اور ہونٹ پر زخم آئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ صدر صاحب منہ کے بل گرے۔ جب ہوش آیا تو چیخ چیخ کر انہوں نے محافظوں کو بلایا اور ایک نرس کو طلب فرمایا۔ پھر ڈاکٹر صاحبان تشریف لے آئے اور انہوں نے دل اور خون سمیت ہر چیز ٹیسٹ کر ماری مگر مجرم اپنا کام کر کے پیٹ کی طرف فرار ہو چکا تھا۔ یقیناً اس بسکٹ کی کمپنی اور بیکریوں پر بمباری ہونی چاہیے اور ان کے اثاثے منجمد کر دینے چاہئیں۔ نیز ایف بی آئی کو اس بات کا سراغ بھی لگانا چاہیے کہ اس بسکٹ کے مجاہدین اور طالبان کے ساتھ کس نوعیت کے تعلقات تھے۔ اسی طرح اس قسم کے بسکٹ اور ان کمپنیوں کو دوسرے تمام ممالک سے بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کرنا چاہیے۔ امریکی صدر کی گردن ناپنے والا یہ بسکٹ یقیناً دنیا کا سب سے خطرناک دہشت گرد تھا۔ مگر اب اسے کہاں ڈھونڈا جائے۔ وہ تو امریکی صدر کے پیٹ میں ہے اور معلوم نہیں کہ وہاں وہ کیا منصوبے بنا رہا ہوگا۔

۱۵ جنوری ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امِ بش کی نصیحت

صدر جارج ڈبلیو بش نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ان کی والدہ انہیں ہر چیز چبا کر کھانے کی نصیحت کرتی تھیں میں نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا جس کی وجہ سے بسکٹ گلے میں پھنس گیا۔صدر بش کی اس بات سے معلوم ہوا کہ وہ بسکٹ کو بھی مظلوم مسلمانوں کی طرح بغیر چبائے ہڑپ کر لینا چاہتے تھے مگر وہ بڑا استاد نکلا اور اس نے صدر صاحب کو منہ کے بل الٹ دیا۔یقیناً اس واقعے میں امریکیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔آج کل وہ جن مسلمانوں کو بے دریغ ہڑپ کر رہے ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ان کے گلے میں اٹک گیا تو پوری امریکی قوم منہ کے بل آن پڑے گی۔

۱۵ جنوری ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غازی صاحب مُڑ دبنو

میں نے جیل کے ایک اہلکار سے پوچھا کہ اکثر قیدیوں کو پھانسی دینے کے لئے میانوالی جیل کیوں لاتے ہیں؟ اس نے کہا یہ درست ہے کہ جسے کسی اور جیل میں پھانسی دینا آسان نہ ہو اسے میانوالی جیل لایا جاتا ہے جہاں آسانی کے ساتھ اسے لٹکا دیا جاتا ہے۔

جیل ملازم کے بقول انگریزوں نے غازی علم دین (جنہوں نے ایک گستاخ رسول کو قتل فرمایا تھا) کو کئی جیلوں میں پھانسی دینے کی کوشش کی مگر جیل کے اندر اور باہر شدید احتجاج کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے بالآخر انہیں بھی میانوالی جیل لایا گیا وہ یہاں پہنچے تو میانوالی کے لوگوں نے انہیں کہا غازی صاحب مُڑ دبنو (میانوالی اور بھکر کے لوگ اکثر الفاظ کے درمیانی حرف پر پیش پڑھتے ہیں چنانچہ مرد کو مُڑد کہتے ہیں) اور گھبراؤ نہیں۔

انگریز نے انہیں پھانسی پر لٹکا دیا اور انہیں اس جیل یا علاقے میں کسی طرح کا کوئی احتجاجی شور سنائی نہیں دیا۔یہاں کے لوگ احتجاج تو کیا کرتے وہ مرد بننے کا کہہ کر انہیں پھانسی پر لٹک جانے کی ترغیب دیتے رہے۔

یہ واقعہ سچا ہے یا جھوٹا اس کی تو سر دست کوئی تحقیق نہیں ہے۔مگر یہ بات درست ہے کہ پاکستان کی تمام جیلوں سے زیادہ سختی اسی جیل میں ہے اور یہاں دوسرے تمام جیلوں کے مقابلے میں زیادہ سخت قوانین نافذ ہیں۔اور جب کسی جیل میں کوئی سخت

اقدام نافذ کر دیا جائے تو وہ پتھر پر لکیر کی طرح انمٹ ہو جاتا ہے کیونکہ بعد میں آنے والا آفیسر اس اقدام کو بدلنے کی ہمت نہیں کرتا بلکہ وہ اس میں مزید سختی ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کسی افسر نے بے خیالی میں کوئی سخت حکم دے دیا تو اس کے سنتری سختی سے اسے نافذ کر دیتے ہیں حالانکہ وہ حکم وقتی ہوتا ہے مگر اچانک وہ افسر چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا افسر آ جاتا ہے تو وہ اس عارضی سختی کو قانون سمجھتا ہے اور اس میں ڈھیل دینے کو اپنی نوکری کے لئے خطرہ گردانتا ہے۔

گذشتہ دن جب میرے محترم والد صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے تو ملاقات کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے ایک نوجوان آفیسر سے کہا کہ وہ مجھے میرے بلاک میں چھوڑ آئے وہ آفیسر مجھے میرے سیل تک لایا اور پھر برآمدے کے دروازے پر تالا لگوانے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے روکا کہ یہ تالا شام سوا چار بجے لگتا ہے۔ وہ اس وضاحت کے بعد بھی تالا لگوانے پر بضد تھا۔ تب مجھے رخ بدل کر سختی سے بات کرنا پڑی تب وہ تالا کھلا چھوڑ کر غصے سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سنتری نے مجھ سے پوچھا کہ آج آپ خلاف عادت اس قدر غصے میں کیوں آ گئے تو میں نے کہا اگر آج یہ آفیسر تالا لگوا دیتا تو یہ بات ہمیشہ کے لئے قانون بن جاتی اور مجھے سارا دن سردی میں گزارنا پڑتا اور اس تالے کو کھلوانے کے لئے معلوم نہیں کتنے جتن کرنے پڑتے۔ سنتری نے میری اس بات کی تصدیق کی کیونکہ وہ جیل کے ماحول کو سمجھتا تھا۔

۱۲ جنوری ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری حقیقت

۱۹۹۴ء جب راقم مقبوضہ کشمیر میں گرفتار ہوا تو کئی حضرات نے میرے حق میں مضامین لکھے اور ایک صاحب نے ایک چھوٹی سی کتاب بھی شائع کی۔ ان مضامین میں انڈیا کی مذمت اور اس کے مظالم کا تذکرہ تو برمحل تھا مگر میرے بارے میں کافی مبالغے سے کام لیا گیا تھا اور تعریفوں کے وہ پل باندھے گئے تھے جن کی حقیقت سے میرا گزر تک نہیں ہوا تھا۔ دشمنوں کی قید سے رہائی کے بعد ایک بار پھر اسی طرح کے مضامین کا غلغلہ بلند ہوا۔ مگر جلد ہی بندہ نے اپنے رسالے میں ان مضامین کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ اب جب کہ بندہ پھر ایک بار رقید ہو چکا ہے اس بات کا خطرہ محسوس کر رہا ہے کہ قصیدہ سرائی کا یہ سلسلہ کہیں پھر شروع نہ ہو جائے۔

فی الحال چونکہ امریکی دباؤ نے سب کے اعصاب پر قبضہ کیا ہوا ہے اس لئے فوری طور پر تو اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ مجھ سمیت کسی بھی جہادی فرد کے حق میں کچھ لکھا یا بولا جا سکے گا بلکہ اس وقت تو الحمدللہ اپنے لوگ بھی ہم جیسوں سے لاتعلقی ظاہر کرنے میں پیش پیش ہیں اور ہر شخص اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ اس کا نام جہاد یا مجاہدین کے ساتھ نہ لگ جائے۔

خوف کی یہ فضا کب تک رہتی ہے سر دست تو اندازہ لگانا کافی مشکل ہے کیونکہ امریکا اگر خدانخواستہ افغانستان سے مکمل سرخرو ہو کر صحیح سالم نکل آیا تو پھر بعد کا نقشہ نہ جانے

والے پندرہ ممالک میں ہمارے وفادار ملک کا نام بھی شامل ہے۔ وہ امریکا جو روئے زمین پر ایک کلاشنکوف بردار مجاہد کو برداشت نہیں کر پا رہا ہے وہ دنیا کے نقشے پر ایک ایٹم بردار اسلامی ملک کو کس طرح برداشت کرے گا۔

بہر حال اگر امریکی دہشت کا مسلمانوں کے قلوب پر یہی اثر رہا تو اس زمانے کے مجاہدین کو مطمئن رہنا چاہیے کہ انشاء اللہ کوئی بھی مسلمان ان کے بارے میں مبالغہ آمیزی تو درکنار ان کا محبت کے ساتھ نام لینا بھی گوارہ نہیں کرے گا۔ بے شک ذبح ہو کر تڑپنے والے افراد کے قریب وہ لوگ کیوں آئیں گے جنہوں نے صاف و سفید کپڑے پہن رکھے ہیں، مبادا کہیں ان تڑپتے افراد کے خون کا کوئی چھینٹا ان پر نہ آن پڑے۔

آج کا مجاہد غیروں کے ظلم اور اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ہے کوئی اسے اپنا ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہاں یہ اس مجاہد کی خوش بختی ہے اور یہی اصلی توحید اور اصلی جہاد ہے۔ سفید کپڑوں کو بچانے والے بھی ایک دن اس زمین کے حوالے ہوں گے جس پر انہوں نے موقع پرستی، مفاد پرستی اور غیرت فروشی کے ببول بوئے تھے۔

بات دوسری طرف نکل گئی جب کہ اس تحریر کا مقصد اپنی ذات کے بارے میں مبالغہ آرائی کے امکانات کا خاتمہ ہے۔ گزارش یہ ہے کہ میرے ساتھ ہمیشہ لوگوں کا معاملہ میری حیثیت اور حقیقت سے بڑھ کر رہا ہے۔ میرے مخالف مجھے بہت چالاک، عیار، متکبر اور معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میں ایک سیدھا سادا سا کمزور انسان ہوں۔ میرے اندر بے شمار خامیاں ہیں لیکن مخالفین مجھے جس روپ میں پیش کرتے ہیں میرا وہ روپ نہیں ہے۔ جبکہ مجھ سے محبت کرنے والے مجھے بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ کوئی عالم سمجھتا ہے، کوئی مفتی کہتا ہے، کوئی ولی اللہ بناتا ہے، کوئی خطیب مانتا ہے، کوئی قائد گردانتا ہے اور کوئی مجاہد کبیر لکھتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں ان صفات کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ ممکن ہے بعض

عقیدت مند اسے تواضع سمجھیں مگر بخدا یہ تواضع نہیں اظہار حقیقت ہے۔ میری علمی استعداد اچھی تھی مگر جہادی مصروفیات نے اسے محفوظ نہ رہنے دیا۔ میں تقویٰ سے محبت کرتا ہوں مگر اسے اچھی طرح سے حاصل نہیں کر سکا۔ میں تصوف کو بہترین راہ اصلاح مانتا ہوں مگر مجھے اس راستے پر آبلہ پائی کا موقع نہیں مل سکا۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان ضرور کرتا ہوں مگر خطیب نہیں ہوں۔ میرے اندر قیادت کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے قائد بننے کا اہل بھی نہیں ہوں۔ اور جہاد! تو اس کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ محض میری تمنا کا حصہ ہیں۔ جہاں تک تحریر و تصنیف کا تعلق ہے تو میں سکہ بند مصنف یا ادیب نہیں ہوں۔ الغرض میں کچھ بھی نہیں ہوں میں تو اپنی بخشش اور مغفرت کے بارے میں بھی ڈرتا ہوں اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگتا ہوں۔

اس لئے تمام محبت کرنے والوں سے میری گزارش ہے کہ اپنی تقریر و تحریر کو میری تعریف سے آلودہ نہ فرمائیں۔ ہاں میرے اندر کوئی عیب دیکھیں تو اگر زندگی میں موقع ملے تو مجھے خود بتا دیں تاکہ اصلاح کی کوشش کر سکوں اور اگر میں مر جاؤں تو مغفرت کے لئے دعا فرما دیں۔ مگر اللہ کے لئے، اللہ کے لئے میری تعریف میں کچھ نہ لکھیں۔

اے میرے مالک میں نے اپنا سب کچھ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا ہے۔ اس لئے تاکہ میں تیرے سامنے شرمندگی سے بچوں۔ اے میرے رب اے ارحم الراحمین مجھے بخش دے اور میرے ساتھ اپنی رحمت کا معاملہ فرما۔ میں نے جو دینی باتیں تقریر یا تحریر کے ذریعے لوگوں تک پہنچائی ہیں ان میں سے جو تجھے پسند ہیں ان کے ذریعے مخلوق کو فائدہ پہنچا اور جو تجھے پسند نہیں ہیں انہیں نسیاً منسیاً فرما کر مجھے معاف فرما۔ اے رحمت اور مغفرت کو پیدا کرنے والے مجھ کمزور بندے کو اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

۲۰ جنوری ۲۰۰۲

ضمیمہ

مباح معاملات میں کسی کا دل توڑنا بہت برا لگتا ہے بلکہ اس کی ہمت تک نہیں ہوتی مثلاً بعض لوگ بندہ کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہیں، بندہ کو اس پر بہت شرم آتی ہے لیکن ہاتھ پیچھے کھینچنے کی صورت میں ان کی ہتک اور دل شکنی کا خیال ہوتا ہے۔ چنانچہ بندہ ہاتھ پیچھے نہیں کھینچتا۔ حالانکہ خود کو اس طرح کے کسی اکرام کا اہل نہیں سمجھتا۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سارے معاملات ہیں جنہیں مسلمانوں کا دل رکھنے کے لئے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق العباد

صدر صاحب نے ۱۲ جنوری کی تقریر میں ''حقوق العباد'' پر خاص طور سے زور دیا ان کی تقریر کے اگلے دن پورا ملک پولیس کی طرح سے ''حقوق العباد'' کی ادائیگی کے مناظر سے دمک اٹھا۔ ۱۲ جنوری کے دن جن تنظیموں کو غیر قانونی قرار دیا گیا ۱۳ جنوری کے دن سے ان تنظیموں کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ حالانکہ صدر صاحب کے غیر قانونی قرار دینے کا مطلب یہ تھا کہ یہ تنظیمیں ایک دن پہلے تک قانونی تھیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پابندی کے بعد اس بات کا جائزہ لیا جاتا کہ کس نے پابندی کو قبول کیا ہے اور کس نے ٹھکرایا ہے۔ مگر حقوق العباد کی ادائیگی کی دھن انتظامیہ کے سر پر سوار تھی۔ اب ان کارکنوں کو جیلوں میں لایا گیا ہے جہاں ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انہیں تاریک سیلوں میں ڈال دیا گیا ہے اور تو اور انہیں اس سخت سردی کے موسم میں ذاتی کمبل رکھنے اور دھوپ میں بیٹھنے تک کی اجازت نہیں ہے۔ یقیناً ان قیدیوں کے دل حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے مستعد ہو رہے ہوں گے۔ جمعۃ المبارک کے دن مساجد میں علماء اور خطباء کے ساتھ ذلت آمیز شرمناک سلوک کیا گیا، پولیس گھروں میں گھس کر خواتین اور بزرگوں کو ہراساں کر رہی ہے، چہرے پر سنت رسول ﷺ رکھنے والے لوگ داڑھیاں چھپاتے پھر رہے ہیں، ہر مسجد اور مدرسہ پر خوف اور دہشت کا ماحول طاری ہے اور ہر طرف کالی وردیوں والے دین اور علماء کے خلاف دندناتے پھر رہے ہیں۔

روز آنہ ملک دشمنوں کو مذاکرات کی دعوت دینے والے، حقوق العباد پر تلخ تقریریں کرنے والے، چین کے ڈرائیوروں کی مثالیں دے کر قوت برداشت کا درس دینے والے، اپنے ہم وطن مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اس کی پکڑ جب آتی ہے تو پھر ہر ظالم کو اپنے ظلم پر پچھتانا پڑتا ہے۔ مگر اس وقت پچھتانے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

۲۰ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم مثال

صرف نوجوان علماء کرام کے لئے

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بات اجاگر فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہر عمل کی جزاء اس عمل کے مثل ہوگی، اچھائی کا بدلہ اس جیسی اچھائی سے اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے دیا جائے گا۔ مثلاً مجاہد کے لئے قیامت کے دن سو بلند درجات کا تذکرہ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اس مجاہد نے جان و مال کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کیا اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرمائے گا۔

ہمارے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس عمل کی عالم مثال میں کوئی باقاعدہ شکل ہوتی ہے اچھے اعمال کی اچھی اور برے اعمال کی بری شکل۔ حضرت اس پر کئی دلائل اور مثالیں بھی پیش فرمایا کرتے تھے۔ ۱۲ جنوری ۲۰۰۲ء صدر پاکستان کی تقریر سن کر مجھے افسوس سے زیادہ اس بات کا خیال آیا کہ یہ تقریر ہمارے گناہوں کی ایک ایسی مثالی شکل ہے جو اسی دنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے۔ مثلاً

(۱) تقریر میں جہاد اکبر کا تذکرہ تھا۔ یہ وہ گناہ ہے جو طویل عرصے سے کیا جا رہا ہے کہ جہاد اکبر کی اصطلاح کو آڑ بنا کر جان و مال کی قربانی والے فرض جہاد سے روگردانی ایک محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔ ہم نے جب جہاد اکبر کے شوشے کو اپنے منبر و محراب پر آنے دیا تو اب کسی اور سے کیا شکوہ ہے، ہم نے فرض جہاد جس پر ہمارے آقا

وسوئی حضرت محمد ﷺ کا قیمتی خون اور صحابہ کرامؓ کے جسموں کے ٹکڑے بطور گواہ موجود تھے، کو چھوٹا جہاد کہنے کا جرم کیا اور ہم قرآن مجید کی سینکڑوں آیات اور حضور اکرم ﷺ کے ستائیس غزوات کو بھلا بیٹھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ نفس کی اصلاح کا مسلسل عمل مسجد نبوی سے لے کر میدان بدر و احد تک جاری تھا مگر ہم نے اس عمل کو قتال کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ہماری کتابوں میں قتال و جہاد کے فضائل ہزاروں صفحات پر بکھرے پڑے ہیں مگر ہم نے اس کی گرد ہٹانے کی بجائے کسی کونے سے ایک موضوع اور بے اصل اصطلاح جہاد اکبر کے عنوان سے ڈھونڈ لی اور ہم نے یہ تک نہ سوچا کہ ہم قرآن مجید کے بیان کردہ ایک محکم فریضے کی اہانت کر رہے ہیں۔ ہم یہ گناہ کرتے رہے یہاں تک کہ ایک شخص نے اسی اصطلاح کی چھری ہماری گردن پر چلا دی اور ہم مستقبل کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر اپنی اپنی فکر میں لگ گئے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اپنے اس گناہ کا اس قدر بھیانک انجام دیکھ کر ہم توبہ کریں؟ آج ہم میں سے بعض ظلم کا شکار ہیں جب کہ دوسرے بعض کو امن دیا جا رہا ہے۔ لیکن کل امن پانے والے بھی اس ظلم کا شکار ہو جائیں گے، اگر وہ نہ سنبھلے اور انہوں نے توبہ نہ کی۔

(۲) تقریر میں درویش صفت بوریا نشین صدر صاحب نے علماء کرام کو بیچارہ، ٹر بوگاڑیوں کا طعنہ دیا۔ صدر صاحب کا کیا قصور؟ ہم میں سے ہر ایک اپنے دینی منصب اور مقام کو بھلا کر ایک دوسرے کی گاڑیاں گنتا رہا ہے اور عوام میں ایک دوسرے کو رسوا کرنے کی کوشش میں رسوائی کے اس بلند مقام تک پہنچا ہے۔

(۳) تقریر میں دینی مدارس کے نصاب پر انگلی اٹھائی گئی۔ یہ کام بھی ہم خود طویل عرصے سے کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے اکابر الحمد للہ حیات ہیں اور ان کی قیادت، رہنمائی اور سیادت میں اتفاق کے ساتھ نصاب کا معاملہ با اختلاف کیا جا سکتا تھا۔ مگر ہم میں سے ہر ایک کی رائے دوسرے سے مختلف رہی اور ہم اختلاف کے شرعی تقاضوں سے انحراف کر

کے ایک دوسرے پر تنقیدی نشتر بھی چلاتے رہے۔ ہم یہ گناہ شوق اور لذت کے ساتھ کرتے رہے یہاں تک کہ ایک شخص نے ہم سب کو کٹھے لٹکا کر ہم پر ہمارے ہی استعمال شدہ نشتر چلا دیئے۔ اور ہم آہ کرنے کا حق بھی چھنوا بیٹھے۔ ہم نے اجتماعیت کی بجائے اپنی ذات کے گرد کالونیاں بسائیں۔ چنانچہ آج ہم میں سے ہر ایک تنہا ہے اور ہر ایک اکیلا۔

(۴) تقریر میں ہم پر شک و شبے کے تیر برسائے گئے۔ یہ وہ ظلم ہے جو ہم نے ماضی میں حد سے زیادہ کیا۔ ہم نے پہلے آپس کا اعتماد کھویا اور آخر میں ہم سب کا اعتماد جاتا رہا۔ ہم نے ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ ہم نے ایک دوسرے کو حکومت کا ایجنٹ اور ایجنسیوں کا آلہ کار قرار دیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو فرقہ پرست اور بے حکمت کہا۔ اور ہم نے اپنے حلقہ اثر اور شعبے سے باہر کے ہر خادم دین کو تہمت کی انگلیوں پر نچایا۔ ہم ماضی میں ایک دوسرے سے انقباض کا شکار رہے اور ہم نے اپنی طبیعت اور مزاج کو نص قطعی جان کر خود کو دوسروں سے الگ اور محدود رکھا۔ ان حالات کے بعد اگر ہم سب پر شک کے پتھر پھینکے گئے ہیں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں اصل قصور کس کا ہے؟

تاریخی تقریر ختم ہو چکی ہے ہم بہت کچھ کھو کر بھی زندہ ہیں اور ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ شیطان ہمیں اکسائے گا کہ ہم ان حالات کی ذمہ داری بھی ایک دوسرے کے منہ پر مل دیں اور اپنے دامن کو صاف رکھنے کی عبث جستجو میں لگے رہیں۔ شیطان ہمیں سستی اور بزدلی کی طرف ہانکے گا جس کا انجام ہماری ہلاکت ہے۔ آیئے ہم میں سے ہر ایک اپنی اصلاح کا عزم کر لے، دل سے دنیا کو نکال کر دین بھر لے اور آخرت کی فکر کو معیار بنا کر سچی توبہ کرے۔ ہاں اس وقت ندامت کے آنسو اور توبہ کے نالے ہمیں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح نجات یافتہ بنا سکتے ہیں۔

۲۰ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرفان صدیقی صاحب کے نام

۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۲۰۰۲ء بروز اتوار۔روزنامہ نوائے وقت میں جناب ''عرفان صدیقی'' صاحب کا مضمون قندھار کا نوآباد قبرستان پڑھنے کے لائق ہے۔ صدیقی صاحب نے ایمانی جذبات کے موتیوں کو غیرت وحمیت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ ان دنوں ان کے تحریر کردہ نقوش ان کی آخرت کا قابل فخر سرمایہ بن رہے ہیں۔ (انشاءاللہ)

میں ان کی تحریر بہت توجہ اور عقیدت سے پڑھتا ہوں اور ہر تحریر پڑھ کر جھوم جاتا ہوں اور میرا دل بے اختیار انہیں دعائیں دینے لگتا ہے۔

آج انہوں نے ملا یار محمد اخوند کی شہادت کا تذکرہ چھیڑا اور پھر اس عنوان کو مظلوم شہداء کے مہکتے خون سے گل رنگ کر دیا۔

کاش میں عرفان صاحب کو بتا سکتا کہ ملا یار محمد اخوند امریکی حملے سے بہت پہلے شہید ہو چکے ہیں۔ان کی شہادت کی خبر ان کے سلام کے ساتھ مجھے کوٹ بھلوال جیل میں ملی تھی۔واشنگٹن پوسٹ نے غلط لکھا ہے غالباً وہ امریکی فتوحات میں رنگ بھرنے کے لئے پرانے شہداء کے خون کی ذمہ داری بھی قبول کر رہا ہے۔یا ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسرے ملا یار محمد اخوند ہوں۔افغانوں کے ہاں یہ نام بہت عام ہے۔ہرات کے گورنر ملا یار محمد کی شہادت بہت پہلے ہو چکی ہے مجھے اس کی ''قابل اعتبار'' تصدیق ہے۔

۲۰ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کی حالت زار

آج کل ہندوستان سے بڑی گرم خبریں آ رہی ہیں وہاں کی متعصب انتہا پسند ہندو تنظیمیں وی ایچ پی (وشوا ہندو پریشد) آر ایس ایس (راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ) اور بجرنگ دل، اسی سال مارچ کے مہینے میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر (رام جنم بھومی) بنانے کی تحریک چلا رہی ہیں۔ملک کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی بنیادی طور پر آر ایس ایس کے نیکر پوش پرچارک (مبلغ) ہیں جب کہ ملک کے وزیر داخلہ لال کرشن ایڈوانی اسی تنظیم کے ایک نظریاتی لیڈر ہیں۔حکومت میں شامل دیگر کئی اہم وزراء ماضی میں مذہبی قتل وغارت کے باقاعدہ مجرم رہ چکے ہیں۔مثال کے طور پر اوما بھارتی اور مرلی منوہر جوشی کے نام ثبوتوں کے ساتھ پیش کئے جا سکتے ہیں۔مسلمانوں پر شدید قسم کے تحریری حملے کرنے والے ارون شوری بھی ملک کے وفاقی وزیر ہیں۔

چند دن پہلے پاکستان کے ساتھ کشیدگی کا عذر کر کے اٹل بہاری واجپائی نے وشوا ہندو پریشد سے درخواست کی تھی کہ وہ فی الحال مندر کی تعمیر کے معاملے کو نہ اٹھائے مگر آر ایس ایس اور وی ایچ پی کے مرکزی لیڈروں اشوک سنگھل اور رجّو بھیا نے نہایت حقارت کے ساتھ اس درخواست کو مسترد کر دیا۔

آج کی خبروں کے مطابق متعصب تنظیموں کا ایک بڑا وفد لکھنؤ سے دہلی کی طرف مارچ کرنے والا ہے اس جلوس نما وفد میں ملک کے نامور سادھو شامل ہیں۔فی الحال یہ

مارچ اجودھیا سے پولیس کا پہرا ہٹانے کی شرط لے کر اجودھیا میں قانون ہاتھ میں لینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب پاکستان میں دینی طبقوں کو مال مویشی کی طرح ذلت سے ہنکایا جا رہا ہے، تاریخی تقریروں میں وہ زبان استعمال کی جا رہی ہے جسے اخلاق کی کسی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا، مساجد اور مدارس پولیس کے وحشیانہ چھاپوں کی زد میں ہیں۔ علماء اور خطباء پابہ زنجیر ہیں۔ ہزاروں افراد خوف، دہشت اور بے یقینی کے ماحول میں چھپتے پھر رہے ہیں۔ ڈاڑھی اور دیگر معطر سنتیں بوٹوں کی زد میں ہیں اور دین کی بات کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ ملک کی ترقی کو دین سے بےزاری اور معیشت کو مذہبی جماعتوں کے خاتمے سے مشروط بتایا جا رہا ہے۔

امریکا، بھارت، برطانیہ اور دیگر ممالک پاکستان کے حکمرانوں کو ان تاریخی کارناموں پر داد تحسین دے رہے ہیں۔ کشمیر میں روزانہ ایک درجن سے زائد مجاہدین خاک وخون میں تڑپتے ہیں۔ جب کہ کشمیر کمیٹی کا سربراہ اس شخص کو بنایا گیا ہے جو انڈین آرمی کی طرح مجاہدین پر گولیاں تو نہیں برسا سکتا البتہ گالیاں برسانے میں کسی طرح بخل نہیں کرتا۔

بھارت ہو یا افغانستان، اسرائیل ہو یا پاکستان ہر جگہ اسلام کی بات کرنا جرم اور دین پر عمل کرنے والا مسلمان سب سے بڑا مجرم ہے۔ اے آسمان تو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور زمین تو بھی یہ سب کچھ یاد کر رہی ہے۔ مگر تم دونوں بھی مظلوم مسلمانوں کی طرح بے بس ہو۔ مگر رب عظیم، آسمان و زمین کا مالک اور مسلمانوں کا مولیٰ ...... قادر بھی ہے اور مقتدر بھی۔ اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

۲۰جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انگریزی کا حشر

آج سارا دن، گرم تحریروں میں گزر گیا۔ ذائقہ بدلنے کے لئے ایک تازہ واقعہ یا لطیفہ حاضر خدمت ہے۔ میرے ہم قفس ''مہربان'' کو انگریزی نہیں آتی جس کا وہ برملا اظہار کرتا ہے اور اسے اس سیکولر دور میں اپنے اس گناہ پر کوئی ندامت بھی نہیں ہے۔ آج کھانا پکاتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر فلاں ملازم موجود ہوتا تو مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوتی۔ میں نے کہا مہربان، پرابلم کا کیا مطلب؟ کہنے لگا کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ میں نے پوچھا یہ پرابلم کس زبان کا لفظ ہے۔ اس نے کہا پنجابی کا۔ غالباً وہ غلطی سے انگریزی لفظ پرابلم کو استعمال کر بیٹھا تھا مجھے اس کا بگڑا ہوا تلفظ سن کر خوشی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی الفاظ بلکہ خود انگریز اسی طرح کے سلوک کے مستحق ہیں۔

۲۰جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرانا کھیل

اسرائیلی افواج نے فلسطین کے کئی علاقوں پر باقاعدہ حملہ کر دیا ہے۔ان حملوں میں فلسطینی مسلمانوں کا بے حد جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔وہ تمام ممالک جو گذشتہ کئی سالوں سے فلسطینیوں کو بندوق رکھ کر مذاکرات پر لانے کے لئے سرگرداں تھے اب خاموش ہیں۔اسلام دشمن طاقتوں نے پہلے یاسر عرفات کے ذریعے فلسطین کی مزاحمتی تحریک کو ٹھنڈا کیا اور مجاہدین کو بہلا پھسلا کر میدان جہاد سے ہٹایا اور دفاتر میں لا بٹھایا، جب میدان صاف ہو گیا تو اب چاروں طرف سے حملے ہی حملے ہیں۔یہ کافروں کی پرانی چال ہے جو ہر دور میں کچھ منافقوں کی وجہ سے کامیاب ہو جاتی ہے۔یہ کھیل پاکستان میں بھی کھیلا جا رہا ہے اور ایک مخصوص ٹیم کے ذریعے جہادی قوتوں کا قلع قمع کروایا جا رہا ہے۔کچھ دنوں بعد ملک کی طاقتور ایجنسیوں کا بستر گول کرانے کی سازش ہے اور اس کے بعد اگلا نمبر فوج کا ہے۔جب سب کچھ کمزور پڑ جائے گا تو پھر چاروں طرف سے حملے ہوں گے اور ملک کو غلام بنانے کی کوشش کی جائے گی۔اللہ کرے یہ خوفناک سازش پہلے مرحلے پر ہی ناکام ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔فلسطینی مجاہدین کی تنظیم حماس کو جس نے کچھ نہ کچھ طاقت بچا کر رکھی کہ آج یہی طاقت اہل فلسطین کا دفاعی سرمایہ ہے۔

۲۲ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دار الھجرۃ اور تبلیغی جماعت

ماضی کے اکثر مصلحین، مجددین اور اہل حق علماء کے حالات پڑھنے کے دوران یہ بات تواتر سے معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات نے اپنے زمانے کے ظالم حکمرانوں اور فتنوں سے بچنے کے لئے ہجرت فرمائی۔اس سے ایک طرف تو ہجرت کی ضرورت اور افادیت سمجھ میں آتی ہے اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کو ہجرت کے لئے کوئی نہ کوئی **دار الھجرۃ** میسر تھا۔اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے کہ کسی انسان کو اپنے عقیدے، عمل اور نظریے کی حفاظت کے لئے کوئی **دار الھجرۃ** مل جائے اور وہ وہاں پہنچ کر آزادی کے ساتھ اپنے دین، عقیدے اور نظریے پر عمل پیرا ہو سکے۔میرے خیال میں اس زمانے کے مسلمانوں سے ان کے اعمال کی پاداش **دار الھجرۃ** کی نعمت بھی چھین لی گئی ہے اب ان کے لئے کڑھنے، سسکنے اور آہیں بھرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

دار الھجرۃ موجود ہوتا ہے تو بہت سارے کمزور ایمان والے بھی طاقتور بن جاتے ہیں اور انہیں اپنے اندر ایک قوت محسوس ہوتی ہے اور یوں ان کا ایمان نفاق سے بچ جاتا ہے۔مگر جب **دار الھجرۃ** نہیں ہوتا تو پھر کمزور ایمان والے لوگ سمجھوتہ کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں اور یہ سمجھوتہ بسا اوقات انہیں ایمان کے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

آج پھر مسلمانوں کے پاس کوئی **دار الھجرۃ** نہیں ہے۔چنانچہ اکثر لوگ کفر

اور نفاق کے سامنے صبح وشام سجدے کررہے ہیں اور ہر طرف مداھنت کا بازار گرم ہے۔ بے شمار لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اپنے ایمان کو دنیا کی خاطر بیچ رہے ہیں۔ مگر بکنے والا سامان اتنا زیادہ ہے کہ قیمتیں کم ہوچکی ہیں اور خریدار تھکاوٹ محسوس کررہے ہیں۔

اسلامی اصطلاحات کو بدلا جارہا ہے اور دھڑلے کے ساتھ اسلام کے زمزم میں سیکولرازم کا پیشاب ملانے کی بات کی جارہی ہے۔ وہ لوگ جنہیں کلمہ طیبہ بھی صحیح تلفظ اور ترجمے کے ساتھ نہیں آتا علماء اور مشائخ کو صحیح اسلام سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں اور انہیں تلقین کررہے ہیں کہ وہ اسلام کی ایسی دعوت پیش کریں جو مسلمانوں کو اچھی لگے یا نہ لگے مگر کافروں کو ضرور پسند آئے۔

قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے اور اسلام کے محکم فرائض سے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر روکا جارہا ہے۔ ان حالات میں وہ عالم دین معتبر ہے جو جہاد کے خلاف بات کرے اور لوگوں کو دین کے وہ معنی بتائے جو زمانے کی کفریہ طاقتوں کو پسند ہیں۔ آج جہاد جرم، دینی تعلیم گناہ اور اسلام کی بات عیب ہے۔

ہائے! **دار الھجرۃ** نہ ہونے کے کتنے نقصانات ہیں اور یہ مسلمانوں کیلئے کتنا بڑا خسارہ ہے۔ میرا ناقص خیال یہ ہے کہ ترکی کی خلافت اسلامیہ ختم ہونے کے بعد بھی مسلمانوں پر کم وبیش ایسے ہی حالات آئے تھے اور اس وقت بھی مسلمانوں سے **دار الھجرۃ** چھن گیا تھا اور آج جس طرح امریکا کا ہر طرف بول بالا ہے اس وقت برطانیہ کی طاقت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ تب مجبوری کے ان حالات میں وقت کے مجدد حضرت مولانا الیاسؒ نے اپنے زمانے کو حضور اکرم ﷺ کے مکی دور سے مشابہ قرار دیا اور مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لئے تبلیغی جماعت کا پُرحکمت کام شروع کیا۔ بے شک مجبوری کے دور میں اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا کا غالباً یہ خیال تھا کہ ابھی مسلمانوں کو کلمے کے ساتھ جوڑا جائے اور ان میں وہ ایمانی یقین پیدا کیا

جائے جو انہیں حکمرانوں کے سامنے جھکنے اور کفر اختیار کرنے سے محفوظ رکھے۔ مولانا نے اپنے کام کو لچکدار رکھا تاکہ اسے آسانی سے توڑا نہ جا سکے۔ یہ کام اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک کوئی **دار الھجرۃ** نہیں مل جائے گا۔ ہاں جب کوئی **دار الھجرۃ یا دار الجھاد** مل جائے گا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے یہ لوگ سب سے پہلے لبیک کہیں گے کیونکہ وقت اور مال کی قربانی کے یہ پہلے سے عادی ہوں گے۔ سفر کی مشقت جھیلنے اور گھر والوں کو چھوڑ چھاڑ کر نکل جانے کے خوگر ہوں گے۔ چنانچہ جب بھی "**حی علی الجھاد**" کی صدا آئے گی سب سے پہلے یہ لوگ اس کے لئے تیار ہوں گے۔

حضرت مولاناؒ کے ملفوظات میں اس طرف کافی اشارے ملتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کی موجودہ ترتیب مجبوری اور بے بسی کے زمانے کی ضرورت ہے اور آئندہ چل کر جب مجبوری اور بے بسی کا دور ختم ہو جائے گا تو پھر یہ جماعت وہ بڑا کام کرگزرے گی جس میں دین کے غلبے کا راز پوشیدہ ہے۔ حضرت مولاناؒ اپنا تجدیدی کام شروع کر کے چلے گئے ان کے بعد ان کے جانشین حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ نے اس کام کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے شرق و غرب تک پھیلا دیا اور وہ بھی اپنے بیانات میں روشن مستقبل کے اشارے دیتے رہے۔ مگر جب افغانستان میں امارت اسلامیہ قائم ہوگئی تو اس سبق کی یاد دہانی............

۲۶ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زہریلا نشہ

چند دن پہلے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک مضمون نظر سے گزرا آپ نے اس مفید مضمون کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض غلط پالیسیوں کی وجہ سے مغربی میڈیا نے جہاد کو دہشت گردی سمجھا۔

ڈاکٹر صاحب سے دست بستہ عرض ہے کہ اسلام دشمن عناصر تو ہمیشہ سے جہاد کے مخالف رہے ہیں۔ کیا ماضی میں کوئی ایسا دور پیش کیا جا سکتا ہے جب اسلام دشمنوں نے جہاد کو اچھا سمجھا ہو۔ ہمارے دل و دماغ پر مغربی میڈیا کا جو رسوا کن رعب سوار ہے اسے ختم کرنے کی اشد ضرورت ہے ورنہ کندھوں پر کیمرے اٹھائے گورے صحافی ہم سے بہت کچھ چھین لیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ اگر آج یورپ کا کوئی ان پڑھ بھنگی کیمرہ اٹھا کر آ جائے تو ہم اسے فارن میڈیا کا ستون سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی اور اسلام کی صفائیاں دیتے نہیں تھکتے۔ حالانکہ اگر ہم اس کے سامنے اسلام کی صفائیاں پیش کرنے کی بجائے یہ معلوم کر لیتے کہ اس نے کتنا عرصہ پہلے اپنی صفائی کی تھی تو یقیناً ہمیں اپنا طرز عمل بدلنے میں آسانی رہتی۔ افسوس کہ ظاہری و باطنی طور پر ناپاک اور نجس لوگوں کا رعب ہمارے دل و دماغ پر زہریلے نشے کی طرح چھا گیا ہے۔

۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وحشی درندہ

معلوم ہوا ہے کہ مزار شریف میں ہتھیار ڈالنے والے مجاہدین میں سے نصف کو ظالمانہ طریقے سے شہید کر دیا گیا تھا جب کہ باقی نصف شبرغان کے قید خانے میں شدائد و مصائب کا سامنا کر رہے ہیں۔ اللہ ارحم الراحمین ان سب کو با عزت و عافیت رہائی عطا فرمائے۔ آمین۔

وحشی درندہ، رشید دوستم، وہ مجرم ہے جس کی گردن پر پہلے ہی ہزاروں حفاظ اور علماء کرام کا خون ہے۔ اس بد عہد شخص کے منہ میں زبان اور سینے میں دل نہیں ہے۔ کرائے کا یہ وحشی قاتل روس کے جنگلات میں درندہ بنایا گیا اور پھر اسے اسی جیسے چالیس ہزار درندوں کا ایک لشکر ''گلم جم'' دیا گیا۔ یہ جاہل اور جنگلی ملیشیا افغانستان میں روسی فوج کی جگہ لینے اور روسی افواج کی شکست کا بدلہ چکانے کے لئے تیار کی گئی تھی۔

رشید دوستم اور اس کی ظالم ملیشیا اب تک ہزاروں پاکباز اور متقی مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکی ہے۔ آج جب کہ ساری دنیا سے دہشت گردی کے خاتمے کی بات کی جا رہی ہے اور بجھی راکھ تک میں سے سوئیوں کے ذریعے دہشت گردی کی چنگاریوں کو ڈھونڈا جا رہا ہے، کیا کسی کو رشید دوستم جیسا دہشت گرد نظر نہیں آتا؟ کیوں نظر آئے؟ وہ تو آج کل خود ان کا کرائے کا قاتل ہے۔

کاش انتہا پسندی کے خلاف تقریریں کرنے والے رتی بھر انصاف کرتے تو انہیں اس موضوع پر بولنے سے پہلے بہت کچھ دیکھنے اور سوچنے کا موقع مل جاتا۔

۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت جاری ہے

جو شخص دین کا کام کر رہا ہو اور پھر گرفتار کر لیا جائے تو اسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی لاحق ہوتی ہے کہ اب وہ دین کا کام نہیں کر سکے گا۔محرومی کا یہ احساس بہت گہرا اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔مگر یہ بات تسلی کا باعث بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے سچے دین کا محافظ ہے اور معذور و مجبور شخص ان ذمہ داریوں سے شرعی طور پر آزاد ہو جاتا ہے جن ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے اسے جبراً روک دیا جاتا ہے۔

صاحب استطاعت شخص کے لئے حج فرض ہے لیکن اگر دشمن اسے زبردستی روک لیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔نماز کے لئے وضو لازمی شرط ہے لیکن اگر خوفناک جانور پانی پر قبضہ کر لیں اور انسان کے لئے پانی کو پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو وضو کا فرض بھی ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی گرفتاری کے بعد اس کا دینی کام پہلے سے زیادہ احسن طریقے سے چلتا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کمی کو کسی اور ذریعے سے پورا فرما دے تو پھر دل کی پریشانی اور کم ہو جاتی ہے۔مجھ جیسا ناقص، کمزور اور نااہل انسان آزادی کی حالت میں دین کا کیا کام کر رہا تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہ تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کو جہاد کی خالص دعوت دے رہا تھا اور مسئلہ جہاد کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔اب جب کہ گرفتاری کے بعد میرے لئے یہ سلسلہ جاری رکھنا ممکن نہیں رہا، الحمدللہ جہاد کی دعوت پھر بھی پورے زور و شور کے ساتھ چل رہی ہے۔چنانچہ وہ کام بند

نہیں ہوا جس کی ذمہ داری میں اپنے کندھوں پر محسوس کرتا تھا بلکہ اب تو امریکا کے وحشیانہ مظالم نے مسلمانوں کو مسئلہ جہاد کی مکمل حقیقت سمجھا دی ہے اور ان میں دین اور اسلامی غیرت کی خاطر مر مٹنے کے وہ جذبات پیدا کر دیئے ہیں جو میری ایک سو تقریریں بھی پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔

امریکا کے غیر انسانی مظالم، امریکی حکمرانوں کے بوکھلائے ہوئے بیانات اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے تبصرے، جہاد کی وہ فضا بنا رہے ہیں جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اور یہ بات اب بھی جاری ہے کہ امریکا کے ڈالروں نے اسلام اور جہاد کو جو نقصان پہنچایا تھا امریکا کے میزائل، بم اور ستم، اسلام اور جہاد کو اتنا ہی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔بے شک جب زبانیں بند کر دی جاتی ہیں تو پھر لہو کی دھاریں، آہوں کے زمزمے اور زنجیروں کے سلسلے جہاد کی دعوت دیتے ہیں اور یہ دعوت زبانی دعوت سے زیادہ مؤثر، بلاخیز اور بھرپور ہوتی ہے۔

۳ فروری ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک دن

۱۹۹۹ء ۳۱ دسمبر کا دھوپ سے چمکتا دن میری طویل گرفتاری سے آزادی کا پیغام لایا تھا......۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ جمعہ کا دن سہ پہر کا وقت قندھار کی سرزمین ......اور تشکر بھرے آنسو......مگر آج ۲۰۰۱ء ۳۱ دسمبر کا سردی اور کہر سے ٹھٹھرتا دن کس حال میں آیا ہے؟ آج نہ مسلمانوں کا مرکز قندھار رہا ...... اور نہ امارت اسلامیہ افغانستان......آج پھر اہل حق کے لئے گرفتاریاں ہیں......خوف، پریشانی، گھیراؤ، قید......اور دھمکیاں ...... مجھے یقین ہے کہ......اللہ تعالیٰ آج بھی ایمان والوں کے ساتھ ہے......اس کے حضور درخواست ہے کہ......آزمائش کی گھڑیاں ختم فرما کر ......امت مسلمہ کے ایمان اور حوصلے کی حفاظت فرمائے......آمین ثم آمین

۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء